حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ملفوظات
حکیم الامت
اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

حسن العزیز جلد چہارم

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام، اولیاء عظام کے تذکروں، عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات وروایات، دین برحق مذہب اسلام کے احکام ومسائل جن کا ہر فقرہ حقائق ومعانی کے عطر سے مُعطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی ونقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے اور جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

جمع فرمودہ حکیم مولوی محمد یوسف بجنوریؒ و حکیم مولوی محمد مصطفیٰ بجنوری وغیرھما

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ اشرفیہ منزل۔ نزد کلی آرٹس، چوک فوارہ ملتان۔

نام کتاب..............ملفوظات حکیم الامت جلد-20
تاریخ اشاعت.......................... صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدارۂ تالیفاتِ اَشرَفیہ چوک فوارہ ملتان
طباعت..............سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

بتوفیقہ تعالیٰ کچھ عرصہ سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کو اپنے اکابرین کی خصوصی دعاؤں اور توجہ سے حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابرین کی تالیفات وتصنیفات کی طباعت کا شرف حاصل ہورہا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

قارئین کرام سے دعاؤں کی التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت نصیب فرما کر ہماری اس حقیر سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین!

مزید گذارش ہے کہ آج کل کمپیوٹر کتابت کا دور ہے اور اس میں بار بار تصحیح کے باوجود اغلاط پھر بھی رہ جاتی ہیں اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ دوران مطالعہ جہاں اغلاط سامنے آئیں زحمت فرما کر نوٹ فرمالیں اور بوقت فرصت اغلاط نامہ بھجوادیں۔ یہ آپ کا ادارہ کے ساتھ خصوصی تعاون ہوگا۔ فجزاک اللہ خیرا

طالب دعا احقر محمد اسحاق ملتانی

گرامی نامہ

حضرت اقدس الحاج مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب عارفی دامت برکاتہم
خلیفہ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

۱۷ رمضان المبارک

محترمی و مکرمی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی گرانقدر ہدیہ تالیف
ماہ رمضان شریف میں موصول ہوا۔ آپ
کے لئے دل سے دعا نکلی ماشاء اللہ
بڑی نیک توفیق حاصل ہوئی آپ دین کی
ایسی خدمت کر رہے ہیں جس کی دور حاضر
میں سخت ضرورت ہے۔ حضرت حکیم الامت کی تالیفات
کی اشاعت خصوصاً مواعظ و ملفوظات
کی جدید بھی اشاعت کی جائے خدا کرے
میں دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو
آپ کی مشکور فرماویں اور ذریعہ نجات
آخرت بنائیں آمین محمد عبدالحئی

اظہارِ مسرّت وتحسین

از حضرت اقدس مرشدی ومربی مولانا الحاج محمد شریف صاحب دامت برکاتہم
خلیفۂ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رحؒ سے صرف نسبت ہی نہیں نسبت کا نشہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زرِ کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالٰے ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

دعا گو

احقر محمد شریف عفی عنہ

ملفوظات حسن العزیز ﴿جلد۴﴾

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم. اما بعد!

دعوت کی درخواست اور حضرت کا انکار ایک وجہ سے

واقعہ: ایک جگہ دعوت کھا کر چلنے کو ہوئے ایک صاحب نے شام کی دعوت کیلئے عرض کیا۔ بعد عرض کرنے کے یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص چار سال ہوئے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی خط اس عرصہ میں میرے پاس بھیجا انہوں نے کہا کہ نہیں اس پر فرمایا۔

ارشاد: پھر میں آپ کی دعوت کیسے قبول کرلوں جائے قیام پر آیئے اور دعوت کیلئے وہاں کہئے یہ تو دوسرے کا مکان ہے وہاں گفتگو ہوگی۔ (چنانچہ وہ صاحب بعد ظہر جائے قیام پر آئے اور دعوت کیلئے رقعہ پیش کیا اس پر آپ نے فرمایا شکایت یہ ہے کہ آپ اتنے روز سے بیعت ہیں نہ خط کتابت کی نہ کوئی بات پوچھی اب تدارک یہ ہونا چاہئے کہ آپ کی درخواست نہ منظور کی جائے (انہوں نے کہا غلطی ہوئی اس پر فرمایا) جب غلطی رفع ہو جائے گی تو ہم بھی عذر رفع کر دیں گے بلا ایسی بھی بے تعلقی کرتے ہیں کہ مجھ کو مل کر یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ تم ہو کون جب غلطی چھوڑو گے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ یہ بات کی کچھ تو سزا ہونی چاہئے۔

حضرت کے سامنے سے بچے ہوئے کھانے پر حضرت کی ، لتاڑ

واقعہ: ایک جگہ دعوت تھی وہاں گئے جب کھانا کھا چکے تو ایک صاحب جو ہمراہیوں میں تھے حضرت کے سامنے کا بچا ہوا کھانے لگے جیسے رسم ہے کہ بزرگوں کے سامنے کا بچا ہوا متبرک سمجھ کر اکثر لوگ کھاتے ہیں دوسری بات ان صاحب نے یہ کی تھی کہ روٹیاں کہیں اس کے سامنے اور کہیں اس کے سامنے رکھنی شروع کر دی تھیں حالانکہ وہ مہمان تھے حضرت نے اس پر ان کو جھڑ کا اور فرمایا۔

ارشاد: اس کے متعلق ایک تو مسئلہ ہے وہ یہ کہ جو کھانا بچا ہوا ہے وہ صاحب خانہ کی ملک ہے اس میں دوسرے کو تصرف بلا اجازت درست نہیں اگر بڑا شوق ہے تو صاحب خانہ سے مانگ کر کھا لیجئے اور مسئلہ کے علاوہ اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ دوسرے شخص کو یعنی جس کے سامنے کا کھانا کھایا ہے بتاتا ہے کہ آپ ایسے ہیں اور اپنی عقیدت جتلاتا ہے کہ ہم ایسے عقیدت مند ہیں۔ ایک یہ کہ گھر والوں کو خود اس کھانے کا لینا منظور ہوتا ہے وہ پسند نہیں کرتے دوسرے کو دینا اور یہ سب باتیں بالکل ظاہر ہیں مگر رسم غالب ہوگئی ہے حقائق کو نہیں دیکھتے (اور روٹیوں کا بندوبست کرنے پر فرمایا) آپ کوئی منتظم ہیں آپ تو خود مہمان ہیں

جیسے میزبان بٹھائے بیٹھئے اور جس طرح کھانا رکھے رکھنے دیجئے آپ کو اس سے کیا بحث، بات یہ ہے کہ آپ اپنے کو بڑا جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ اس لئے ہر بات میں دخل دیتے ہیں۔ ساری خرابی اپنے کو بڑا جاننے کی ہے۔

اگر آدمی اپنے کو سب سے پست جانے تو ہر کام کی جرات نہ کرے گا۔ (پھر ان صاحب نے راستہ میں کہا کہ حضرت یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس پر فرمایا اس کا گر یہ ہے کہ ہر کام سوچ کر کرے بے سوچے نہ کرے پھر غلطی بہت کم ہوگی۔ اس طرح ہر کام میں سوچے گا تو سوال کرنے کی نوبت بھی کم آئے گی۔ بہت سی باتیں خود ہی حل ہو جائیں گی۔ ہمیشہ خیال رکھئے ان باتوں کا بعض وقت میزبان کو بعضی حرکت مہمان کی بہت ناپسند اور ناگوار ہوتی ہے ایسا نہیں چاہئے اور آپ میرے پاس اتنے دنوں سے ہیں مگر آپ کو چھوٹی باتوں کی بھی خبر نہیں آپ صرف نفل پڑھنے کو مقصود سمجھتے ہیں۔

ملفوظات سفر ہمیر پور ۱۴؍ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

توسل کی حقیقت

واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ توسل کی کیا حقیقت ہے۔ اس پر فرمایا:

ارشاد: منقول تو دیکھا نہیں مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی بقدر اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے توسل کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما کیونکہ ہمیں اس شخص سے تعلق ہے اسی طرح اعمال صالحہ کا توسل آیا ہے حدیث میں اس کے معنی بھی یہ ہیں کہ اس عمل کی جو قدر ہے حق تعالیٰ کے نزدیک اور ہم نے وہ عمل کیا ہے اے اللہ برکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو۔

پس معنی یہ ہیں کہ وہ عمل رحمت کا سبب ہے، اور واقع میں سبب ہے بھی اور یہ توسل عمل کے ساتھ حدیث سے بھی ثابت ہے (ایک صاحب نے عرض کیا کہ اعمال کا واسطہ نہ دے تو حرج ہے اس پر فرمایا) واجب تو نہیں جو شبہ ہوا۔ ایک جواز کی صورت بتلائی ہے۔

رجاء افضل ہے یا خوف

پھر اس شبہ کو اپنے اعمال کے توسل میں ان کے مقبول ہونے کا گمان لازم آتا ہے دفع فرمایا

کہ کبھی انسان پر رجاء کا غلبہ ہوتا ہے کبھی خوف کا اور کبھی انبساط ہوتا ہے اور کبھی انقباض جو حالت جس وقت غالب ہو اس کا اتباع کیا جائے (ایک صاحب نے پوچھا کہ رجاء افضل ہے یا خوف اس پر فرمایا اپنے موقعہ پر ہر ایک محمود ہے۔ جیسے گھی اپنے موقع میں اور شہد اپنے موقع میں جیسے طبیب کہ حسب موقعہ سہل منضج دونوں تجویز کرتا ہے اور سب محمود ہیں اب کوئی اعتراض کرنے لگے کہ اس کو تو یہ نسخہ لکھا اور اس کو نہ لکھا تو اس کی حماقت ہے۔

حضرت کا ہمراہیوں سے پہلے سوار نہ ہونا۔

— واقعہ ہمیر پور کے اسٹیشن سے چلنے کے وقت لوگوں نے سب سے پہلے حضرت والا کو سوار کرنا چاہا تو اس پر فرمایا۔

ارشاد: کہ ہمراہی پہلے سوار ہولیں تو میں سوار ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا (حضرت نے اس پر عمل فرمایا **سید القوم خادمھم** کہ قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے کیا ٹھکانا اس مسکنت اور عمل بالشریعۃ کا)

ارشاد: جب دیوبند مدرسہ کی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بنیاد ڈالی تو بعض بانیان کالج علی گڈھ نے کہا تھا اس کا نتیجہ کیا ہوگا سوائے اس کے کہ چند **قل اعوذ** اور بڑھ جائیں گے بھیک مانگیں گے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے یہ سن کر حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ اس کا عملی جواب آپ ہی دینگے تو فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ وعدہ کرلیا گیا کہ جو یہاں سے نکلے گا اس کی ماہواری آمدنی دس روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا چنانچہ واقعی دس روپیہ سے کم آمدنی والا کوئی نہیں خواہ بلاواسطہ وہاں کا تعلیم یافتہ ہو یا بواسطہ غرض وہاں کے تعلیم یافتوں کو ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر فرمایا یہ لوگ بہت سادی وضع سے رہتے ہیں اس لئے قلیل آمدنی بھی کافی ہو جاتی ہے۔ آجکل تو زیادہ خرچ فیشن ہی کا ہے ورنہ انسان کا تھوڑی آمدنی میں بھی گذر ہو جاتا ہے۔

جاہ کے متعلق

واقعہ: اسٹیشن پر سپاہی قیدیوں کو لئے ہوئے تھے جیسا کہ معمول ہے اس وقت حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: اس سے جاہ کی حقیقت معلوم ہوتی ہے جیسے قیدی مقید ہیں ایسے ہی سپاہی قیدیوں کے ساتھ

مقید ہیں۔ پس اہل جاہ بھی مقید ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کو ہر وقت ایسے خیالات رہتے ہیں۔ کوئی معتقد نہ ٹوٹ جائے کوئی یوں نہ کہے کوئی طعن نہ کرے کہیں کسی کو یہ برا نہ معلوم ہو خصوص آ جکل کے مشائخ میں ایک یہ بھی ہے کہ کوئی اپنا معتقد دوسرے کا معتقد نہ ہو جائے۔

ریل میں تیسرا درجہ بہتر ہے

ریل کے ادنی درجہ میں جسمانی تکلیف تو ہوتی ہے کہ ہجوم ہو جاتا ہے مگر روحانی راحت ہے کیونکہ متبرک لوگ نہیں ہوتے اور اعلی درجہ میں جسمانی راحت تو ہے مگر روحانی تکلیف ہے کیونکہ اکثر مذاق کے خلاف لوگ ہوتے ہیں۔ تیسرے درجہ میں لوگ ہماری رعایت کرتے ہیں۔ اور بڑے درجہ میں ہمیں دوسروں کی رعایت کرنی پڑتی ہے ایک دفعہ ہم بڑے درجہ میں سوار تھے اس میں ایک عیسائی شخص مذہبی گفتگو کرنے لگے میں نے کہا کہ یہ موقعہ اس گفتگو کا نہیں کہنے لگے کہ تفریح سے راستہ کٹے گا۔ میں نے کہا کہ مذہب تفریح کے لئے نہیں عمل کے لئے ہے پھر وہ نہیں بولے۔

واقعہ: ہمیر پور تقریباً دو کوس رہا ہوگا وہاں اکے ٹھیرے معلوم ہوا کہ ہمیر پور میں بعض لوگوں نے گولے بنوائے ہیں اس غرض سے کہ جس وقت حضرت والا قریب شہر کے آ جائیں تو ان کو چھوڑا جائے تو حضرت نے ان صاحب سے جو اس کے منتظم تھے فرمایا۔

ارشاد: میزبان کو مناسب ہے، یہ کہ ایسی بات کرے جس سے مہمان کو راحت پہنچے نہ وہ کہ جس سے کلفت ہو جناب ہمارے توپ گولے تو یہ ہیں کہ اللہ کا راستہ بتلائیں لوگوں کو ہدایت کریں اور وہ اس پر عمل کریں (چنانچہ ایک شخص کو آگے دوڑا کر ممانعت کر دی) (یہ نمونہ ہے اس کا کہ حضرت والا کو ذرا بھی جاہ اور اپنا بڑا بننا مقصود نہیں۔ آ جکل یہ بات بعض علما میں بھی مفقود ہے کوئی حضرت والا کی خدمت میں قیام کر کے دیکھے تو معلوم ہوگا کہ حضرت میں کتنی تواضع ہے آ جکل کے محبان جاہ تو گولے چھوڑنے کو فخر سمجھتے ہیں۔) از جامع

عمدہ انتظام

جس روز کانپور سے ہمیر پور جانے والے تھے حضرت والا نے کمترین سے فرمایا کہ ان صاحبوں کے نام لکھ لو جو ساتھ جائیں گے اول ان کے جو ہمراہی ہیں پھر جو صاحب باہر سے آئے ہوئے

ہیں اس کے بعد اہل شہر چنانچہ میں نے سب کے نام موافق ترتیب مذکور کے لکھ لئے جو صاحب ہمیر پور سے لینے آئے تھے رہ ہمراہیوں کا بھی اور باہر سے آنیوالوں کا بھی کرایہ خود دینا چاہتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ تو دینے کو تیار ہیں مگر ساتھ والوں سے بھی دریافت کرلیا جائے کہ کون لیتا ہے اور کون نہیں۔ پھر قبول کرنے میں یا نہ کرنے میں ان کو آزادی دیجئے خواہ آسانی کیلئے یوں کیجئے کہ سب کا کرایہ حکیم صاحب کو دیجئے وہ سب سے الگ الگ دریافت کرلیں گے اور جو صاحب نہ لیں گے انکا کرایہ آپ کو واپس دیدینگے اس سے سب کا خیال معلوم ہو جائے گا۔ نہایت آزادی کے ساتھ اور جو اہل شہر میں سے جائیں گے وہ جانیں اور آپ جانیں غرض ایسا ہی کیا گیا۔ سوائے ایک صاحب کے سب نے کرایہ قبول کرلیا اور سب کو واپسی تک کا کرایہ دے دیا گیا۔ چنانچہ ہمیر پور کے اسٹیشن سے تا شہر یکوں میں گئے دوسرے روز صبح کو حضرت والا نے ایک صاحب سے فرمایا کہ کل جو یکے شہر تک آئے تھے جن صاحبوں نے ریل کا کرایہ قبول کرلیا تھا ان کا کرایہ تو صاحب خانہ کے ذمہ ہے ان کے علاوہ جو صاحب تھے وہ اپنا کرایہ ایک صاحب کے پاس جمع کر کے صاحب خانہ کے پاس پیش کریں وہ نہ لیں تو دوسری بات ہے مگر آپ کو دینا چاہئے چنانچہ جمع کر کے جو صاحب خانہ کی طرف سے منتظم تھے ان کے سامنے پیش کیا گیا انہوں نے لے لیا (حضرت کا ہر کام نہایت انتظام سے ہوتا ہے۔ اصول حضرت کا یہ ہے کہ کسی پر بار نہ ہو)۔

شامیانے کی وجہ تسمیہ

واقعہ: حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ شامیانے کو شامیانہ کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا مجھ کو نہیں معلوم اس پر فرمایا۔

ارشاد: شامیانہ اہل شام کی ایجاد ہے حج میں جو شامی لوگ آتے ہیں تو اللہ اکبر ان کے ساتھ بڑے بڑے خیمہ اور شامیانے ہوتے ہیں گو یہاں کی نسبت ان شامیانوں میں کچھ تغیر ہے مگر ایجاد وہیں کی ہے۔ فقط۔

ہمیر پور میں مستورات کا بیعت ہونا

جس روز ہمیر پور میں حضرت والا پہنچے بعد مغرب وعظ ہوا۔ جس میں مستورات بھی تھیں صبح کو چند مستورات کی طرف سے درخواست بیعت کی ہوئی چنانچہ حضرت والا ان کے مکانوں پر خود تشریف لے گئے اور ان کو بیعت فرمایا۔ جب بیعت کرنے کیلئے اندر گئے تو مکان کے اندر پردہ ہو رہا تھا تو میں نے

عرض کیا کہ حضرت میں بھی اندر چلوں تو ارشاد فرمایا کہ مالک مکان سے اجازت لینے پر جا سکتے ہیں۔ ویسے جائز نہیں۔ چنانچہ میں نے اجازت لے لی اور اس کے بعد جس جگہ اتفاق ہوا تو اجازت لیکر جاتا تھا اندر مکان کے پہنچنے پر پردہ درمیان میں تھا حضرت والا نے کسی محرم شخص کو اندر پردہ کے کھڑا کر دیا اور ان سے فرمایا کہ جو میں سوال کروں ان عورتوں سے اس کا جواب لے کر مجھ سے کہتے جاؤ۔

بیعت کا مفصل بیان

سوال: بہشتی زیور دیکھا یا سنا ہے یا نہیں۔ جواب سنا ہے۔ سوال۔ کونسا حصہ۔ جواب۔ پہلا حصہ اس پر حضرت نے فرمایا بہت کم سنا ہے پوری کتاب سنیں اپنے شوہر ہی سے سن لیا کریں اور سات حصے تو ضرور ہی سن لینے چاہئیں پھر حضرت نے فرمایا کہ ان سے پوچھو سنو گی عمل رکھو گی۔ خواہ عمل کرنا نفس اور طبیعت اور عادت کے خلاف ہو۔

غرض سب نے اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت نے پردہ کے اندر اپنے رومال کا گوشہ بڑھا دیا کہ وہ بیبی ہاتھ میں لے لیں اور خطبہ پڑھا اور امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پڑھ کر یہ تین آیتیں تلاوت کیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون. یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کو نوا مع الصّدقین. ان الذین یبا یعو نک انما یبا یعون اللہط. ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ. ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیئوتیہ اجراً عظیماً. ط

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جو میں کہتا جاؤں وہ اپنے دل میں کہتی جاؤ۔ یہ کہو توبہ کی میں نے شرک سے کفر سے بدعت سے چھوٹے بڑے گناہوں سے ایمان لائی میں اللہ پاک پر اور اس کے سچے رسول پر لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ عہد کرتی ہوں میں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھوں گی رمضان شریف کے روزے رکھوں گی۔ اگر مال ہوگا تو زکوۃ دوں گی زیادہ گنجائش ہوگی تو حج کروں گی۔ اللہ رسول کے احکام جہاں تک ہو سکے گا بجالاؤں گی اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان کو ہرگز نہ کروں گی۔ اگر خطا ہو جائے تو فوراً توبہ کرلوں گی بیعت ہوتی ہوں چاروں سلسلوں میں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اے

اللہ ان سب خاندانوں کی برکت نصیب فرما اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ مجھے اٹھا آمین۔اب دعا کرو کہ خدا سیدھا راستہ چلائے خاتمہ ایمان پر ہو نیک عملوں کی توفیق ہو۔اس کے بعد حضرت نے ان صاحب سے جو واسطہ تھے فرمایا کہ انہیں سمجھا دیجئے گا۔ کہ مسائل میں بہشتی زیور پر عمل کریں اور جو کوئی نیا مسئلہ پیش آئے خط میں لکھ دیا کریں پتہ میرا لکھا کر اپنے پاس رکھ لیں۔ پھر حضرت نے فرمایا اگر کچھ پڑھنے کا شوق ہو تو قرآن شریف پڑھا کریں یا سنا کریں۔تہجد میں پڑھ لیا کریں۔ بعد عشاء چار رکعت یا آٹھ رکعت اور پانچوں نمازوں کے بعد یہ پڑھا کریں۔ **سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ ۳۳ بار لاالہ الااللہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار** چلتے پھرتے استغفار کی کثرت رکھیں اگر پورا استغفار یاد نہ ہو تو اتنا ہی پڑھ لیا کریں۔اور آگے یاد کرلیں۔دو ہفتہ بعد حالات کی اطلاع دیں تا کہ سلسلہ تعلیم کا جاری رہے۔

بعض لوگ بیعت کے بعد خبر ہی نہیں لیتے اور جواب پوچھنا ہو پوچھ لیں ورنہ بعد میں بذریعہ خط کے فقط۔(بہت سی مستورات بیعت ہوئیں البتہ جن کے خاوند موجود نہ تھے اور انہوں نے بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ بلا اجازت خاوند کے بیعت نہ ہونا چاہئے ہاں اگر قرائن سے اجازت معلوم ہو جائے تو خیر ورنہ کبھی آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے حضرت بیعت فرما کر مکان پر تشریف لے آئے تھانہ بھون میں ایک صاحب کا خط ہمیر پور سے آیا تھا کہ جو مستورات حضرت سے بیعت ہوئی تھیں تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی اور ان کو بہت نفع ہوا دین کی طرف بہت توجہ ہوگئی اور لکھا تھا کہ ان کی حالت دیکھ کر دوسری مستورات کا رجحان آپ کی طرف ہو رہا ہے۔ جامع۔

سرمہ سنن عادیہ سے ہے

واقعہ: ایک صاحب نے کہا کہ سرمہ مجھ کو موافق نہیں میں اس سنت سے محروم ہوں۔ میری قسمت۔

اس پر فرمایا:

ارشاد: یہ سنت بالمعنی الاعم ہے یعنی عادات میں سے ہے عبادات میں سے نہیں سنت بالمعنی الاخص نہیں۔

بیعت میں جلدی مناسب نہیں

واقعہ: ایک صاحب نے کہا کہ میں غریب ہوں چار روپیہ کا نوکر مجھ کو بیعت کر لیجئے۔ توبہ کرا دیجئے

ارشاد: جلدی میں خرابی ہے بیعت میں جلدی نہ کیجئے بعض اوقات یہ خرابی ہوتی ہے کہ بیعت ہو جاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کہاں جا پھنسے جس سے بیعت ہونے کا ارادہ ہو پہلے اس کا طریقہ معلوم کرلیا جائے ایسے شخص کو دھوکہ نہیں ہوتا۔ جب میرا طریقہ ہی نہیں معلوم تو دوسرا بہکا سکتا ہے۔ میں نے ایسے واقعات دیکھے ہیں اور توقف میں حرج ہی کیا ہے۔

دیکھو اگر کوئی کسی کو نماز پڑھائے تو پہلے یوں کہے گا کہ وضو کرلو نماز سے پہلے وضو ہونا چاہئے طریقہ معلوم کرلینا بجائے وضو اور بیعت بجائے نماز ہے۔

پھر ایسا شخص پکا ہوتا ہے اندیشہ اس کے ڈگمگانے کا نہیں ہوتا۔ میں پرچہ پر کتابیں لکھے دیتا ہوں پہلے ان کو دیکھ لیجئے پھر موقعہ ہوگا۔ خط کے ذریعہ بیعت ممکن ہے۔ بہشتی زیور، اصلاح الرسوم، تعلیم الدین، جزاء ایمان، فروع الایمان، دعوات عبدیت کے جتنے حصہ دیکھ سکیں ان میں وعظ ہیں ان سب کے ملنے کا پتہ ایک یہ تھا۔

تھانہ بھون[1] ضلع مظفر نگر مطبع امداد المطابع منشی رفیق احمد اور دوسرا پتہ یہ ہے۔ مولوی شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔

حضرت والا کی بیدار مغزی اور فہم و فراست

واقعہ: حضرت والا کانپور سے ہمیر پور روانہ ہونے کو تھے اور بڑی پیرانی صاحبہ کا ارادہ بعد صحت کھانے پکانے کا تھا مساکین و اہل خصوصیت کیلئے تو یہ رائے ہوئی تھی کہ گھی ہمیر پور سے خریدا جائے کفایت رہے گی چنانچہ گھی وہیں سے خریدا گیا۔ ایک پیپہ ٹین کا اس کے لانے کو ہمراہ تھا مبلغ تیس روپیہ کا گھی تھا تین پاؤ گھی اس سے بچ رہا بہت سے احباب کی رائے ہوئی کہ کسی گھر سے گھی کا استعمالی برتن منگا کر اس میں رکھ کر لے جائیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں سے منگا لیجئے اس پر حضرت والا نے فرمایا۔

ارشاد: ذرا عورتوں کے دل سے پوچھو آپ نے تو کہہ دیا کہ گھر سے منگا لو عورتوں کو ایسے برتن کے مقابلہ میں اشرفی دینا آسان ہوتا ہے۔ آپ کو کیا خبر کتنی ان کو گرانی ہوگی۔ میں گرانی نہیں چاہتا مجھے منظور

---

[1] آجکل

نہیں گوارا نہیں (اس تجویز کو ملتوی کر کے جو لوٹا ٹین کے ہمراہ تھا اس میں کان پور تک گھی کو لائے۔

فائدہ: بظاہر بات تو ذرا سی ہے مگر واقعی بڑے پایہ کی ہے اس سے حضرت والا کی بیدار مغزی اور فہم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کیسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر حضرت کی نظر ہے ورنہ حضرت اگر ذرا زبان ہلاتے تو دس برتن موجود ہو جاتے فقط جامع۔

پھر فرمایا میں تو یہ پوچھتا ہوا بھی گھبراتا ہوں کہ خوشی سے دو تو لے لوں ورنہ، نہ لوں کیونکہ اس کے جواب میں لحاظ سے یہی کہہ دیتے ہیں کہ خوشی سے دیتا ہوں چنانچہ ہمارے وطن میں ایک شادی ہوئی بعد نکاح یہ دستور ہے کہ لڑکی والا لڑکے والے کو خرچ کی ایک فہرست لکھ کر دیتا ہے کہ بھنگی کو اتنا دو اور بھشتی کو اتنا دو چنانچہ اس فہرست میں ایک روپیہ مسجد و مدرسہ کا بھی تھا آٹھ آنہ مسجد کے اور آٹھ آنہ مدرسہ کے ایک حافظ صاحب جو مہتمم مسجد کے تھے اس روپیہ کو لے کر میرے پاس آئے میں نے کہا کہ میرے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ لڑکے والا مجمع سے شرما کر دیتا ہے۔ اس لئے مجھے شبہ ہے جواز میں اینچ پیچ کرنے لگے کہ خوشی سے دیا ہے میں نے کہا کہ اچھا پوچھ آؤ مگر اس طریقہ سے کہ ان کو واپس کر دو اور یہ کہنا کہ چونکہ رسم کے طور پر دباؤ سے دیا گیا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ابھی امتحان ہو جائے گا کر لو۔ چنانچہ وہ لے گئے اور اسی طرح کیا تو انہوں نے صاف کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ میرا دل تو نہ چاہتا تھا بے شک لحاظ سے دیا تھا۔ اور اگر حافظ صاحب یوں کہتے کہ خوشی سے دیا ہو تو دے دو تو وہ ہرگز واپس نہ لیتے جب واپس کر کے وہاں سے چلے تو انہوں نے پھر بلایا کہ اب تو یہاں کوئی مجمع نہیں اور میرے قبضہ میں بھی آ گیا لیجئے اب خوشی سے دیتا ہوں چنانچہ وہ لے آئے اور کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ اتباع شریعت کی یہ برکت ہے۔ اب جائز صورت سے ملا نقصان بھی نہ ہوا۔ اول تو اتباع میں دنیا کا بھی ضرر نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تب بھی دین ہی کو مقدم رکھنا چاہئے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر مجمع میں سوال کرنے سے زیادہ ملے اور خلوت میں کم وہ زیادتی حرام ہے کیونکہ دینے والے نے مجمع کے دباؤ سے دیا ہے جب تھانہ بھون کا مدرسہ شروع ہوا تو میں نے ایک مضمون لکھا۔ جس میں کسی کا نام نہیں لکھا۔ مضمون یہ تھا کہ یہ ایک دینی کام اگر آپ حضرات اس کام کو ضروری سمجھیں تو شریک ہو جائیں ایک بھنگی کا لڑکا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو وہ کاغذ دیا کہ لوگوں کے پاس لے جائے اس کی وجاہت سب کو معلوم ہے اس سے کہہ دیا کہ کوئی جو کچھ لکھ دے وہ لے آنا اور جو انکار کرے مجھ سے آ کر اس کا قول مت نقل کرنا۔ خیر کسی نے آٹھ آنہ لکھے

کسی نے روپیہ لکھا۔ پس یہ چندہ بالکل حلال تھا لوگ اس باب میں احتیاط نہیں کرتے حالانکہ حق العباد کا قصہ بڑا اہم ہے۔ اس کے متعلق ایک کام کی بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خدا کی نافرمانی کرنے میں اپنا ہی نقصان ہے خدا کا نہیں اور معاشرت کی بدنظمی میں مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے خواہ ذرا ہی سی تکلیف ہو۔ اس لئے حق العباد میں بہت اہتمام چاہئے۔ فقط۔

مستورات کے پردہ کے متعلق ایک عجیب بیان

ارشاد: اگر پردہ کی شرعی تاکید بھی نہ ہوتی تو غیرت بھی تو کوئی چیز ہے بڑی غیرت کی بات ہے کہ ایک عورت کو دوسرا دیکھے روپیہ ادنی درجہ کی چیز ہے۔ لیکن اگر روپیہ ریل میں کسی کے پاس ہوتا ہے تو وہ ہر کسی کو نہیں دکھاتا کہ مرغوب شے ہے دوسرے کو حرص نہ ہو جائے پس مصلحت اسی کو مقتضی ہوتی ہے کہ کسی کو دکھایا نہ جائے تو عورت تو اس سے زیادہ اور حفاظت کی چیز ہے۔ فقہاء حکماء امت ہیں انہوں نے جوان عورت کو سلام کرنے تک کو منع لکھا ہے کیونکہ جوان عورت جب سلام کرتی ہے اس سے بھی اس کی طرف میلان ہوتا ہے حضور علیہ السلام کی ازواج کے بارے میں ارشاد ہے **فیطمع الذی فی قلبہ مرض** حالانکہ اول تو صحابہؓ خود اعلیٰ درجہ کے متقی پھر ان کے قلب میں آپ کی عظمت اور محبت ایسی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ پھر ان بیبیوں سے ہمیشہ کیلئے نکاح بھی حرام باوجود ان سب باتوں کے فرمایا۔ **فیطمع الذی فی قلبہ مرض** اور فرمایا **اذا سئلتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب** تو جب نبی کی بیبیوں کی نسبت یہ قانون جاری کیا اور اس میں یہ حکمت بتلائی کہ دونوں کے دل پاک رہیں **ذالکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن** پھر آج کون ہے جوان سے زیادہ مدعی طہارت وتقدیس ہوسکتا ہے۔ یہ تو نصوص ہیں ادھر فقہاء کے بندوبست دیکھئے اور صوفیہ کے یہاں تو اور بھی تنگی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ امردوں اور عورتوں سے نرم برتاؤ اور گفتگو کرنا رہزن طریق ہے بہر حال مرد و عورت میں باہم میلان طبعی بات ہے۔ بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے بعض عورتیں اس قدر بے باک ہیں کہ مضامین شائع کرتی ہیں اور اس میں نام بھی اپنا معہ پورے پتہ لکھ دیتی ہیں حالانکہ مضامین سے مقصود جب محض افادہ ہے تو اس میں یہ کیا ضرورت ہے کہ نام بھی ہو ایک لڑکی نیک ہے اس نے کچھ مفید مضامین مرتب کر کے ایک نصائح کی کتاب بنائی اور میرے پاس بغرض اصلاح بھیجی نام بھی اپنا خطبہ میں لکھ دیا میں نے اس کو کاٹ کر یہ لکھ دیا

(راقم اللہ کی ایک بندی اور میں نے اس پر کچھ سطریں بطور تقریظ کے ایسی لکھ دیں کہ اگر وہ اپنا نام چھاپے تو تقریظ نہ چھاپ سکے اور اگر تقریظ چھاپے تو نام نہ چھاپ سکے اور وہ مضمون تھا کہ میں نے یہ کتاب دیکھی سب سے زیادہ مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ موءلفہ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ بعض فقہا نے یہاں تک لکھا ہے کہ بھتیجی کو چچا تک سے علیحدہ رہنا چاہئے گو وہ خود محرم ہے مگر اپنے لڑکوں کیلئے پسند کرنے کے واسطے اس پر نظر کرے گا۔ اور فقہا نے فرمایا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کا جھوٹا کھانا جائز نہیں کیونکہ اس کھانے سے بھی رغبت ہوتی ہے میں نے اس کا یہ انتظام کر رکھا ہے جو کھانا بچا ہوا گھر میں جاتا ہے اگر معلوم نہ ہو کہ کس کا کھایا ہوا ہے تو تب کھالو ورنہ مت کھاؤ۔

فقہاء نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ لکھتے ہیں ''اجنبی عورت کی چادر کو دیکھنا حرام ہے ہمارے یہاں ایک منشی عبدالرزاق تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک افسر نے پردہ پر اعتراض کیا کہ مسلمان عورتوں کو قید میں رکھتے ہیں۔ میں نے کہا قید کس کو کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ کسی کو نہ نکلنے دینا یہ قید ہے میں نے کہا کہ یہ ناتمام حقیقت ہے پوری حقیقت ہم سے سنیئے ہم نے قید خانہ دیکھے ہیں جو وہاں شان ہوتی ہے قید وہ ہے کہ قیدی نکلنا چاہے اور اس کو نکلنے نہ دیں۔ پس حقیقت قید کی خلاف طبع پر مجبور کرنا ہے اور ہمارے یہاں یہ حالت ہے کہ اگر عورت کو گھر سے نکالیں تو وہ اندر گھسے تو اس کیلئے قید باہر نکلنا ہوا نہ کہ گھر میں بیٹھنا کیونکہ گھر میں بیٹھنا اس کے خلاف طبع نہیں تو وہ قید بھی نہیں اور باہر نکلنا خلاف طبع ہے اس لئے وہ قید ہے اور میں نے کہا بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں چاہے تمھارے یہاں نہیں، پس بالکل لاجواب رہ گیا ایک رئیس تھے وہ اپنی بیوی کو باہر نکالنا چاہتے تھے مگر شریف عورتوں کو مرنا قبول ہے لیکن باہر نکلنا قبول نہیں گھر میں بیٹھنا ان کی فطرت ہے چنانچہ اسی اختلاف میں وہ جان سے ماری گئی۔

ہماری طرف کی اکثر عورتیں ایسی ہیں کہ حقیقی بھائی کے پاس تنہا بیٹھنا ان کو گوارا نہیں۔ نیز پردہ میں بڑی عظمت وقعت بھی ہے۔

۳ قبر پر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے یا نہیں

واقعہ: حضرت والا قبرستان میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہئے۔ یا نہیں۔

ارشاد: ثابت نہیں بس دل میں مانگ لے (حضرت نے چنانچہ کچھ پڑھ کر بخشا اور ہاتھ نہیں اٹھائے۔) فقط۔

مولانا گنگوہی کا ایک ہندو سے بیعت سے انکار اور اس کی وجہ اور ایک بزرگ کے بیعت کرنے کی وجہ

ارشاد: ایک شخص ہندو جو ایک بزرگ سے بیعت تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا گنگوہی کی حضور میں حضرت کے مرید کا سفارش لے کر بغرض تجدید بیعت آیا مولانا نے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ تو مرید کرلوں وہ مسلمان نہیں ہوا اور چلا گیا۔ اس پر بعض لوگوں نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرت اگر مرید ہو جاتا تو کچھ اسلام سے قرب ہی ہوتا۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں اور بعد ہوتا۔ کیونکہ ذکر و شغل کرنے سے بعض اوقات کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے۔ تو وہ یہ سمجھتا ہے وصول الی اللہ کیلئے اسلام بھی شرط نہیں حالانکہ ان امور کو کمال میں کچھ بھی دخل نہیں دوسرے اور لوگوں کا عقیدہ بھی خراب ہوتا ہے بعضے سمجھ جاتے ہیں کہ تصوف میں اسلام بھی شرط نہیں۔ رہی یہ بات کہ پھر ان بزرگ نے کیوں بیعت کرلیا تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگ کی حالت مجذوبانہ تھی۔ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر ہو جاتی تھی۔ کبھی بڑی باتوں پر نہیں ہوتی تھی۔ فرمایا محبوب باتیں کرتا ہو تو عاشق کا خیال اس طرف بھی تو ہوتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے، مگر مقصود محبوب ہی ہے۔

بغیر اسلام تہذیب آ ہی نہیں سکتی

واقعہ: غیر قوموں کی تہذیب کا ذکر تھا اس پر فرمایا:

ارشاد: بغیر اسلام کے تہذیب حقیقی آ ہی نہیں سکتی وجہ یہ ہے کہ تہذیب اخلاق چونکہ فعل اختیاری ہے اس لئے ضرور اس کی کوئی غرض اور غایت ہوگی۔ اور اغراض دو قسم کے ہیں ایک اغراض مبتدل یعنی وہ غرض کبھی کسی فعل سے حاصل ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی فعل سے۔ اور غیر مبتدل یعنی جس کا طریقہ ایک فعل متعین ہے سو دوسری قوموں کی اغراض ان اخلاق سے دنیوی ہیں جو مبتدل ہیں اس لئے جب اغراض بدلیں گے تو افعال بھی بدل جائیں گے اور اہل اسلام کا مقصود اخلاق سے غرض دینی ہے اس لئے نہ غرض بدلے گی نہ فعل بدلے گا مثلاً رضائے حق تعالیٰ ہوگی اس لئے اس کے وہ افعال نہ بدلیں گے یعنی جس فعل سے رضا

حاصل نہ ہوگی مسلم وہ فعل ہرگز نہ کرے گا گو اس میں دنیوی نفع ہی کیوں نہ ہو مثلاً جھوٹ نہ بولے گا۔ کسی اپنے سے ادنیٰ کو تکلیف نہ دے گا۔ رہیں دوسری قومیں سو ان کی وہ غرض جس طریقہ سے بھی حاصل ہوگی اسی کو اختیار کریں گے خواہ اخلاق سے یا ترک اخلاق سے مثلاً اگر سچ لولنے سے ان کی غرض دینوی تھی تو اگر سچ میں وہ غرض حاصل ہوگی تو سچ بولیں گے اور جہاں جھوٹ بول کر غرض (حاصل ہوگی وہاں جھوٹ بولیں گے یا تواضع سے ان کی غرض جاہ تھی تو جہاں اپنے سے چھوٹے کو دبانے سے حاصل ہوگی وہاں دبائیں گے اور جہاں نرمی و تواضع سے حاصل ہوگی وہاں تواضع کریں گے اس لئے حقیقی مہذب مسلم ہی ہوسکتا ہے غیر قوم میں حقیقی تہذیب آ ہی نہیں سکتی۔

ایک بچہ کسی آنا کا دودھ نہیں پیتا تھا

واقعہ: ایک صاحب نے اپنے بچہ کی نسبت حضرت سے کہا کہ اس نے کسی آنا کا دودھ ہی نہیں پیا۔ بہتیری انائیں بلائیں۔ اس پر فرمایا:

کہ کیا عجب ہے کہ یہ اچھی علامت ہو اور حرمنا علیہ المراضع پر خود اللہ میاں نے عمل کرایا ہو فقط

حضرت کے معمولات پر بعض لوگوں کے اعتراضات

واقعہ۔ بعض لوگ میرے معمولات پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ میرے سب معمولات کا خلاصہ یہ ہے کہ گرانی سے بچایا جائے اپنے کو بھی اور دوسرے کو بھی۔

قرآن سننے میں توجہ کس طرف ہونی چاہیے۔

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو قرآن سن رہا ہو وہ کس طرف توجہ رکھے اس پر فرمایا۔

ارشاد: حضرت حق کی طرف توجہ رکھے گویا حضرت حق کا مشاہدہ کر رہا ہے نہ الفاظ کا لحاظ ہو نہ معنی کا چنانچہ حدیث میں ہے ان تعبداللہ کانک تراہ یہ نہیں فرمایا کہ کانک ترى الالفاظ اوالمعانی اور ارشاد ہے واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا یعنی نام لینے کے وقت خاص اسی کی طرف توجہ ہو اور یہ اعلیٰ درجہ ہے کہ خاص ذات کا تصور ہو اور جو اس پر قادر نہ ہو تو اور طریقہ سے توجہ الی الالفاظ والمعانی ہی بہتر ہے (ایک صاحب نے سوال کیا کہ حق کے تصور میں خیال تو الفاظ کی طرف بھی ہو ہی گا اس پر فرمایا، محبوب باتیں کرتا

ہوتو عاشق کا خیال اس طرف بھی تو ہوتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے مگر مقصود محبوب ہی ہے (پھر فرمایا۔)

سلوک میں خفیہ تعلیم کیوں کی جاتی ہے

ہر ایک کیلئے ایک ہی قاعدہ نہیں کسی کو الفاظ و معنی کا تصور مفید ہے کسی کو حضرت حق کا تصور مبتدی کو الفاظ و معنی کا تصور مفید ہے اور منتہی کو حضرت حق کا تصور مفید ہے۔ ہر ایک کی استعداد جدا ہے یہی وجہ ہے کہ سلوک میں خفیہ تعلیم کی جاتی ہے۔ تا کہ دوسرے کو حرص نہ ہو کہ فلانا پڑھ رہا ہے وہی میں پڑھوں گا حالانکہ وہ اس کے مناسب نہیں۔ پس چونکہ استعدادیں مختلف ہیں۔ اس لئے صوفیہ مختلف طریقہ سے تعلیم کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک کی جدا تدبیر ہے۔ اس لئے اس طریق میں کوئی بات قابل اخفا کے نہیں ہے بلکہ بعضوں کیلئے دوسری طرف متوجہ ہو جانا مضر ہو جاتا ہے جیسے بعض بچے اپنا سبق تو یاد نہیں کرتے دوسروں کا سبق یاد کر لیتے ہیں۔ اور پھر پٹتے ہیں۔ فقط۔

اگر بیوی مرض الموت میں مہر معاف کرے تو معتبر نہیں

ارشاد: اگر بیوی مرض الموت میں اپنا مہر معاف کرے تو معتبر نہیں وجہ یہ کہ یہ وصیت ہے اور وصیت وارث کے لئے ناجائز ہے اور خاوند وارث ہے اس لئے اس کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی۔ فقط۔

تحریر۔ حکیم محمد یوسف صاحب

"ختم شد"
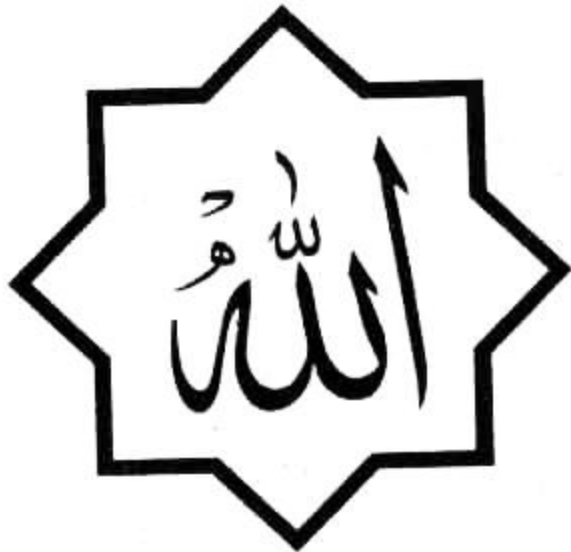
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

خیر العبور سفر نامہ گورکھپور

کہ جزوے از حسن العزیز است

امابعد۔ احقر اور محمد مصطفیٰ بجنوری عرض سا ہے کہ مدت دراز سے خاکسار کو یہ تمنا تھی کہ کسی موقعہ پر اپنے پیر و مرشد زبدۃ المحققین مجدد الملۃ والدین حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کے ساتھ طویل سفر کرے تا کہ حضرت والا کے اخلاق و معاملات و معاشرت و معمولات سے استفادہ کر سکے مگر اس آرزو کے پورا ہونے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانع موجود رہا۔ اتفاقاً ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں بروقت تشریف آوری حضرت والا کے میرٹھ میں احقر نے یہ خواہش ظاہر کی۔ فرمایا بہت قریب ایک سفر گورکھپور کا ہونے والا ہے اگر چلنا ہے تو یہ موقع ہے اور خرچ سفر تیرا ہمارے ذمہ احقر کو جو کچھ خوشی ہوئی بیان نہیں کر سکتا اور باوجود کثرت علائق اور بعض خاص عوائق کے تہیہ کر دیا اور تاریخ ۱۶ صفر بدھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۱۶ء کو میرٹھ مراد آباد پہنچ کر حضرت کے ہم رکاب ہو گیا۔

جن لوگوں نے حضرت والا کی صحبت اٹھائی ہے یا ایک دفعہ بھی زیارت کی ہے وہ بخوبی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ حضرت والا کی ذات بابرکات کو حق تعالیٰ نے سچ مچ حکیم الامت بنایا ہے اور حضرت کا کوئی قول و فعل بلکہ ادنیٰ حرکات و سکنات بھی حکمت اور گہری حکمت سے خالی نہیں اور بلاشک وشبہ وجود باجود اس کا مصداق ہے

اے قبائے رہنمائی راست بر بالائے تو علم و حکمت اشرف از گوہر والائے تو

احقر کا ارادہ خود ہی پہلے سے تھا کہ اس سفر کے تمام واقعات و ملفوظات قلم بند کرے اور اس قصد کو بعض صمیم احباب مثل خواجہ عزیز الحسن صاحب اور میر معصوم علی صاحب کی فرمائش نے اور بھی موکد کر دیا۔ اور کاغذ اور پنسل کافی مقدار میں ہمراہ لے لیا اور تمام سفر میں اسی کے سر رہا کہ حتی الامکان کسی ملفوظ اور واقعہ کو قلمبند کرنے سے نہ چھوڑے اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہر وقت کاغذ پنسل پاس رہتا افسوس ہے کہ قلم زبان کا ساتھ پورا پورا نہیں دے سکتا ورنہ ایک لفظ بھی حضرت والا کا ضائع نہ جانے دیتا۔ تاہم

جہاں تک ہاتھ نے یاری دی کوشش کی اور وہ باتیں بھی جن کو لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہیں حتی الامکان درج کرنے سے نہ چھوڑیں۔ ع

وللناس فیمایعشقون مذاھب

جو لوگ حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں ان کے نزدیک تو کوئی بات بھی حضرت والا کی معمولی نہیں اور کم سے کم ان کے درج کرنے میں نفع استحضار واقعہ تو ضرور ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بات کا شروع بہت معمولی صورت سے ہو مگر بمصداق ''می تراود چہ کنم انچہ درآرند من است'' اس پر حضرت کی زبان سے ان حکمتوں کی بنا ہوگئی جو سالہا سال کی محنتوں سے بھی حاصل نہ ہوسکتیں۔ مثلاً ایک جگہ آتا ہے کہ ہاتھی پر سوار ہو کر چلے اور اس پر گھنٹہ بھی تھا۔ اس پر تقریر شروع ہوئی اور اس کو ایسا استداد ہوا کہ ایک گھنٹہ تک ختم نہ ہوئی اس کا نام بھی علیحدہ ادب الاعلام رکھ دیا گیا علی ہذا کئی تقریریں ذرا ذرا سی معمولی بات پر ایسی ہوئی ہیں کہ مستقل وعظ کہے جاسکتے ہیں۔ ان کے نام بھی مستقل رکھ دیئے گئے ہیں اور کوئی کچھ بھی کہے حق یہ ہے کہ حضرت کی چال ڈھال تک بھی ایسی ہے جس میں حکمت کے سبق کے سبق بھرے ہوئے ہیں۔

اگر میرے امکان میں ہوتا تو ایک لفظ بھی جانے نہ دیتا تاہم جو کچھ ہوسکا بدیہ ناظرین ہے۔

جہری نمازوں میں جو سورتیں حضرت نے پڑھیں اور موقعہ پر مجمع کی تخمینی تعداد اور مقام مقام پر پہنچنے کے اوقات اور مختلف اشخاص سے مکالمت میں لطائف وظرائف وغیرہ وغیرہ جہاں تک قابو چلا منضبط کیں بالخصوص نماز جس جس طرح ریل وغیرہ میں پڑھیں گئیں سب کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے تاکہ نماز پڑھنے والوں کیلئے کافی بصیرت ہو۔ اقول باللہ التوفیق۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ میں تاریخ کو وقت غروب سے شروع کروں گا۔ مثلاً بدھ کے دن عصر کے وقت مراد آباد سے روانگی ہوئی ہے۔ اس وقت تاریخ ۱۶ صفر لکھی جائے گی۔ اور مغرب سے ۱۷ روز جمعرات میں شمار کروں گا۔ نیز بعد ختم سفر نامہ کے معمولات سفر کو تفصیل کے ساتھ علیحدہ لکھ دوں گا جیسا کہ معمولات حضرت مفصلاً معمولات اشرفی میں لکھ چکا ہوں۔ اگر موقعہ ہوا تو ان معمولات سفر کو معمولات اشرفی کے آخیر میں طبع ثانی کے وقت ملحق کر دیا جائے گا۔ اور نماز کی ترکیبیں بھی یک جا جمع کر دی جائیں گی۔ اور علوم غیر منقولہ کو جواز قبیل واردات قلبیہ حضرت والا ہیں علیحدہ نقل کر دوں گا۔

الحمد للہ کہ اس تمام سفر نامہ پر حضرت والا کی اصلاحی نظر بھی ہو چکی ہے اور ہر قسم کے انتخابات

بھی ہو گئے ۔ معمولات سفر کا نام (معمولات سفر حصہ دوم معمولات اشرفی) ہوا ور کیفیات نماز کا نام (صلوۃ السفر) رکھا گیا اور علوم غیر منقولہ کا نام (فرائد الفوائد) رکھا گیا۔

۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ روز بدھ

احقر مراد آباد میں ۵ بجے شام کے اسٹیشن پر آ کر حضرت والا سے مل گیا اور پچیس تیس آدمی مراد کے حضرت والا کی زیارت کیلئے موجود تھے حالانکہ کسی کو حضرت والا نے اطلاع نہ کی تھی۔ حضرت کے ساتھ رفیق سفر صرف مولوی محمد یوسف صاحب مدراسی داماد مفتی لطف اللہ صاحب رام پوری تھے جو تمام سفر میں ساتھ رہے ان کو لوگ مفتی صاحب کہتے تھے اور مراد آباد سے دو ایک طالب علم اور بھی ہمراہ ہو گئے تھے جو متفرق مقامات پر علیحدہ ہو گئے۔

۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ شب پنجشنبہ

مغرب کی نماز مراد آباد سے ریل گذر جانے کے بعد ریل ہی میں پڑھی ۔ دونوں بنچوں کے درمیان میں حضرت والا کھڑے ہوئے اور دونوں طرف بنچوں پر بندہ اور مفتی صاحب کھڑے ہوئے اس طرح جماعت کی قبلہ کا رخ سیدھا نہ تھا 1/8 دائرہ سے کم منحرف تھا اس کا لحاظ نہ کیا گیا۔ اور پیچھے حضرت والا کے اور بائیں بنچ پر ایک آدمی اور بھی تھا۔ بنچوں پر کھڑے ہونے والوں کے سر بوجہ اوپر کے تختوں کے پورے نہ اٹھ سکتے تھے سر بالکل جھکائے ہوئے بلکہ قدرے پشت بھی جھکا کر قیام کیا۔ اور حضرت نے نماز میں معوذ تین پڑھیں اور اوابین نہیں پڑھی۔ حالانکہ ریل میں چنداں تنگی نہ تھی ادنی ضیق مسافرین کا لحاظ فرمایا۔

غیبت کی معافی کی صورت

ایک شخص شریک جماعت تھے جو وضع سے مولوی اور مقتدا معلوم ہوتے تھے انہوں نے بعد فراغ از نماز مصافحہ کیا اور پوچھا کہ اگر کوئی کسی کی غیبت کرے تو وہ معاف کرانے سے معاف ہو جاتی ہے یا نہیں فرمایا ہو جاتی ہے عرض کیا مبہم لفظ کہہ دینے سے یا غیبت کو سنا کر کہ یہ غیبت کی ہے۔ فرمایا مبہم لفظ کافی ہے۔ دوہرانے سے تو اور دوبارہ اذیت ہوگی۔ عرض کیا تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں میں نے آپ کی ایک جلسہ میں غیبت کی تھی۔ فرمایا میں روزمرہ حق تعالی سے عرض کرتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی پر مواخذہ نہ کرنا میں نے اپنے سب حقوق معاف کر دیئے (مسکرا کر فرمایا) حقوق مالیہ کے سوا کبھی کوئی میرا

گھر بیچ دے عرض کیا مجھ سے تصریح کے ساتھ فرما دیجئے تجھے معاف کیا۔ فرمایا معاف کیا اور نرے گذشتہ کی معافی نہیں بلکہ آئندہ کے لئے اپنا معمول بھی عرض کر دیا کہ میں سب حقوق عامہ مسلمین کے معاف کرتا ہوں جب ضرورت ہو (مسکرا کر) بے تکلف میری غیبت کر لیا کیجئے۔ عرض کیا اب میرے لئے دعا بھی کر دیجئے فرمایا۔ حق تعالی اپنی محبت عطا فرما دیں اور استقامت دین عرض کیا یہ کہہ دیجئے۔ جو چیز عطا فرمادیں واپس نہ لیں۔ فرمایا اس لفظ کی کیا ضرورت ہے میرا لفظ اس کو بھی شامل ہے پھر اسٹیشن رام پور پر

- وہ صاحب اتر گئے اور اترتے اترتے پوچھا کہ تکشف میں آپ نے اس شعر کو حل کیا ہے کور کورا نہ مرد در کربلا۔ مجھے اس کے حل میں کچھ شک ہے۔ گو نہ اعتراض کا سا پیرایہ تھا۔ فرمایا۔ اس وقت یاد نہیں کیا لکھ دیا اور آپ نے ایسے وقت میں پوچھا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر ضرورت ہو تو میری تقریر پر جو اشکال ہو تھانہ بھون لکھ کر بھیج دیجئے میں جواب دے دوں گا۔ وہ صاحب چلے گئے اور ریل چھوٹ گئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب ایک بزرگ ساکن اناؤ کے خلیفہ ہیں اور ان کو رام پور میں رہنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمایا افسوس ہے کہ لوگوں کو مقصود کا ہی پتہ نہیں چلا کیا یہ بھی ضرورت ہے۔ صوفی ہونے کے لئے کہ ساری مثنوی بھی حل کی ہو اس کا بھی سوال ہوگا قبر میں اور ہم نے کوئی بزرگ اناؤ میں اس نام کا نہیں سنا۔ حالانکہ کان پور سے اناؤ بہت ہی قریب ہے اور زمانہ دراز تک ہمارا قیام کان پور میں رہا معلوم ہوتا ہے کوئی نئے پیدا ہوئے ہیں یہ حالت مشیخت کی ہے اس طرف پیر بہت ہیں یہ اپنے زعم میں رام پور کے صاحب خدمت ہو کر آئے۔ نہ معلوم خدمت کا مفہوم کیا ہے جو ان کے سپرد ہوئی ہے (مسکرا کر) آجکل خلافت کے لئے کسوت کی بھی ضرورت نہیں یہ کیا خدمت کرتے ہوں گے ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا کے مصداق ہوں گے اور لوگوں کی حس بھی ایسی باطل ہوئی ہے کہ تمیز ہی نہیں۔ مراد آباد کے ایک بزرگ نے اپنے صاحبزادے کو بھیجا اور رقعہ بھیجا کہ جلسۂ قراءت میں حضرت شرکت کا وعدہ فرمالیں جو ماہ ربیع الاول میں ہوگا۔ فرمایا اس کا جواب واپس تھانہ بھون پہنچ کر دوں گا۔

جلسہ کا چندہ مہمانی میں خرچ کرنے کا حکم

پھر ذکر ہوا کہ جلسہ کے مہمانان کا خرچ کہاں سے ہوتا ہے خود ہی فرمایا خدام خدمت کرتے ہوں گے۔ مفتی محمد یوسف صاحب نے پوچھا آمدنی جلسہ کو صرف مہمانان کرنا درست ہے یا نہیں۔ کیونکہ لوگ مدرسہ کیلئے دیتے ہیں فرمایا اذن پر موقوف ہے۔ مگر اذن عام کیسے معلوم ہو۔ ہے گڑبڑ ہی۔ ہاں

مدات علیحدہ ہوں اور چندہ دیتے وقت اور لیتے وقت الگ رقمیں رکھی جائیں تو احتیاط ہوسکتی ہے۔

لہجہ قراءت کا بیان

لہجہ قراءت کا ذکر ہوا تو فرمایا پانی پت والے لہجہ کے بڑے دشمن ہیں اور دوسری جگہ کے قراء لہجہ کے سر ہیں مگر کچھ بھی ہو پانی پت والوں کو فن قراءت کی طرف توجہ ہے اور پانی پت کی سرزمین میں قراءت سے دلچسپی ہے بعض عورتیں پانی پت میں سبع کو تمام قرآن میں جمع کرسکتی ہیں یہ اور بات ہے کہ لہجہ سے بالکل ضد ہے یہ باہم قراء کے لطیفہ ہیں کہ پانی پت والے دوسروں کو کہتے ہیں یہ گاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ پانی پت والے قرآن کیا پڑھتے ہیں روتے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا کچھ تو لہجہ ہونا چاہئے فرمایا دلکشی کچھ ہونا چاہئے۔ ایک شخص ا(یہ ایک طالب علم قاری ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ مراد آباد سے لکھنو تک ساتھ رہے اور بعد ازاں الہ آباد چلے گئے۔) نے کہا کہ قاضی ضیاء الدین صاحب نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں تم تو عربی لہجہ جانتے ہو پھر پڑھا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا حضرت والا نے کہ سہارن پور میں مکتب تجوید القرآن میں ایک خواب دیکھا گیا کہ حضور ﷺ کے سامنے اس مکتب کے لڑکے پیش کئے گئے اور عربی لہجہ میں اور پانی پت کے لہجہ میں دونوں میں قرآن سنوایا گیا تو (خواب صحیح یاد نہیں رہا یہ قول حضرت والا کا ہے) مگر یہ یاد ہے کہ حضور ﷺ نے پانی پت کے لہجہ کی نسبت اصبت یا احسنت'' کا لفظ فرمایا۔ فرمایا حضرت والا نے دونوں خواب ظاہرا متعارض معلوم ہوتے ہیں تاویل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور کا قاری ضیاء الدین صاحب کو عربی لہجہ کا حکم دینا اس واسطے ہو کہ معلوم ہوگا کہ قاری صاحب عربی لہجہ میں افراط و تفریط نہ کریں گے اور سہارن پور کی مکتب تجوید القرآن کی نسبت معلوم ہوا ہوگا کہ افراط و تفریط ہوگی اس واسطے ان کیلئے پانی پت کے طریقہ کو پسند فرمایا معلوم ہوا جہاں غلو نہ ہو وہاں لہجہ میں مضائقہ نہیں ورنہ اڑا ہی دینا چاہئے۔

قرآن شریف کے عجائبات

فرمایا عجیب بات ہے کہ قرآن میں سب لہجے کھپ جاتے ہیں یہ بندش الفاظ کی تعریف ہے سچ ہے "لا تنقضی عجائبہ'' احقر نے عرض کیا علاوہ لہجہ کے تحریر میں بہت سی صنعتیں ہیں جو دوسری کسی کتاب میں نہیں کھپ سکتیں۔ مثلاً ایک شخص نے قرآن شریف چھاپا۔ جس میں ہر سطر ''الف'' سے شروع

ہے اور ایک اور نے چھاپا جس میں ہر سطر واؤ سے شروع ہے مع قید اس کے کہ ایک ورق میں پارہ بھی ختم ہے اور تحریر میں کشادہ اور گنجان کا فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔ فرمایا۔ ہاں اور پنجاب میں ایک حمائل چھپی تھی۔ جس میں صفحہ کے اول و آخر کے سطر کے شروع کا حرف ایک تھا۔ اور دوئم اور قبل آخر کا مقابلہ تھا وعلی ہذا تمام صفحہ میں اول آخر کا مقابلہ تھا۔ دوسری کوئی کتاب ایسی نہیں ہو سکتی۔

ابن عربی کا قرآن سے تاریخ روم لکھنا

فرمایا میں نے ایک کتاب شجرہ نعمانیہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ میں دیکھی اس کا نام میں نے ہندوستان میں سنا تھا اور مجھے اشتیاق تھا بڑی کوشش سے کتب خانہ سلطانی میں دیکھنے کو ملی اس میں اول شجرہ ہے پھر اول آیت سورہ روم سے الی قولہ تعالی غفلون شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے قیامت تک کے واقعات لکھے ہیں اور یہ نہ صرف کشف والہام سے بلکہ حروف کی بندش سے چند قواعد کے ساتھ مگر وہ رموز میں لکھے ہیں یہ بھی کھپ گیا قرآن میں اور اس کی کسی بزرگ نے شرح بھی لکھی ہے مگر وہ بھی رموز میں ہے مگر وہ بھی رموز میں ہے یہ صنعت گو قرآن سے مقصود نہیں مگر اس کا مداول تو ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف میں اور جانے کیا کیا ہوگا اس میں یہ عبارت بھی تھی اذا دخل السین فی الشین ظهر المیم ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوگا تو محی الدین کا ظہور یعنی شہرت ہوگی۔ شیخ محی الدین پر لوگوں نے زندیقیت کے فتوے لگائے تھے اور ان کی قبر پر گھورے ڈالے تھے مگر سلطان سلیم ولیعہدی کے زمانہ سے ان کا معتقد تھا جب اس کی حکومت شام میں قائم ہوگئی تو اس نے ان کی قبر سے گھورے ہٹوائے اس وقت سے ان کی شہرت شروع ہوئی۔

حدیث انی احبک کی سند کا ذکر

کسی نے حضرت سے پوچھا کہ حدیث مسلسل بہ انی احبک کی سند آپ کو حاصل ہے یا نہیں۔ فرمایا مجھے نہیں پہنچی ہاں وہ کتاب اتحاف الاخوان اسانید حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی میں ہے یہ کتاب بھی اب کامیاب ہے۔

دلائل الخیرات پڑھنے کی ترکیب

کسی نے پوچھا دلائل الخیرات پڑھنے کی کیا ترکیب ہے فرمایا جتنے قیود ہیں سب زائد ہیں

میں تو صرف یہ بتلا دیتا ہوں کہ ہر روز ایک منزل پڑھ لیا کرو۔ مشائخ کا معمول یہ ہے کہ منزل ثامن ساتویں دن اور اول دن دونوں میں یعنی ختم کے دن اور شروع کے دن دونوں دن پڑھی جائے میں اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔

علی مشکل کشا کہنے کا حکم۔

پوچھا علی مشکل کشا کہنا کیسا ہے فرمایا تاویلاً تو جائز ہے مشکلات علمیہ کے حل کرنے والے مگر عوام کیلئے موہوم ضرور ہے اس واسطے خلاف ہے۔ پوچھا گیا ہمارے شجرہ میں لفظ مشکل کشا موجود ہے فرمایا ہاں۔ اور وہ شجرہ حضرت حاجی صاحب کا ہے بزرگوں کی نظر بہت عالی ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات کی طرف نہیں جاتی اس کے مفسدہ کی طرف نظر نہیں گئی بنا بر شہرت لکھ دیا شیخ سعدی کے کلام میں بھی یہ معنی موجود ہیں ؎

کسے مشکلے برو پیش علیؓ مگر مشکلش را کند منجلے

وسوسوں کا ایک علاج

ریل میں اس روز بھیڑ بہت تھی ہر اسٹیشن پر مسافروں میں باہم چپقلش ہوتی چلی جاتی تھی۔ ایک جگہ کھڑکی پر بہت ہجوم دیکھ کر فرمایا کسی بزرگ نے کہا ہے کہ وسوسوں کا جب ہجوم ہو تو قلب پر سے ان کو جاتا ہوا سمجھو آتا ہومت سمجھو جیسے گاڑی کے دروازہ پر مسافروں کا ہجوم اترتے وقت بھی ہوتا ہے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ قلب کو حزن نہ ہوگا۔ اور شیطان کا بڑا مقصد وسوسوں سے تحزین ہی ہے جب وہ دیکھے گا کہ اس کو حزن نہ ہوا تو وسوسے نہ ڈالے گا۔ اس سے علاج بھی ہو جائے گا۔

بریلی کے اسٹیشن پر ریل تین گھنٹہ ٹھیری عشاء کی نماز اسٹیشن پر اتر کر پڑھی اور اس میں والتین، اور والعصر پڑھی اور نفلیں مطلق نہیں پڑھیں۔

احسان اور امتیاز سے بچنا اور صفائی معاملہ میں احتیاط

فرمایا تھانہ بھون کے اسٹیشن والوں یعنی گارڈ وغیرہ نے بہت دفعہ کہا کہ ہم تم کو قصبہ کے پاس اتار دیا کریں مگر میں نے ٹال دیا اس کی وجہ تین ہیں احسان سے بچنا اور امتیاز سے بچنا۔ لوگوں سے بچنا کہ لوگوں کی نظریں اٹھیں گی کہ یہ کون شخص ہے کہ جس کے واسطے ریل بے موقعہ روکی گئی اور اتنی مسافت کے

کرایہ کا حساب نہ ہوسکتا۔

کام کو نہ ٹالنا

حضرت والا نے احقر سے پوچھا اس وقت تک وقت روانگی میرٹھ سے تیرا کیا خرچ ہوا۔ عرض کیا آٹھ آنہ مع کرایہ تا گورکھپور۔ مفتی صاحب سے فرمایا گیارہ روپیہ مجھ کو دیدو (خرچ ان کے سپرد تھا۔) مفتی صاحب نے حاضر کئے وہ احقر کے سامنے رکھ کر فرمایا اس کو قبول کر لیجئے۔ احقر نے عرض کیا مجھے کچھ تکلف تو نہیں حضرت نے میرا سفر خرچ دینے کا وعدہ ہی فرمایا تھا۔ مگر جلدی کیا ہے۔ فرمایا میری عادت ہے کہ جو کام کرنا ہے اس سے جلد سے جلد قلب کو فارغ کر لیتا ہوں۔ اس وقت کل خرچ کا اندازہ نہیں ہوسکتا ورنہ سب حاضر کرتا اس کو رکھ لیجئے آگے کا حساب پھر دیکھا جائے گا۔

خشیت کیلئے علم کی ضرورت ہے۔

ریل میں ایک عورت اپنے بھائی کے ساتھ بذریعہ پاس سفر کر رہی تھی ٹکٹ کلکٹر نے اس پاس میں کوئی غلطی نکال لی مرد بہت حجت کے بعد مان گیا۔ لیکن عورت برابر منہ زوری کرتی رہی۔ حضرت والا نے فرمایا خشیت کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے چونکہ مرد کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا۔ اسواسطے وہ ڈر گیا اور خاموش ہو گیا۔ اور عورت ناقص العقل ہوتی ہے غلطی کا علم اس کو نہ ہوا اس واسطے خاموش نہ ہوئی۔

اہل اللہ کا رعب

ریل میں بھیڑ اس قدر تھی کہ آدمی کھڑے کھڑے جا رہے تھے اور تمام راستے لڑائی دنگا ہوتا رہا۔ اور ایک کے اوپر ایک چڑھ چڑھ کر بیٹھتے رہے۔ مگر قدرت خدا کہ حضرت والا کے پاس کوئی نہ آتا۔ ایک بینچ پر حضرت والا کا بستر لگا دیا تھا۔ اور ایک پر مفتی صاحب کا بستر تھا اور نیچے بنچوں کے درمیان میں احقر نے اپنے لیٹنے کے لئے کپڑا بچھا لیا تھا۔ کہیں کہیں اتنا تو ہوا کہ پیر پوری طرح نہ پھیلائے جا سکے۔ مگر یہ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت والا سے اٹھ بیٹھنے کو کہہ سکے۔

حتی کہ ایک جگہ ایک سپاہی نے آ کر زبردستی اور مسافروں کو بھر کر بعض لیٹے ہوئے آدمیوں کو اٹھا کر بٹھا دیا مگر اس کی بھی ہمت ہمارے پاس آنے کی نہ ہوئی حالانکہ حضرت والا کا اصول یہ ہے کہ مسافروں پر ریل میں تنگی نہیں کرتے اور اپنے اوپر تنگی گوارا کر لیتے ہیں خود حضرت اٹھ کر بیٹھ جاتے مگر

قدرتی ہیبت مسافروں پر ایسی پڑتی کہ پاس نہ آتے یہاں تک کہ بعض مسافروں نے آپس میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے چرچا کیا کہ سب کو تو دق کر رہے ہوں ان دو آدمیوں نے دو بینچیں گھیر رکھی ہیں ان کو کیوں نہیں اٹھا دیتے کہ دب کر بیٹھ جائیں اس پر بھی کسی کی ہمت نہ ہوئی اور ہم تماشا دیکھتے رہے۔ ایک ولایتی بھی حضرت والا کے برابر بیٹھا تھا۔ اس نے صورت شکل سے پہچانا کہ یہ کوئی عالم درویش ہیں اس کے سر میں درد تھا۔ حضرت سے دم کرایا فوراً آرام ہو گیا۔ کچھ دیر تک اس کی وجہ سے مسافر اس بینچ پر نہ آئے لیکن جب زیادہ ہجوم ہوا تو اس کو بھی اٹھا کر بٹھا دیا اور بہت تھوڑی جگہ اس کو ملی۔ لیکن حضرت والا کے پاس آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

حضرت کے اسباب سفر کا ذکر

حضرت والا کے ساتھ کے اسباب کا ذکر۔ ایک بنڈل بستر کا تھا اس میں بچھونا مع اوپر کی چادر کے اور موی چھینٹ کا لحاف تھا اور ایک کنٹوپ دوہرائے روئی کا سیاہ رنگ غالباً کسی اونی کپڑے کا تھا۔ اس میں بند بھی لگے ہوئے تھے رات کو سوتے وقت اس کو اوڑھ کر سوتے اور سحر کو تا فراغ از ضروریات و وضو وغیرہ اوڑھے رہتے بعد ازاں عمامہ باندھتے تھے اور بستر میں ایک تھیلی سنگین کپڑے کی تھی۔ جس میں ایک جوڑی جوتا رہتا یہ جوتا وہ تھا جو حضرت ہوا خوری کے وقت استعمال کرتے حضرت کے استعمال میں دو جوڑے رہتے ہیں۔ ایک ہوا خوری کے واسطے اور ایک دوسرے اوقات کیلئے سفر میں ایک جوڑے کو اس تھیلی میں کر کے بستر میں باندھ دیا جاتا۔ بستر کے اوپر ایک بستر پوش گاڑھے کا لپیٹ کر چمڑہ کے بستر بند سے باندھ دیا گیا تھا۔

ادب کی تعلیم

اور ایک چمڑہ کا بیگ تھا۔ جس میں دو تین جوڑے کپڑے اور مناجات مقبول اور چند کاغذات تھے یہ بیگ اٹاوہ میں کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑہ میں لفظ (محمد اشرف علی) کندہ کرا دیا تھا۔ اس کا حضرت اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے اور ایک ٹوکری اوپر دستہ لگی ہوئی تھی جس میں متفرق اشیاء رکھی جاتیں جیسے مسواک، گھڑی، دوا، ناشتہ، لوٹا، سرمہ دانی خطوط کی تھیلی وغیرہ۔ لوٹا حضرت کے ساتھ ٹین کا تھا اور ایسا پرانا کہ تلی بھی گر گئی تھی ٹوکری میں کٹورے دو تھے ایک بہت

چھوٹا اور ایک متوسط دو، ہونے کی وجہ خود فرمائی کہ ایک پانی پینے کیلئے ہے اور ایک دوا پینے کیلئے کیونکہ بعض دوائیں اسی ہوتی ہیں جن کی خوشبو برتن میں آ جاتی ہے۔ پھر پانی اس میں اچھا نہیں لگتا۔ گھڑی ایک کاغذ کے کیس میں تھی۔ جسکا اوپر کا ڈھکن ندارد تھا۔ اس کو مع کیس کے ایک گلٹلی ڈبیہ میں جو اکثر پانوں کے رکھنے کیلئے استعمال کی جاتی ہیں رکھ کر ٹوکری میں رکھ دیا تھا رات کو سوتے وقت مع ڈبیہ کے سرانے رکھ دی جاتی۔ اور دیا سلائی بھی رکھ دی جاتی اور صبح کو بدستور ٹوکری میں رکھ دی جاتی۔ حضرت گھڑی کو جیب میں نہ ڈالتے کیونکہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی اور فعل لایعنی میں داخل ہے جسکی حضرت کو بالکل عادت نہیں۔ حتی کہ اگر رات کو آنکھ کھلتی اور اس وقت کوئی خادم جاگتا ہوتا تو اس سے پوچھ لیتے کیا وقت ہے خود گھڑی نہ دیکھتے۔ اور اگر کوئی خادم بیدار نہ ہوتا تو دیا سلائی جلا کر گھڑی دیکھ لیتے۔ اور ایک کمبل سیاہ سرخ دھاری کا اوڑھنے کیلئے تھا ناشتہ کیلئے پوریاں آٹے کی اور قیمہ تھا اور کچھ چپاتیاں بھی تھیں۔ قیمہ میں آلو بہت باریک کترے ہوئے پڑے ہوئے تھے۔ (یہ سالن سفر میں حضرت کو مرغوب ہے اور خشک ہے اور اس میں بکھیڑا بھی کم ہے۔

عمدہ ناشتہ

پوریوں کو ناشتہ میں اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خشک نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اس سفر میں تین وقت تک اس کی ضرورت تھی اور میدہ کی پوری سے آٹے کی پوری سریع الہضم ہوتی ہیں۔ قیمہ آلو ایک مٹی کی چھوٹی سی ہانڈی میں باندھا گیا تھا۔ خالی ہونے کے بعد اس ہانڈی کو تلف نہیں کیا بلکہ برابر واپسی تھانہ بھون تک محفوظ رہی۔ کیونکہ تلف کرنا اسراف ہے ناشتہ کھاتے وقت فرماتے جس کو پوری مرغوب نہ ہوں چپاتی کھاؤ اور کنارے خشک ہو گئے ہوں تو ان کو نہ کھاؤ اور ان خشک شدہ کناروں اور دیگر خشک ٹکڑوں کو دسترخوان میں باندھ کر ٹوکری میں رکھ کہ یہ گورکھپور پہنچ کر منشی اکرام الحق صاحب کی بکری کو یا بلی کو کھلا دیں گے۔ سبحان اللہ تکبر اور اسراف سے کس قدر احتراز ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کو حقیر سمجھ کر پھینک نہیں دیا جیسا کہ آجکل کے تعلیم یافتہ کرتے ہیں یہ اما انا فاکل کما یاکل العبد کی تعمیل ہے۔

کھانے کا ادب

ایک تھیلی جس میں جوتا رہتا تھا اور بستر بند میں باندھی جاتی تھی۔ احقر نے ایک دفعہ عرض کیا

کہ اس کو ٹوکری میں رکھ دوں۔ فرمایا اس میں کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی جاتی ہیں دل نہیں چاہتا کہ اس میں جوتا رکھا جائے اس کا ذکر آگے بھی آتا ہے۔

ہم خدام نے ایک موقعہ پر اسباب کو آپس میں تقسیم کرلیا تاکہ تھوڑا تھوڑا معین ہو کر ایک ایک کی ذمہ داری میں آجائے حضرت نے اس کو پسند فرمایا اور واقعی اس سے اسباب کی حفاظت میں بہت سہولت ہوئی۔

اور ادویات ہمراہی میں حسب ذیل تھیں کشتہ طلاء معجون لبوب یا (احقر نے پوچھا لبوب کا تصدیب گاؤ بھی جزو ہے فرمایا یہ ایک طبیب معتبر کی بنائی ہوئی ہے ان سے تصریحاً معلوم کرلیا گیا ہے کہ اس میں نہیں ڈالا گیا) دواء المسک معتدل۔ صبح کو کشتہ طلاء معجون میں استعمال فرماتے اوپر سے ماءاللحم نوش فرماتے اور شام کو دواء المسک کھاتے عرصہ ایک سال سے حضرت والا کی طبیعت کچھ نہ کچھ ناساز چلی جاتی تھی۔ اور ضعف بہت تھا۔ یہ سفر دراصل اطباء کے مشورہ سے کیا گیا تھا کہ مشاغل علمیہ سے فراغ ہو اور دوا کا اثر اچھی طرح ہو سکے۔

صبح کا وقت قریب آیا اور لکھنوء کا اسٹیشن بھی قریب آ گیا فرمایا نماز کی تیاری کرلینا چاہئے۔ نماز ریل سے اتر کر لکھنؤ کے اسٹیشن پر پڑھ لیں گے۔ چنانچہ سب لوگ تیار ہو گئے۔ اور اسٹیشن پر پہنچ کر اس پلیٹ فارم پر جہاں دوسری ریل ملتی تھی نماز پڑھی نماز میں معوذتین پڑھیں حالانکہ وقت بہت تھا۔ لان السفر لا یخلوا عن جهد و بلاء و فتنة و لذا قصر الله الصلوة فيه و لو كان الانسان فی السفر فی عیش رخیص۔ لکھنوء کے اسٹیشن پر مرتضی خان صاحب مالک کارخانہ عطر قنوج اور حضرت والا کے بھائی منشی محمد اختر صاحب بھی مل گئے خانصاحب نے قریب ایک سیر کے حلوہ سوہن لکھنو کا نذر کیا۔ منشی محمد اختر صاحب یہاں سے واپسی الہ آباد تک برابر ساتھ رہے۔

زیادتی تشہد مخل فی الصلوۃ نہیں سجدہ سہو کا ایک مسئلہ

احقر نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے قصر نماز پڑھی اور سہواً تشہد کے بعد کھڑا ہو گیا۔ اور کھڑے ہوتے ہی یاد آیا کہ یہ قعدہ اخیرہ ہے فوراً بیٹھ گیا تو اب سجدہ سہو کیلئے اور تشہد پڑھ کر سجدہ کرے یا

بلا تشہد پڑھے بیٹھتے ہی سجدہ کر لے اور بعد ازاں تشہد پڑھ کر حسب دستور سلام پھیرے۔فرمایا بیٹھتے ہی سجدہ کرے تشہد قبل السجود کی ضرورت نہیں وہ پڑھا ہوا تشہد کافی ہے اور اگر ایسا کیا کہ تشہد پڑھا اس کے بعد سجدہ سہو اور تشہد پھر ادا کیا تب بھی نماز ہوگئی۔خواہ یہ تشہد قبل سجود السہو عمداً ہی ہو۔فرمایا زیادتی تشہد سے نماز میں خرابی نہیں آتی۔

عورتوں کا ترک زیور اور مردوں کا زیورات کو اختیار کرنا

لکھنؤ کے اسٹیشن پر فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ یورپ کی عورتیں تو زیور ترک کرتی جاتیں ہیں اور مرد مختلف صورتوں سے زیور اختیار کرتے جاتے ہیں۔کف۔کالر۔جراب بند نکٹائی (ناک کٹائی) سب زیور ہی ہیں کیونکہ مقصود سب سے زینت ہی ہے کوئی اور غرض نہیں۔

چاندی کا خلال

پوچھا گیا چاندی کی خلال میں حرمت کی کیا وجہ ہے۔فرمایا کہ استعمال فضہ وجہ ہے۔پوچھا گیا اور کالر وغیرہ میں کیا وجہ ہے۔

تجمل اور تفاخر میں فرق

فرمایا تشبہ اور تفاخر نہ زینت۔پوچھا زینت سے تفاخر ہو ہی جاتا ہے۔فرمایا لازم نہیں زینت سے مقصود کبھی اپنا اچھا لگنا ہوتا ہے اور کبھی تذلل یعنی یہ کہ دوسرے کے نزدیک حقیر نہ ہو اور یہ دونوں غرضیں حد جواز میں ہیں اور کبھی مقصود، دوسرے سے بڑا بننا اور امتیاز ہوتا ہے یہ تفاخر ہے اور نا جائز ہے قریب طلوع چھوٹی لین میں بیٹھ کر عیش باغ کے اسٹیشن پر پہنچے اور وہاں دوسری چھوٹی لین میں گورکھپور روانہ ہوئے اس وقت حضرت والا اور احقر اور مفتی محمد یوسف صاحب اور منشی اختر صاحب کل چار آدمی تھے کھانا قریب نو دس بجے کے ریل میں کھایا ظہر کی نماز ریل میں مکنا پور کے اسٹیشن کے پاس پڑھی اور سنتوں اور فرضوں کے سوا نفل کسی نے نہیں پڑھی۔

فئ زوال کے استثناء کی دلیل

مفتی صاحب نے پوچھا ظہر و عصر کے اوقات میں فئ زوال کے استثناء پر کوئی نص ہے فرمایا اس کا استثناء عقلی ہے اور بہت ہی بدیہی ہے۔ظہر کے وقت کا ثبوت آیۃ اقم الصلوۃ لدلوك الشمس سے

ہے دلوک کے معنی زوال کے ہیں۔ زوال کے بعد وقت شروع ہوتا ہے تو اس سایہ کا اعتبار نہ ہوگا جس سایہ میں دلوک کو دخل نہ ہو۔ پوچھا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ظہر اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سایہ سات قدم ہو جاتا موسم شتا میں اور پانچ قدم موسم صیف میں۔ فرمایا اس سے میری تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

کیونکہ اگر فیئ زوال کو مستثنیٰ نہ کیا جائے تو بعض موسموں میں فیئ زوال خود ایک مثل کی برابر ہوتا ہے۔ سات قدم ایک مثل کی برابر ہیں اور یہ موسم شتا میں ہوتا ہے تو جس روایت میں ایک مثل پر عصر پڑھنا آیا ہے اس کے بموجب ظہر کا وقت بالکل ندارد ہوا جاتا ہے کیونکہ ایک مثل سایہ تو زوال کے وقت موجود تھا۔ اس وقت عصر پڑھی تو ظہر کون سے وقت ہوا۔ تو احادیث میں بانضمام آیۃ ولوک یہ قید بداہۃ لگ گئی کہ پانچ اور سات قدم اور سات قدم وہ مراد ہیں جو اس سایہ کے سوا ہوں جس میں دلوک کو دخل نہ ہو۔

مکالمہ باحق تعالیٰ کی تحقیق

سوال: مفتی صاحب نے پوچھا کہ حضرت جنید اور سری سقطی وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے مکالمہ کیا۔ جواب دیا مراد الہام ہے جس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے کچھ عرض کیا اور ہر سے قلب میں اسکا جواب القاء ہوا۔ اس کو مکالمت مع اللہ کہہ سکتے ہیں۔ کبھی یہ الہام صرف معانی کا ہوتا ہے اور کبھی الفاظ مخصوصہ کا بھی اور کبھی مع صوت بھی اور یہ صوت مخلوق ہوتی ہے مگر ایک توجہ کی بنا پر (جو آئندہ آتی ہے) کلام باری تعالیٰ کہہ سکتے ہیں جیسے شجرہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی۔ وہ آواز باری تعالیٰ تھوڑا ہی تھی۔ مخلوق تھی۔ شیخ فرید جو اجل صوفیہ میں سے ہیں اور مسلم امام ہیں کہتے ہیں۔

ع قول اور الحن نے آواز نے ان حضرات کے عقائد بالکل اہل سنت کے عقائد ہیں اس صوت کا کلام باری تعالیٰ اس واسطے کہتے ہیں کہ درمیان میں کوئی واسطہ فاعل مختار کا نہیں ہے ورنہ جیسے وہ حق تعالیٰ کی مخلوق ہے ایسے ہی ہماری صوت بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ چاہئے کہ ہماری صوت کو بھی کلام باری تعالیٰ کہیں مگر چونکہ ہماری صوت میں واسطہ ہے انسان فاعل مختار اور ذی ارادہ اور مستقل کا اس واسطے ہماری صوت کو کلام باری نہیں کہہ سکتے۔

ضروری بیان میں خوف اضلال عوام نہیں کہا جا سکتا

عرض کیا گیا اس قسم کے قصوں سے اضلال عوام ہوتا ہے۔ فرمایا اس سے کہاں تک بچ سکتے ہیں۔ خود قرآن میں حق تعالیٰ نے شجرہ کی صوت کو اپنی نداء فرمایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جس بات کا بیان کرنا

۔ضروری ہو اس میں تو خوف ضلال عوام کا نہ چاہئے۔ اور جہاں کوئی ضرورت نہ ہو وہاں صرف مجلس آرائی کیلئے بیان کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے اور مناسب ہے کہ جہاں ضرورت سے بیان کیا جائے وہاں رفع اغلاط بھی کر دیا جائے۔

مختلف مذاق کے لوگوں کو جمع نہیں کرنا چاہئے

مابین بستی گورکھپور ایک سب انسپکٹر صاحب ریل میں آ کر بیٹھے اور حضرت والا کی وضع قطع اور گفتگو سے عالم سمجھ کر اصرار کیا کہ ہمارے یہاں ایک جلسہ ہونے والا ہے دور، دور کے میلاد خواں آئیں گے آپ بھی ایک دن کے لئے اتر لیں اور وعظ فرماویں۔ فرمایا میں نے یہ سفر بشورہ اطباء استراحت کے لئے کیا ہے اور وعظ اس کے خلاف ہے اور جب تک نشاط نہ ہو مضامین کی آمد نہیں ہوتی۔ اور آورد کی عادت نہیں۔ جب وہ اتر گئے تو فرمایا نہ معلوم لوگوں کو یہ کیا شوق ہے کہ مختلف مذاق کے لوگوں کو جمع کرتے ہیں۔

احادیث جمع صلوتین کی تاویل و تحقیق

پوچھا گیا۔ جمع بین (احیا السنن میں اس مقام کو دیکھ لیا جائے) الصلوتین کی احادیث کے متعلق تحقیق کیا ہے فرمایا اول تو اکثر ان روایات کی صحت ہی میں کلام ہے اور بر تقدیر صحت عمدہ تاویل یہ ہے کہ منسوخ ہیں۔ یہ بھی جب ان میں کوئی لفظ متحمل التاویل نہ ہو ورنہ جمع صوری کی تاویل بہت ظاہر ہے۔ اور غالبا کسی روایت میں بھی ایسا لفظ نہیں جس کو جمع سوری پر محمول نہ کر سکیں۔ فرمایا میرے نزدیک نماز چونکہ بڑی مہتم بالشان چیز ہے اس واسطے احتیاط کی ضرورت ہے وقت میں بھی اور نواقص میں بھی کیونکہ اگر واقع میں بھی غلطی ہوئی تو ترک صلوۃ کا حکم ہوگا۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اگرچہ حنفیہ کے یہاں بھی عصر میں ایک مثل اور دو مثل دونوں کی روایتیں ہیں مگر چاہئے کہ ظہر ایک مثل سے پہلے پڑھ لی جایا کرے اور عصر دو مثل کے بعد بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

۱۸ صفر ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ

شب جمعہ مغرب کی نماز گورکھپور کے قریب ریل میں پڑھی۔ ایک آدمی داہنے حضرت کے اور دو بائیں تھے۔ ایک جگہ جھٹکا لگا تو اسباب رکھنے کی بینچ کو حضرت والا نے پکڑ لیا اور کچھ دیر تک پکڑے

---

۱ احیا السنن میں اس مقام کو دیکھ لیا جائے۔

رہے۔ حضرت والا اقامت خود کہا کرتے تھے اور ریل میں اذان کہیں نہیں کہی گئی۔ بعد مغرب گورکھپور پہنچے ۔حضرت والا کے بھتیجے داماد منشی اکرام الحق صاحب صدر منصرم گورکھپور کو اطلاع تھی۔ وہ ایک فٹن اور ایک پال گاڑی لے کر اسٹیشن آئے تھے۔ ہم سب کو محلہ دل ازاک پور میں اپنے مکان میں لے گئے۔ اول حضرت والا نے اپنے سب اسباب پر نظر ڈالی پھر سوار ہو کر شہر پہنچے اور مکان پر پہنچ کر پھر ایک نظر اسباب پر ڈال کر ایک جگہ رکھوا دیا۔ حضرت نے عشاء کی نماز میں سورۃ انا انزلنا اور الم تر کیف پڑھی اور نماز مکان کے برابر والی مسجد میں پڑھی۔ حضرت کا پلنگ ایک کمرہ میں بچھا دیا گیا۔ اور ہم تین آدمیوں کے پلنگ دوسرے برابر والے کمرہ میں بچھا دیئے گئے۔

سوتے وقت کے حضرت کے بعض معمولات

معمول حضرت کا یہ ہے کہ اگر بلا تکلف سہولت سے ممکن ہو تو سونے کے کمرہ میں مجمع نہ ہو ہاں ایک خادم رہے مضائقہ نہیں۔ اور اگر تنہائی نہ ہو سکے تو حضرت والا کو حق تعالیٰ نے ایسا متحمل بنایا ہے کہ ہر کس و ناکس کے مزاج سے ساز کر لیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پلنگ علیحدہ کمرہ میں بچھایا گیا اور اسٹیشن ڈوری گاٹ پر (جس کا ذکر آگے آتا ہے) ایک چھوٹی سی کوٹھری میں آٹھ آدمی تھے۔ جہاں لیٹنے کی جگہ مشکل سے ملی۔ حضرت نے وہاں اپنے بھتیجے میاں محمد علی کو بھی اپنے لحاف میں سلایا۔ ایک دفعہ حضرت خود فرماتے تھے کہ میں طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھتا ہوں احقر نے اپنا پلنگ اس کمرہ کے کواڑ کی برابر بچھایا اور عرض کیا کہ سحر کو جس وقت آنکھ کھلے احقر کو آواز دے لیں۔ تا کہ وضو کے لئے پانی حاضر کریں۔ صاحب خانہ نے گرم پانی وغیرہ کا کافی انتظام کر دیا اور حضرت کا معمول یہ بھی ہے کہ مٹی کے تیل کی روشنی پسند نہیں کرتے اس سے دماغ کو تکلیف ہونے لگتی ہے۔ ممکن ہو تو چراغ دیسی تیل کا ہو۔ ورنہ لیمپ آڑ میں اور اتنی دور رکھ دیا جائے کہ نظر کے سامنے نہ ہو اور اس کا دھواں دماغ پر نہ پہنچے اور بلا ضرورت اس کو جلتا بھی نہ چھوڑا جائے، چونکہ مجمع چند آدمیوں کا تھا۔ سہولت کیلئے ایک دیوار گری باہر کے کمرہ میں بہت ہلکی کر کے جلتی چھوڑی گئی۔ سوتے وقت صاحب خانہ نے حضرت کے واسطے قریب آدھا سیر کے دودھ حاضر کیا۔ یہ اکثر حضرت کا معمول تھا۔ صبح کی نماز میں سورہ نباء اور سورہ انفطار پڑھی اور بعد نماز دوا پی کر حسب معمول قرآن کی منزل پورا کرنے کیلئے ہوا خوری کو تشریف لے گئے۔ خدام بھی ہمراہ گئے اور ایک راستہ جاننے والے کو ہمراہ لے لیا۔

مال حرام سے احتیاط

ایک معمول حضرت کا یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مال حرام سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ مشکوک مال سے بھی بچتے ہیں۔ ادنی شبہ سے بھی بلکہ آئندہ پیش آنے والے شبہ سے بھی احتراز کرتے ہیں (جیسا کہ احقر نے اس کو مفصل معمولات اشرفی کے آخر میں لکھا ہے۔) اسی سفر میں ایک جگہ دو وقت کھانا کھایا جس میں صاحب خانہ نے خوب اپنا حوصلہ پورا کیا تھا۔ متعدد قسم کے کھانے تھے اور حتی الامکان بہت اچھی طرح پکائے گئے تھے مگر حضرت نے کئی بار فرمایا کہ کھانوں میں نفاست ظاہری بہت تھی مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مٹی ہے وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے یہاں حرام و حلال کی احتیاط نہیں ہے۔ منشی اکبر علی صاحب کے یہاں پہنچتے ہی فرمادیا تھا کہ نرخ مقررہ دورہ سے کوئی چیز نہ لی جائے بلکہ عام بازار کے نرخ سے لی جائے صاحب خانہ نے چاء بسکٹ لاکر رکھے فرمایا میری عادت ناشتہ کی بالکل نہیں ہمراہیان کو پلا دیجئے۔ حجام کو بلایا معلوم ہوا کہ مسلمان حجام یہاں ایک دو ہی ہیں علی العموم ہندو ہیں۔ اس مسلمان کو تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔

ہندو حجام سے خط بنوانا

فرمایا میل لینا ہے مسلمان ہی کیا کرے گا۔ ہندو کو بلالو (بل ھو اولی لمثل تلک الخدمات) چنانچہ ہندو ہی نے خط بنایا۔ فرمایا تمام عمر میں یہ اول موقعہ ہے کہ ہندو حجام سے خط بنوایا۔

روح کے متعلق ایک سوال

ذکر فرمایا ایک شخص مجھ سے شاہ جہاں پور سے آتے ہوئے ریل میں جسکی کسی وضع اور چہرہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ اور کہا میں کچھ پوچھ سکتا ہوں میں نے کہا کیا حرج ہے مگر کیسے پہچانا کہ میں اس قابل ہوں کہا یہ بات چھپ نہیں سکتی۔ چہرہ سے ظاہر ہے روح کے متعلق کچھ سوال کیا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر یہ مسلمان ہے تو اسکے لئے جواب نقلی کافی ہوگا۔ اور اگر مسلمان نہیں ہے تو نقلی کو کیوں مانے گا۔ عقلی جواب دینا چاہئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں یہ تدبیر کی کہ اس سے کہا اول اپنا نام بتایئے۔ کہا میں ایک کافر ملحد ہوں آپ کا سوال میں سمجھ گیا۔ نام کے سوال سے مذہب سے سوال ہے میں نے تقریر کی تو بہت مسرور ہوا اور کہا یہی ہمارے وید میں لکھا ہے۔

خاندانی شرافت

شرافت خاندانی کا ذکر ہوا تو فرمایا میں اکثر قلب کو ٹٹولتا ہوں جتنا مجھے چھوٹے لوگوں سے ڈر لگتا ہے اتنا بڑے لوگوں سے نہیں لگتا وجہ یہ ہے کہ خاندانی آدمی سے ظلم کا خوف نہیں ہوتا اور کم درجہ کے آدمی سے ہر بات میں ڈر رہتا ہے کہیں ظلم نہ کرے۔

سوال: جب کہ نوکری کیلئے حاکم نے قید لگا دی ہے کہ مثلاً بائیس سال سے کم نہ ہو اور پچپن سال سے زیادہ نہ ہو اور نوکری عقد اجارہ ہے جس میں تراضی طرفین شرط ہے تو ابتداء عمر زیادہ بتانا۔ یا انتہا (خضاب وغیرہ کر کے دھوکہ دینا جائز ہے یا ناجائز۔

نوکری کیلئے خضاب لگانا

فرمایا یوں معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کام کرنے کے قابل ہو لہذا جب کام کر سکے تو نوکری کرنے میں کچھ حرج نہیں اور عمر کی قید بلالحاظ کام کر سکنے کے ایسی ہے جیسے کوئی کہے میں ایسے آدمی کو نوکر رکھوں گا جس کا بال کالا ہو لہذا خضاب کرنا جائز معلوم ہوتا ہے (لعله راد بالخضاب الغیر الاسود المنوع عنه)

احقر کے شناسا منشی محمد صادق صاحب گورکھپور میں سیکرٹیری تھے احقر ان سے ملنے گیا اسطرح ان کو حضرت کی تشریف آوری کی خبر ہوگئی اور ان کی اہلیہ حضرت سے بیعت تھیں۔ اور اسوقت سخت علیل تھیں انہوں نے سیکرٹیری صاحب کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور اصرار کیا کہ بعد نماز جمعہ مکان پر تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمالیا جمعہ کا وقت آیا پوچھا گیا سواری میں جائے گا یا پیادہ جانا اچھا معلوم ہوتا ہے الا آنکہ زیادہ فاصلہ ہو۔ کہا گیا فاصلہ زیادہ ہے۔ اور دو گاڑیاں منگائی گئیں اور ان میں جامع مسجد گئے، چونکہ یہ سفر حضرت والا نے بغرض استراحت کیا تھا۔ نیز قیام کا ارادہ گورکھپور میں ایک دن سے زیادہ کا نہ تھا۔ اس واسطے یہ کوشش کی گئی تھی کہ قصداً کسی کو اطلاع نہ کی جائے حتی کہ شب میں پوچھا گیا تھا کہ ایک حکیم صاحب ہیں اور ایک شخص ہیں ان کو اطلاع کر دی جائے۔ حکیم صاحب تو بہت دیندار شخص ہیں اور بعد میں غالباً وہ شکایت کریں گے اور دوسرے شخص علماء سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ فرمایا ان صاحب کو پہلے سے تعلق ہے یا نہیں کہا گیا تعلق ضرور ہوگا۔ اکثر علماء سے ملتے رہتے ہیں حضرت سے بھی ضرور واقف ہوں گے۔

نئے آدمی سے ازخود تعارف پیدا کرنا خلاف غیرت ہے۔

فرمایا یوں بواسطہ تعلقات سب مسلمان تو ہیں دل نہیں چاہتا کہ کسی نئے آدمی سے تعارف پیدا کروں مجھے اس سے غیرت آتی ہے میں نے کسی کو خبر نہیں کی ہے کیونکہ قیام کا ارادہ نہیں ہے۔ نیز میں اس سفر میں مجمع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ مقصود استراحت ہے میں چاہتا تھا کہ مطلق کسی کو خبر نہ ہو اور نہ کسی سے ملوں۔

سفر میں بلاضرورت جمعہ کا نہ چھوڑنا

آج جمعہ کی نماز کیلئے جانا ضرور ہے گو جمعہ میں نہ جانا بھی ممکن ہے کیونکہ ہم لوگ مسافر ہیں مگر دل نہیں چاہتا کہ موقع اور فرصت ہوتے ہوئے جمعہ چھوڑیں جو کوئی وہاں ملے گا مل جائے گا، یہاں پہلے سے کچھ اشخاص سے تعارف ہے۔ جامع مسجد کے راستہ میں لوگوں کی نظریں حضرت والا پر پڑتی تھیں۔ ''اور مشک آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار گوید کا'' مصداق تھا جتنا چھپانا چاہا اتنی ہی شہرت ہوتی تھی اور سیماھم فی وجوھھم کا ظہور تھا۔ جامع مسجد میں چپ چاپ جا کر بیٹھ گئے۔ اول صف میں حضرت والا اور پیچھے حضرت کے دوسری صف میں احقر تھا۔ نماز سے پہلے ایک بوڑھے آدمی نے حضرت سے مصافحہ کیا۔ پس نماز پڑھتے ہی تمام آدمی ٹوٹ پڑے حضرت والا جلدی جلدی مصافحہ کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے اور فرمادیا کہ مجھے سیکریٹری صاحب کے مکان پر جانا ہے۔ چنانچہ سیکریٹری صاحب کے مکان پر پہنچے سیکریٹری صاحب نے احقر سے قبل نماز پوچھا تھا کہ کچھ انتظام مٹھائی اور چاء وغیرہ کا کیا جائے۔ احقر نے کہا بالکل نہیں حضرت اس کو بالکل داخل رسم سمجھتے ہیں اگر آپ کا دل نہ مانے تو تھوڑی گنڈیریاں گنے کی بنوالیجئے گا۔ مگر انہوں نے اس کو بھی اڑا دیا اور صرف پان اور الائچی پیش کیا اور غالباً عطر بھی تھا۔ بعض زائرین سیکریٹری صاحب کے مکان پر پہنچ گئے سیکریٹری صاحب حضرت کو زنانہ مکان میں بلا کر لے گئے اس کے بعد احقر کو بھی اندر بلا کر لے گئے کیونکہ احقر مریضہ کا معالج رہ چکا تھا۔

مریض کیلئے معمولات میں تخفیف

درمیان میں پردہ ڈال کر اس طرف مستورات ہو گئیں اور ادہر حضرت والا اور بندہ رہے سیکریٹری صاحب کے اہل خانہ نے عرض کیا میں سخت علیل ہوں بولنا بھی مشکل ہے اور اب مجھ سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے کہ لیٹ کر نماز بمشکل پڑھ لیتی ہوں۔ فرمایا بس یہی کافی ہے زبان سے اللہ

اللہ کئے جایئے اور اگر اس میں بھی تکلیف ہو تو صرف دل سے کئے جایئے۔ کہا دعا کیجئے مجھے سخت تکلیف ہے فرمایا حق تعالیٰ شفا دیں کچھ گھبرانا نہ چاہئے کفارہ گناہ ہو رہا ہے یہ سب حالتیں ختم ہو جائیں گی اس وقت تکلیف ہے مگر ان کی قدر اجر ملتے وقت آئے گی۔ مسلمان کا کوئی حال برا نہیں۔ نعمت میں رہے تو شکر کا ثواب ملتا ہے اور تکلیف میں رہے تو صبر کا غرض مسلمان کی ہر حالت اچھی ہے۔ ہرگز غم نہ کیجئے۔ عرض کیا میرے واسطے حسن خاتمہ کی دعا کیجئے۔ فرمایا ضرور دعا کروں گا۔

احقر نے عرض کیا میرا خیال ان کی حالت دیکھ کر عرصہ سے ہے کہ مرض نہیں ہے آسیب کی خلش ہو یا سحر، سحر کے واسطے پانی پڑھ کر دیا۔ اور فرمایا ۴۰ دن تک اس کو پئیں اس میں اور پانی ملا کر بڑھاتے رہیں۔ اور تعویذ لکھ کر دیا بعد تھوڑی دیر کے فرمایا اب مجھے اجازت ہو اور باہر تشریف لائے دیکھا تو باہر بیس پچیس آدمی موجود ہیں ان سے مل ملا کر جائے قیام پر واپس تشریف لائے۔

ضرورت سے زیادہ چیز نہ رکھنا

ایک صاحب نے ایک جوڑہ سلیپر سرخ رنگ نہایت مضبوط اور ایک جوڑہ سلیم شاہی بچے کام کا بہت بڑھیا پیش کیا فرمایا یہ کامدار تو میری عمر کے مناسب نہیں ہے اور سلیپر پہننے کی عادت نہیں۔ کبھی پہنا نہیں مگر انہوں نے اصرار کیا تب حضرت نے سلیپر لے لیا کہ وضو کر کے اس کو پہن لیا کروں گا۔ اور دوسرے جوڑے کو واپس کر دیا اور فرمایا میرے پاس آج کل کئی جوڑے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ رکھنا خلاف عادت ہے۔ اور فرمایا اس سلیپر کو اس تھیلی میں رکھ لو جس میں ہواخوری کا جوڑہ ہے۔

کھانے کا ادب

احقر نے عرض کیا پھر اس تھیلی کو زنبیل میں رکھ لوں (ٹوکری) فرمایا اس میں کھانے پینے کی چیز بھی رہتی ہے دل نہیں چاہتا کہ اس میں جوتیاں رکھی جائیں گو یہ جوڑہ پاک ہے۔ مگر پھر بھی پہننے کی چیز کھانے کے ساتھ رکھ لینا ایسا ہے جیسے کسی سے کہیں نیا جوتا اپنے باپ کے سر پر رکھ دے تو ہرگز ہمت نہ ہو گی۔ حالانکہ وہ پاک ہے کھانے کا ادب بھی ایک چیز ہے۔ جواز اور بات ہے۔

نفاست اور نظافت

مگر نفاست اور نظافت بھی اچھی چیز ہے میں ایک دفعہ ایک طبیب کے یہاں بیٹھا تھا۔ ایک

شخص قارورہ کی شیشی ہاتھ میں لایا اور قارورہ حکیم صاحب کو دکھلا کر شیشی رکھ کر مجھ سے مصافحہ کرنا چاہا میں نے کہا ہاتھ دھو کر آؤ شیشی خشک سہی مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ جس ہاتھ میں قارورہ تھا اس سے مصافحہ کروں۔ قریب مغرب ایک شخص حضرت والا کو اپنے مکان پر لے گئے جو ذرا فاصلہ پر تھا۔ خدام میں سے کوئی ساتھ نہیں گیا۔ مغرب کی نماز حضرت نے وہیں پڑھی۔ سیکرٹیری صاحب نے دعوت کے لئے اصرار کیا فرمایا میں حاضر ہوں صاحب خانہ سے اجازت لے لیجئے۔ صاحب خانہ سے ہر چند اصرار کیا مگر انہوں نے نہ مانا۔ فرمایا مجبور ہوں۔ تاہم سیکریٹری صاحب نے صبح کو سفر کے ناشتہ کے لئے کچھ کھانا بھیج دیا۔

۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ یوم شنبہ

شب شنبہ میں قیام گورکھپور میں رہا۔ عشاء کی نماز میں سورہ تین۔ اور ماعون۔ پڑھی اور فجر کی نماز میں سورہ قیامہ اور نازعات پڑھی۔ صبح کو حسب معمول حضرت ہوا خوری کو گئے تو رستہ بھول گئے جب مکان پر واپس آئے تو وقت ریل کا ایسا تنگ ہو گیا تھا کہ کسی طرح امید گاڑی کے ملنے کی نہ تھی۔ اسٹیشن پر پہنچے تو ریل ایک گھنٹہ سے زیادہ لیٹ تھی تقریباً ۱۵ آدمی مشایعت کے لئے اسٹیشن پر تھے۔

صلہ رحم

حضرت والا کے تین بھتیجے یعنی منشی اکبر علی صاحب کے صاحبزادے ایک مقام دیوریا ضلع گورکھپور میں تعلیم پاتے تھے۔ گورکھپور پہنچتے ہی حضرت نے فرمایا بچوں کو بلانا چاہئے کسی نے عرض کیا تار دے دیا جائے۔ فرمایا معمولی تار خط کے حکم میں ہے ۲۴ گھنٹوں کے اندر پہنچتا ہے۔ اگر دیر میں پہنچا تو وہ دیر میں آئیں گے اور بہت تھوڑی دیر میرے پاس رہ سکیں گے۔ اس واسطے ایک آدمی بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ایک آدمی تجویز ہوا۔ اور خرچ اس کا قریب ایک روپیہ کے حضرت نے اپنے پاس سے دیا۔ دو صاحبزادے جمعہ کے دن آ گئے اور ایک سنیچر کے دن اثنائے سفر ڈوری گھاٹ میں دیوریا کے اسٹیشن پر مل گئے۔ شب شنبہ بمقام گورکھپور بن ملازم منشی اکبر علی صاحب کا پہنچا۔

واقف کار آدمی کو سفر میں ہمراہ لینا

حضرت والا نے منشی اکبر علی صاحب کو لکھ دیا تھا کہ کوئی آدمی گورکھپور بھیج دینا تا کہ آپ کے پاس پہنچنے میں اسکے ذریعہ سے سہولت ہو۔

بیعت کرنے میں جلدی نہ کرنا

(واقف کار آدمی کو سفر میں ساتھ لے لینے کی ضرورت اور مصلحت متفرق طور پر اس سفر میں بیان ہوں گی۔ اسٹیشن گورکھپور پر بوجہ لیٹ ہو جانے ریل کے قریب ایک گھنٹہ کے ٹھہرنا پڑا۔ ایک شخص نے اسٹیشن پر بیعت کے لئے اصرار کیا فرمایا جب تک جانبین کو دل نہ مل جائے یہ تعلق مفید نہیں۔ بلکہ مضر ہے کیونکہ شیخ کو یا مرید کو جلدی کرنے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ پچھتانا پڑتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ کہاں پھنس گئے۔ بیعت کا تعلق کرنا جانبین کو تمام عمر کے لئے قید میں آ جانا ہے۔ ہرگز بلا اطمینان طرفین کے اس قید میں نہ پڑنا چاہئے اور یوں میں تمام مسلمانوں کا دعا گو اور خادم ہوں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم اور نفع بیعت پر موقوف ہے یا اسمیں دریغ ہوگا۔ بلا بیعت کے میں ایسے شخص کو راہزن اور ڈاکو سمجھتا ہوں جو بلا بیعت کے تعلیم میں طالب سے دریغ کرے اور سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کسی طالب سے دریغ نہیں کرتا رہا بیعت کرنا سو وہ ایسا ہے جیسے کسی کو متبنٰی بنالینا۔ خدمت تو آدمی پڑوسیوں تک کی اور پڑوسیوں کے بچوں اور نوکروں تک کی اور محض اجنبیوں کی بھی کرتا ہے۔ لیکن بیٹا کسی کو نہیں بناتا۔ مولوی عبد الغنی صاحب (یہ حضرت کے خلفاء میں سے ہیں۔) سرائے میر سے اسٹیشن گورکھپور پر ملے اور ہمراہ ہو لئے

سنگ دلی اور یک سوئی قلب میں فرق

اسٹیشن پر کسی مناسبت سے فرمایا جس واقعہ کا تدارک ہو سکے تا وقت تدارک اس سے قلب کو سخت تعلق رہتا ہے اور جب تدارک کی امید نہ رہے تو قلب بالکل علیحدہ ہو جاتا ہے۔ کسی کے مرنے کا مجھے قلق نہیں ہوتا کیونکہ ناممکن التدارک ہو گیا اور اس کی بیماری کی وجہ سے بڑا قلق رہتا ہے۔ کسی کے مرنے میں میں نے ایک وقت کا بھی کھانا نہیں چھوڑا۔ اور بیمار کو دیکھ کر کھانا چھوٹ گیا ہے۔ بعض بڑے محبوبین کا انتقال ہوا۔ مگر بعد میں رنج نہیں ہوا مجھے ایک دفعہ خیال ہوا کہ یہ سنگ دلی ہے لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آیا اگر اس کی منشاء سنگ دلی ہوتی تو بیمار کو دیکھ کر کیوں دل پگھلتا ہے معلوم ہوا کہ اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ الیاس احدی الراحتین ناممکن التدارک سمجھ لینے سے قلب کو سکون ہو جاتا ہے۔

تکلیف میں نعمت الٰہی کا شکر

اسٹیشن بہٹنی پر گاڑی نہیں ملی اور چار پانچ گھنٹہ قیام کرنا پڑا پلیٹ فارم پر حضرت کے لیے بستر لگا دیا۔ کچھ سو کر اور کچھ بات چیت میں وقت کاٹا۔ خدام نے عرض کیا یہ وقت فضول گیا۔ فرمایا ہاں لیکن اللہ

تعالیٰ کی نعمتیں کسی وقت انسان سے الگ نہیں ہوتیں۔ دیکھئے یہاں ایسی نعمت عطا فرمائی کہ اور کہیں نہیں مل سکتی وہ یہ کہ ہر مجمع میں کوئی اجنبی آدمی ضرور ہوتا ہے اور اس وقت ایسا مجمع ہے کہ مختصر بھی ہے اور صرف اپنے ہی آدمی ہیں بشاشت محضہ کا سامان ہے یہ بڑا لطف ہے اس سفر سے غرض تفریح ہی ہے۔ کسی کی پابندی نہیں ہے اتنا وقت تفریح کے ساتھ کٹے گا۔ اور فرمایا بچن ملازم کو ساتھ لینے میں یہ مصلحت ہے کہ اب طبیعت پریشان نہ ہوگی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بوجہ ناواقفیت کتنی تکلیف ہوتی میرا معمول ہے کہ نئی جگہ کسی واقف کار آدمی کو ضرور بلا لیتا ہوں۔

اس کو بعض لوگ تکبر اور بناوٹ کہتے ہیں حالانکہ تکبر اور بناوٹ کچھ نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ ناشتا اسٹیشن بھٹنی پر کیا۔ اس وقت اتنے آدمی تھے حضرت والا اور بندہ اور مفتی صاحب اور حضرت کے بھتیجے میاں حامد علی اور محمود علی اور محمد علی اور مولوی عبد الغنی صاحب اور بچن ملازم سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز اسٹیشن بھٹنی پر قریب ڈیڑھ بجے کے پڑھی عصر بھی وہیں پڑھی اول وقت پڑھی۔ کیونکہ ریل کا وقت ہو گیا تھا۔ ایک دو آدمی محض اجنبی حضرت سے ملے جو بھٹنی جنکشن پر موجود تھے۔

۲۰ صفر ۱۳۳۵ھ یوم الاحد

مغرب شب یک شنبہ کی نماز اسٹیشن بہلی سے روانہ ہونے کے بعد اسٹیشن انڈارا جنکشن کے قریب ریل میں پڑھی اس طرح حضرت والا درجہ کی بنچوں میں بیچے کھڑے ہوئے اور کوئی مقتدی داہنے بائیں تختوں پر اس وجہ سے نہ کھڑا ہو سکا کہ اوپر اسباب رکھنے کی بنچ تھی اس کی وجہ سے کھڑا ہونا ممکن نہ تھا لہذا مقتدی داہنے بائیں درجوں میں دو دو آگے پیچھے کھڑے ہوئے۔ فرمایا ریل کی ایک گاڑی مکان واحد کے حکم میں ہے اس وقت نماز نہایت (کیونکہ جھٹکا لگنے کا پھر خوف تھا ایک دفعہ لگ ہی چکا تھا۔) جلدی جلدی پڑھی۔ اور انا اعطینا اور قل ھو اللہ پڑھی۔ اور نفل کسی نے نہیں (کیونکہ مطلق سفر مشقت سے خالی نہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مطلق سفر میں قصر کا حکم دیا ہے) پڑھی۔ حالانکہ جگہ کافی اور وقت بہت تھا۔

مخلوق تک پہنچنے میں دیر لگتی ہے تو خالق تک کیوں نہ لگے

ریل میں اسٹیشن انڈارا کے قریب فرمایا دیکھئے ایک مخلوق تک پہنچنے میں بعض وقت کیسی مشکلیں پیش آئیں ہیں۔ اس سفر میں کیا کیا خلاف توقع باتیں پیش آئیں لوگ خالق تک پہنچ کا خالہ جان کا گھر سمجھتے ہیں

کچھ بھی تو نہیں کرتے طلب نہیں کرتے چاہتے ہیں گھر بیٹھے خدامل جائے اور کسی نے بری بھلی طلب کی بھی اور ذکر شغل شروع کیا تو شروع کرتے ہی مزا چاہتے ہیں اور فوراً وصول الی اللہ کی خواہش ہوتی ہے۔

بعض شرائط جمعہ کا ثبوت

مفتی صاحب نے پوچھا شرط مصر کا ثبوت حضرت علی کے قول سے ہے یا اور کسی حدیث سے فرمایا ہاں اس سے بھی ہے اور سب سے اچھی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبا میں چودہ رات قیام کیا اور کہیں روایت نہیں کہ حضور ﷺ نے وہاں جمعہ پڑھا۔ حالانکہ جمعہ فرض ہو چکا تھا۔ کیونکہ صحابہ سے جمعہ کا پڑھنا قبل ہجرت ثابت ہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا عدم نقل تو دلیل نہیں ہوسکتی۔ فرمایا ایسے مہتم بالشان امور میں عدم نقل بھی دلیل ہوسکتی ہے۔ بہت جگہ فقہا اور محدثین کسی امر کی نفی کیلئے فرماتے ہیں لم یثبت لم یثبت اور فرمایا حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ جمعہ پڑھنے کے لئے قبا سے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔ اور اس کے لئے آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی اور کسی نے یہ نہ کیا کہ قباء میں جمعہ پڑھ لیں یہ کہیں ثابت نہیں۔ عرض کیا گیا امام کی شرط جمعہ میں کہاں سے ثابت ہے جس کی وجہ سے آج کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں جمعہ نہیں ہوسکتا کیونکہ امام مسلمان موجود نہیں۔ فرمایا آیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا ہونا صرف رفع تنازع کے لئے ہے بالذات شرط نہیں دیکھئے حضرت عثمانؓ نے ایام فتنہ میں خود فتوی دیا تھا۔ امام جابر کے ساتھ جمعہ صحیح ہونے کا۔ حالانکہ وہ خلیفہ شرعی نہ تھا۔

فناء مصر میں جمعہ

سوال: جمعہ درست ہونے کے لئے شہر کی حد کہاں تک مانی جائے۔ فرمایا مصر اور فناء مصر سب میں جمعہ ہوسکتا ہے۔ احقر نے عرض کیا ریل کا اسٹیشن بھی فناء مصر میں داخل ہے یا نہیں فرمایا میرے نزدیک داخل نہیں۔ کیونکہ معد مصالح الحضر نہیں بلکہ معد لمصالح السفر والخروج عن البلد ہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا معد للخروج عن البد بھی ہے۔ اور للدخول فی البلد بھی جواب غالباً یہ دیا گیا۔ مصالح سکنی بلد کے متعلق تو نہیں اور فناء وہ ہے جو ان مصالح سکنی کے لئے معد ہو۔ عرض کیا گیا مصر کی تعریفات مختلف سے جو شرائط معلوم ہوتی ہیں وہ سب کی سب تو کسی شہر میں بھی جمعاً نہیں پائی جاتی۔

فرمایا یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی تعریفات ہر زمانہ میں وہ لوگوں نے کی ہیں جن سے اس کی

شناخت ہو جائے۔ کوئی تعریف جامع نہیں ہے رسوم اور امارات ہیں اور اصل مدار عرف پر ہے، پس کسی خاص امارت کا کسی بلد میں نہ پایا جانا مضر نہیں اور نہ ان تعریفات میں باہم تعارض ہے۔

عشاء کی نماز غالباً اسٹیشن انڈارا ہی پر پڑھی۔ منشی اکبر علی صاحب کو لکھا گیا تھا۔ کہ ۴ بجے دن کے ڈوری گھاٹ کے اسٹیشن پر پہنچیں گے اس واسطے انہوں نے سواری وغیرہ کا انتظام اس وقت کے لئے کر دیا تھا۔ لیکن ریل کے لیٹ ہو جانے کی وجہ سے قریب ۹ بجے شب کے ڈوری گھاٹ پہنچے۔ سواری وغیرہ سب واپس جا چکی تھی۔ منشی اکبر علی صاحب کا ڈیرہ وہاں سے قریب ایک میل کے تھا۔ اور بیچ میں دریا حائل تھا رات کو جانا مشکل تھا۔ اس واسطے یہ تجویز ہوئی کہ رات کو یہیں رہیں۔ اور صبح کو ڈیرہ چلیں۔ ببن ملازم نے بہت کوشش کے بعد دھرم شالی متصل اسٹیشن میں ایک کوٹھری میں ٹھہرنے کا انتظام کیا اور مٹی کے تیل کی ڈبیہ ایک بنیہ سے لی اور ایک تخت قد آدم لمبا بہم پہنچایا۔ تخت پر حضرت والا کا بستر لگا دیا۔ کوٹھری ایسی تنگ تھی کہ سب آدمیوں کے لئے لیٹنے کی جگہ بھی کافی نہ تھی۔ چنانچہ مولوی عبدالغنی صاحب برآمدہ میں لیٹے اور صاحبزادے محمد علی کو اپنے پاس سلایا ان کی وجہ سے رات کو نیند اچھی طرح نہیں آئی کیونکہ حضرت کو کئی بار اٹھ اٹھ کر ان کو کپڑا اڑھانا پڑا۔ سوتے وقت فرمایا کنواں قریب ہو تو اس کو دیکھ لینا چاہئے اور اگر کنواں نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو پانی لے کر لوٹے بھر کر کوٹھری میں رکھ لئے جائیں۔ ورنہ سحر کو پانی بہت ٹھنڈا ملے گا۔ مٹی کے تیل سے حضرت کو سخت نفرت ہے اس واسطے ڈبیہ باہر برآمدہ میں رکھوا دی۔

فرمایا دیکھو اس وقت ببن ملازم نہ ہوتا تو کہاں دھکے کھاتے پھرتے نئی جگہ ہے کسی سے تعارف نہیں یہاں وضو کے لئے پانی بھی نہ ملتا اور اسٹیشن پر پڑے رہتے تو قدر عافیت معلوم ہو جاتی۔ دھرم شالہ کی طرف ہمارا تو خیال بھی نہ جاتا گو کسی قدر جگہ تنگ ملی مگر قید کی جگہ تو ہے ہوا سے تو محفوظ رہے یہ مرتبہ ضرورت کا ہے نئی جگہ واقف کار آدمی کو ضرور ساتھ لے لینا چاہئے یہ تکبر اور بناوٹ نہیں ہے۔ سحر کو ۴ بجے کے قریب سب جاگ گئے اور تہجد اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ فجر کی نماز کسی قدر اسفار میں دھرم شالہ پڑھی اور سورہ "انفطار اور والشمس" پڑھیں اور فوراً اسباب باندھا گیا اور کچھ دو مزدوروں پر اور کچھ خدام نے گھاٹ پر بفاصلہ نصف میل پہنچایا۔ روانگی کے وقت فرمایا تخت اور دیا سلائی اور تیل کی ڈبیہ جس جس کی ہیں ان کے پاس پہنچا دیں۔ اور ان کا کچھ کرایا یا قیمت ہو تو ادا کر دی جائے۔

عرض کیا گیا یہ سب چیزیں بنئے کی ہیں دیا سلائی اور ڈبیہ اس کے پاس پہنچا دیں اور تیل کی

قیمت دے دی گئی۔ اور تخت کا کرایہ بھی دے دیا گیا وہ بنیا اسی دھرم شالہ میں دوسری طرف بیٹھتا ہے اس سے کہہ دیا گیا کہ تخت وہ اٹھوا لے جائے گا۔

فرمایا کام تو لیا ہم نے اور اٹھوا وہ لیگا۔ عقد اجارہ میں کیا یہ بھی ملے ہوا تھا کہ یہاں اٹھا کر لے جانا اس کے ذمہ ہے۔ اس کو نکال کر اس کے پاس پہنچایا جائے۔ چنانچہ خدام نے کوٹھری میں سے نکال کر باہر رکھا۔ اس بنئے نے خود کہا کہ یہاں سے میں اٹھا لوں گا تب وہاں سے روانہ ہوئے (حضرت کو معاملات کا بہت ہی زیادہ خیال رہتا ہے اور اس میں تاخیر و امہال کو بھی روانہیں رکھتے۔

مزدوروں کا ناخوش نہ کرنا

گھاٹ پر کشتی میں سوار ہوئے تو پوچھا کہ مزدوروں کی مزدوری دے دی گئی۔ عرض کیا گیا، ہاں ایک مزدور نے کہا مجھے مزدوری کم ملی ہے لوگوں نے کہا یہی دستور ہے فرمایا دستور کوئی چیز نہیں اور دے دو اور خوش کر دو ناراض نہ رہے۔

کشتی میں سوار ہو کر دریا میں پار پہنچے تو منیجر صاحب کے عملہ والے سربراہ، کار وغیرہ لینے کو آ گئے اور حضرت والا اور جملہ ہمراہیان پیادہ پا منشی اکبر علی صاحب کے ڈیرہ تک گئے۔ ۹ بجے دن کو ڈیرہ پر پہنچے۔ روز یک شنبہ ۲۰ صفر ۱۳۳۵ھ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۶ء وہاں چاء سے معذوری ظاہر فرمائی اور تھوڑا پراٹھا اور تلوے نوش فرمائے اور ہم خدام نے چاء پی۔ منشی اکبر علی صاحب نے یہ تشکری خاص طور سے بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت والا کے لئے بنوا کر رکھی تھی۔۔ بعد ناشتہ کے منشی اکبر علی صاحب نے پوچھا کہیں گھومنے جایئے تو ہاتھی کسوا دیا جائے۔ فرمایا بہتر ہے۔ چنانچہ ۹ بجے سے ۱۰ بجے تک ہاتھی پر ہوا خوری کو گئے راستہ میں ذکر ہوا کہ ہاتھی اتنا بڑا جانور ہے مگر کیسا حق تعالیٰ نے ذرا سے انسان کے واسطے اس کو مسخر کیا ہے۔

ہاتھی حلال ہے یا حرام

پھر فرمایا امام محمد کی ایک روایت میں ہاتھی نجس العین ہے اسی واسطے سواری کو مکروہ کہا ہے اور امام مالک کے نزدیک حلال ہے۔ چنانچہ سنا ہے کہ حبشہ میں افریقہ میں کھایا جاتا ہے۔ ۱۰ بجے کے قریب ڈیرہ پر لوٹ آئے دوپہر میں ایک لنگڑہ آدمی مقطوع الرجل اپنے ایک چھوٹے سے بھائی کے ساتھ آیا اور بڑی عقیدت سے ملا اور تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا۔ یہ شخص بڑہل گنج سے آیا تھا۔ اسکے جانے سے تمام قصبہ

بڑھل گنج میں خبر ہوگئی اور آدمیوں کا تار بندھ گیا۔ خصوصاً اس لنگڑے نے تو کوڑی پھیرا کر دیا جب تک حضرت کا قیام زہر پور میں رہا زار زار دیر میں آتا تھا۔ ظہر کی نماز ڈیرہ میں پڑھی اذان نہیں کہی گئی۔

ایک ملحد کا صرف تین روزے ماننا

فرمایا آجکل ایسی خودرائی ہے کہ دین میں بھی جو جس کی سمجھ میں آتا ہے تراش خراش کرنے کو تیار ہے اور اس بیبا کی کود یکھئے کہ جو سمجھ میں آجائے اس میں کسی سے مشورہ بھی نہیں کرتے گویا جوان کے دل میں آتا ہے وہ وحی قطعی ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ) ایک شخص نے دعوی کیا ہے کہ روزے اسلام میں صرف تین ہیں اور ایسا خبط ہوا کہ اس کو اشتہار میں چھاپ دیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حق تعالی نے قرآن کریم میں کتب علیکم الصیام کے آگے فرمایا ہے ایاما معدودات اور القرآن یفسر بعضہ بعضاً یہی لفظ دوسری جگہ بھی ہے وہاں جو مراد ہے وہی یہاں بھی لینا چاہئے دوسری جگہ یہ ہے واذکراللہ فی ایام معدودات یہ حج کے بیان میں ہے۔ اور اس سے مراد گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہے۔ تو روزہ بھی انہیں دن کا ہوا۔ باقی مولویوں کی گھڑت ہے۔ فرمایا حضرت نے نہ معلوم یہ شخص لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ میں کیا مراد لے گا۔ شاید یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف گیارہویں بارہویں تیرہویں کو عذاب ہوا کرے گا۔ سو یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ اپنے زعم میں دل خوش کر لیا اور سیاق وسباق سب کو بگاڑ دیا۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ اور شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن وغیرہ سب سے آنکھ میچ لی اور ان احمقوں کے یہاں حدیث کوئی چیز ہی نہیں قطع نظر حدیث کے ساتھ عقیدہ رکھنے کے تاریخ کے مرتبہ میں تو اسکو ماننا چاہیے اور اس کا قائل ہونا چاہئے کہ صحابہ نے اور جمہور امت نے تیں روزے رکھے کیا آج تک کسی نے بھی قرآن کے مدلول کو نہیں سمجھا۔ ان بیوقوفیوں اور خودرائیوں کا کوئی جواب کہاں تک دے لطف یہ ہے کہ کوئی کیسی ہی بدیہی البطلان بات کہے اسکے بھی متبع کچھ نہ کچھ لوگ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حق کے متبع جلدی نہیں ہوتے اور باطل کے منہ سے نکلنے کی دیر ہے کہ متبع موجود ہیں۔

لفظ واجب الوجود کا ثبوت

فرمایا بیضاوی کے سبق میں ایک شخص نے کہا لفظ واجب الوجود کا اطلاق حق تعالی پر بدعت ہے۔ کیونکہ اسماء الٰہی توفیقی ہیں مفتی صاحب نے عرض کیا اسماء توفیقی ہیں نہ صفات۔ فرمایا واجب الوجود

کالفظ تو حدیث سے بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ لفظ قدیم کا اطلاق حدیث میں آیا ہے **قدیم المعروف دائم الاحسان** اورواجب الوجود ترجمہ ہے قدیم کا کیونکہ قدیم بالذات اورواجب الوجود ایک چیز ہیں۔

تقلید شخصی کی حقیقت

فرمایا سلامتی اتباع میں ہے ورنہ ہمارے نفوس اسی طرف چلتے ہیں جس طرف گنجائش ملے تحقیق کی طرف نہیں چلتے ۔ایک شخص سے تقلید شخصی کے متعلق گفتگو تھی میں نے اس سے کہا وجوب اورفرضیت کی بحث چھوڑ دو اورتقلید پرواجب اصطلاحی کا اطلاق ہو جانے دو مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے نفوس کی اصلاح ضروری ہے یانہیں اورکسی بات میں پابند بنائے جانے کے محتاج ہیں یانہیں اورنفوس کا میلان بالطبع مفاسد کی طرف ہے یانہیں۔کہاہاں یہ تو سب صحیح ہے میں نے کہا تجربہ سے یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ اس کا علاج سوائے تقلید شخصی کے کچھ نہیں ہے اورنفس کا علاج واجب ہے۔اس واسطے واجب کا تقلید پراطلاق صحیح ہوا۔

کہنے لگا اس وقت مجھے حقیقت تقلید کی معلوم ہوئی یہ تو بہت کھلی ہوئی بات ہے۔مفتی صاحب نے عرض کیا فقہ مرتب ہے تقلید شخصی اسی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے لیکن علماء فقہ کی رائیں بھی بعض مسائل میں مختلف ہوتی ہیں۔اورایسا اختلاف کہ بالکل تضاد کے مرتبہ میں ہوتا ہے تو اس صورت میں کسی روایت میں بھی عمل کرنے سے ایک کی تقلید نہیں رہتی تو کیا یہ جائز ہے۔

فرمایا کسی ایک کی تقلید چھوڑنا اگر عمل بالاحوط کے لیے ہو تو حرج نہیں مجبوری آن پڑے تو ایک روایت کو اختیار کر لینا بھی ممکن ہے باقی توشیع امر کے لئے اورنفس کو گنجائش دینے کے لئے روایتیں تلاش کرنا تو سوائے اسکے کیا ہے کہ اتباع ہوی ہے۔فرمایا اور یہ اجتہاد تو ختم بھی نہیں ہوا کہ دوروایتوں میں ایک کی ترجیح دلیل سے کر لی جائے۔جو اجتہاد ختم ہوگیا وہ،وہ تھا جس سے اصول وضع کیے جاتے تھے۔مفتی صاحب نے عرض کیا بعضے اصول بھی ایسے ہیں جو ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں۔متاخرین نے ان کو وضع کیا ہے۔فرمایا ہاں یہ ضرور ہے بعض اصول ایسے ضرور ہیں۔مگر اس سے اجتہاد مطلق کا ثبوت متاخرین کے لئے نہیں ہوتا وہ **النادر کالمعدوم** کے حکم میں ہے۔اور یہ مرتبہ انہیں کا تھا جو کر گئے ہم لوگ یہ بھی نہیں کر سکتے ہمارا فہم ان کے برابر نہیں۔ان کو حق تعالی نے ایک فہم ایسا عطا فرمایا تھا جس سے وہ شارع علیہ السلام کی غرض کو سمجھ جاتے تھے۔ہم کو اپنی فہم پر اعتماد کیسے ہو۔آجکل کے استنباط دیکھے جائیں تو صراحۃ

معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری فہموں میں کسقدر کجی ہے۔ اہل حدیث (غیر مقلدین) کے استنباط بعض مسائل میں دیکھئے کس قدر لغو ہیں مثلاً ایک صاحب نے حدیث حتی یجد ریحا او یسمع صوتا سے استدلال کیا کہ اگر ریح خارج ہو لیکن بدبو آواز نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ علی ہذا ایسے ایسے بے ہودہ مسائل ہیں کہ سن کر ہنسی آتی ہے۔

ڈھیلے سے استنجاء بعد البول کا ثبوت

پیشاب کے بعد ڈھیلا لینے کے تو بہت ہی خلاف ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے عرض کیا اس پر تو دلیل موجود ہے وہ یہ کہ قرن اولی میں یہ عادت ثابت ہے کہ بسا اوقات پاخانوں کے بعد ڈھیلوں سے استنجے پر اکتفاء کرتے تھے اور فوراً پانی سے طہارت نہ کرتے تھے۔ تو موٹی سی بات ہے پیشاب کو کسی چیز سے خشک ضرور کرتے ہوں گے یا ٹپکنا چھوڑ دیتے تھے خشک کرنے کے لئے اور کس چیز کو استعمال کرتے تھے سوائے ڈھیلے کے۔ فرمایا حضرت والا نے ہاں یہ کھلی ہوئی دلیل ہے۔ فرمایا تقلید شخصی اور وحدت مطلب دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اول لفظ احکام ظاہرہ میں مستعمل ہے اور دوسرا سلوک میں بعد ظہر حضرت والا کے پاس احقر اور مفتی صاحب اور محمد اختر صاحب اور مولوی عبد الغنی صاحب نے عرض کیا حضرت کے یہاں حدیث کا دورہ ہو تو خوب ہو فرمایا مشکل ہے اب قابل مطالعہ کاموں کی ہمت نہیں اور بلا مطالعہ پڑھانے کی کبھی عادت نہیں ہوئی۔ اور نہ دل گوارا کرتا ہے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ عادت تدریس کی چھوٹی ہوئی ہے بلا مطالعہ کیسے کام چلے گا۔ دوسرے جن باتوں کی طرف اب خیال جاتا ہے پہلے کبھی نہیں گیا گویا اگر اب درس ہوگا تو ایک نئے طرز سے ہوگا اور حدیث میں تصوف کی تعلیم ہوگی۔ اور یہ مضامین کتابوں میں ملیں گے نہیں۔ لہٰذا بہت دماغ خرچ ہوگا اور اب اتنا تحمل نہیں۔ عرض کیا اسی وجہ سے تو لوگ مشتاق ہیں کہ تصوف کے طریق سے حدیث کی تعلیم کہیں نہیں میسر ہوتی۔ فرمایا یہی وجہ اشتیاق کی ہے اور یہی وجہ دشواری کی۔

شوق لقاء اللہ

اس وقت تو سب اپنے ہی ہیں کوئی اجنبی نہیں ہے اس واسطے ظاہر کرتا ہوں کہ اب کسی ایسے کام کو جی نہیں چاہتا جس میں کچھ دن بھی زندہ رہنے کی ضرورت ہو اب تو یہ دل چاہتا ہے کہ ایسے کام میں

رہوں جس میں جس وقت بھی موت آ جائے تامل نہ ہو۔ایسا کام ذکراللہ ہےاور سب کام پڑھنا پڑھانا۔ مطالعہ وعظ تصنیف وغیرہ سب کچھ برے بھلے ہو گئے لوگوں کو پہنچا دیا۔اب بحمداللہ اور کام تو سب ہو رہے ہیں البتہ مجھ سے ذکراللہ کی تکمیل نہیں ہوئی یہ بھی خدا کرے ہو جائے۔دوسرے کاموں میں تو نہایت بھی ہو سکتی ہے۔مگر یہ علم العین ہے گو اور اشغال اس سے بہتر بھی ہوں مگر یہ بھی تو ادا ہونا چاہئے۔اب تو کوئی لکھنے پڑھنے کی بات کرتا ہے تو اوپری سی معلوم ہوتی ہے۔خیال تھا کہ اس سفر میں تفریح ہوگی اور دل بستگی ہوگی۔مطلق خط نہیں آیا۔سب سامان دل بستگی کے موجود ہیں۔رفقاء میں فراغ ہے کسی کی پابندی نہیں ہر چیز خواہش کے موافق مہیا ہے۔مگر دل کسی چیز میں نہیں لگتا۔

(محمد مصطفیٰ کہتا ہے کہ یہ تقریر حضرت والا کرتے جاتے تھے۔اور چہرہ مبارک پر تڑپ کے آثار نمایاں تھے۔یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کہیں کو اٹھ کر چل دیں گے۔خدام کے دل پر جو گذر گئی۔ایک سکوت کا عالم تھا اور سب کی آنکھ سے آنسو جاری تھے حضرت پر شوق لقاءاللہ کی حالت بہت دیر تک ایسی رہی کہ بات کے لہجہ سے نمایاں تھی۔اور کفی بذالك فضلا ففی الحدیث عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ فمن یرد اللہ ان یهدیه یشرح صدره للاسلام فقال رسول اللہ ﷺ ان النورا ذادخل الصدر انفسح فقیل یا رسول اللہ ﷺ هل لتلك من علم یعرف قال نعم التجافی من دار الغرور و الانابة الی دار الخلود و الاستعداد للموت قبل نزوله رواه فی المشکوۃ ۴۳۶ عن البیهقی۔ازجامع)

فرمایا حدیث کے جاننے والے تو بہت ہیں اگر پڑھنے پڑھانے کا اتفاق ہو۔تو دوفنوں کو جی چاہتا ہے۔ تصوف کو اور تفسیر کو کیونکہ ان کے جاننے والے نہیں ہیں۔تصوف کو تو لوگ بالکل ہی بھول گئے اور تفسیر بھی قریب قریب اسی کے ہے۔مدرسوں میں ایک جلالین پڑھائی جاتی ہے سو وہ کیا کافی ہو سکتی ہے۔

۵ مابین ظہر وعصر بڑھل گنج سے تین چار آدمی آئے (یہ ایک قصبہ جوڈیرہ سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔) اور قصبہ میں لے جانے کے لئے اصرار کیا فرمایا گنجائش دیکھ لیجئے کل کو کوچ ہونے والا ہے میں بھائی سے ملنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔ان کی ہمراہی نہیں چھوڑ سکتا۔چلنے سے مجھے انکار نہیں کیونکہ قریب جگہ ہے ہاں وقت کم ہے۔آدھے گھنٹہ کے لیے چل سکتا ہوں مگر یہ خیال رہے کہ طبیعت اچھی نہیں ہے۔وعظ نہیں کہہ سکوں گا۔انہوں نے کہا کہ زیادہ تر اشتیاق تو وعظ ہی کی وجہ سے ہے وعظ کہلائے

بغیر لوگ نہ مانیں گے فرمایا تو مجبوری ہے اس پر وہ لوگ چلے گئے فرمایا بس ان لوگوں کا اشتیاق وعظ کی وجہ سے تھا۔ وعظ نہ ہونے کی خبر سنتے ہی سب اشتیاق جاتا رہا یہ کیا اشتیاق ہے بلا وعظ کے صرف ملاقات کا شوق ہو تو قابل شمار ہے۔

بعد نماز عصر تقریباً قریب ڈیڑھ میل کے پیادہ گئے چند آدمی بڑہل گنج کے وہیں بیابان میں آ کر ملے اور نماز مغرب سب نے بیابان میں پڑھی اور ان لوگوں نے بڑہل گنج چلنے کے لئے اصرار کیا فرمایا صبح کو میری عادت ہوا خوری کی ہے۔ کل صبح کو بڑھل گنج کی طرف چلے چلیں گے وہاں لوگوں سے کہہ دینا تاکہ اب کوئی وہاں سے تکلیف نہ کرے۔

اشراق اور چاشت الگ الگ ہیں

مفتی صاحب نے پوچھا اشراق اور چاشت الگ نمازیں ہیں۔ فرمایا ہاں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت (ﷺ) ایک نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے۔ جب کہ آفتاب مشرق میں وہاں ہوتا تھا۔ جہاں ظہر کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ اور ایک اس وقت پڑھا کرتے تھے۔ جب کہ مشرق کی طرف وہاں ہوتا تھا جہاں عصر کے وقت مغرب میں ہوتا ہے اس سے دونوں نمازوں کی تعیین اور دونوں کا وقت مستحب نکلتا ہے مستحب کی قید اسواسطے ہے کہ مطلق وقت علماء کے نزدیک دونوں کا ایک ہے اسی واسطے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اشراق میں چھ رکعت پڑھا کرے تاکہ اگر چاشت نہ ملے تو یہی کافی ہو جائے۔ احقر نے پوچھا دو رکعت بھی چاشت کے لیے کافی ہیں فرمایا ان جملہ نوافل میں یہی ہے اشراق میں بھی چاشت میں بھی تہجد میں بھی۔ اور زیادہ سے زیادہ چاشت کی آٹھ رکعت ہیں۔ فتح مکہ میں حضور ﷺ نے آٹھ رکعت پڑھیں۔ ام ہانی اسکی راوی ہیں۔ مولوی عبد الغنی صاحب نے عرض کیا چاشت میں بارہ رکعت بھی ثابت ہیں فرمایا یہ اس وقت پر محمول ہے جب کہ تہجد نہ ملا گویا قضا تہجد ہے۔

۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ یوم دوشنبہ

تقریباً ۲۰ آدمی بڑہل گنج سے بعد نماز مغرب حاضر ہوئے جس میں بچے بھی تھے اور وہ لنگڑا آدمی بھی مع اپنے چھوٹے بھائی کے تھا۔ یہ سب غریب لوگ تھے اکثر کے بدن پر روئی کا کپڑا بھی نہ تھا۔ فرمایا سردی کے وقت بڑی تکلیف کی اور بچوں کو بھی دق کیا اور بہت چھوٹے بچوں کو دیکھ کر فرمایا آہا بچے بھی ہیں۔ میں نے ابھی کہلا بھیجا تھا کہ کوئی صاحب تکلیف نہ کریں۔ ہم خود صبح کو وہاں آئیں گے۔ لوگوں نے

کہا ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی شاید وہ لوگ جن سے یہ فرمایا گیا تھا ابھی بڑھل گنج نہیں پہنچے اور حرج بھی کیا ہے آپ کی زیارت کے سب لوگ مشتاق ہیں۔ فرمایا غریبوں میں دین رہ گیا ہے۔ آپ لوگوں کی محبت ہے کہ ایسے وقت کھینچ لائی نہ سردی کا خیال ہے نہ رات کا خیال ہے۔ ذرا ذرا سے بچے بھی ساتھ ہیں امراء تو اس وقت گھر سے بھی نہ نکلیں۔ میری طبیعت غرباء سے بہت ہی محظوظ ہوتی ہے۔ عشاء کو نماز میں سورہ و التین اور الم ترکیف پڑھی بڑہل گنج والے بھی موجود تھے۔ اس وقت جماعت میں ڈیرہ کے اندر تین صفیں تھیں۔

ویران قصبہ میں جمعہ ہونا

سوال: اگر ایک قصبہ پہلے بہت بڑا تھا اور اجڑ کر چھوٹا رہ گیا تو وہاں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا اگر اجڑ بھی جائے تو اگر دو علامتوں میں سے ایک بھی باقی رہے تو استحباباً قصبہ ہی کا حکم رہے گا وہ دو علامتیں یہ ہیں۔ بازار جس میں اکثر ضروریات مل جائیں دوسری کثرت آبادی۔

دیہات میں جمعہ کیوں نہیں ہو سکتا

سوال: دیہات میں اگر جمعہ پڑھ لیا جائے تو حرج کیا ہے۔ فرمایا جمعہ کے لئے ہر ایک کے نزدیک کچھ نہ کچھ شرائط ضروری ہیں کسی کے نزدیک چالیس کا عدد ہونا کسی کے نزدیک مصر ہونا وغیرہ وغیرہ تو اجماع مرکب ہوا اس بات پر کہ جمعہ مطلقاً بلا شرائط جائز نہیں بعض لوگوں نے دیہات میں جمعہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے آیت اذا نودی للصلوۃ ہے اس طرح کہ اس آیت میں کہیں قید نہیں کسی بات کی جہاں ندا ہو جائے نماز جمعہ فرض ہو جائے گی۔ اور صحیح ہوگی۔

اس سے تو لازم آتا ہے کہ ایک شخص پر بھی اور صحرا میں بھی جمعہ ہو سکے حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بلا شرائط جمعہ نہیں ہوتا۔ ہاں شرائط میں اختلاف ہے کسی کے نزدیک کچھ ہیں کسی کے نزدیک کچھ ہیں۔ تعجب ہے جمعہ دیہات میں پڑھنے والوں سے کہ صرف جمعہ جائز ہونے کے لئے تو شافعی مذہب لے لیا۔ اور دیگر شرائط شوافع کی چھوڑ دیں۔ قراءۃ فاتحہ خلف الامام میں بھی تو چاہئے اور جو جو احکام نماز کے ہیں وہ سب ان کے مذہب کے موافق اختیار کرنے چاہیں نہ کہ ایک شرط کے لئے شافعی کا ایک قول لے لیا اور دوسری کے لئے دوسرے کسی کا یہ تو ایسا ہوا کہ جیسے کوئی مس مراۃ بھی کرے اور فصد بھی کھلوائے اور مس ذکر بھی کرے پھر وضو نہ کرے اور نماز پڑھ لے تو جس امام سے پوچھے گا وہ اس کی نماز

کو باطل کہے گا تو باجماع مرکب اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اسکو تلفیق کہتے ہیں اگر کسی عمل میں بہ ضرورت دوسرے مذہب پر عمل کیا جائے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہئے اب اگر جمعہ دیہات میں پڑھا جاتا ہے تو مذہب حنفی پر اسواسطے جائز نہیں کہ مصر نہیں۔ اور شوافع کے مذہب پر اس واسطے صحیح نہیں کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام نہ ہوئی تو نہ حنفی مذہب پر نماز ہوئی نہ شافعی مذہب پر نہ معلوم کیا سمجھ کر پڑھتے ہیں۔

عیب جوئی کا الزامی جواب

غیبت اور عیب جوئی کا ذکر ہوا تو منشی اکبر علی صاحب نے فرمایا۔ ایک شخص نے میرے سامنے ایک عورت کے متعلق کوئی شبہ ظاہر کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے اسکو دیکھا نہیں جس سے اس عیب کا علم یقینی ہوتا اب اگر آپ اسکو روایت کر رہے ہیں تو ایک مشکوک بات کو روایت کرتے ہیں۔ میں آپ کو ایسی بات بتاؤں جو یقینی ہو بجائے اسکے اس کی روایت اچھی ہوگی وہ یہ ہے کہ آپ نے بھی کچھ نہ کچھ افعال بد ضرور کئے ہوں گے ان کا علم آپ کو یقینی ہے مہربانی کر کے ان میں سے کچھ اپنے عیوب بیان کیجئے۔

منشی اکبر علی صاحب کے اس ملفوظ کو حضرت والا نے بہت پسند کیا اسواسطے یہاں درج کیا گیا۔ یہ حدیث کے اس لفظ کے موافق بھی ہے **یحجز**ک من الناس ما تعلم من نفسك رواہ فی المشکوۃ عن شعب الایمان للبیہقی۔

منشی اکبر علی صاحب نے پوچھا کہ چاء تو آپ کو موافق نہیں کوئی اور ناشتہ بتایئے جو موافق مزاج ہو۔ فرمایا چاء سے تو یہ عذر ہے کہ گرمی کرتی ہے اور کوئی نقصان تو نہیں کرتی۔ لیکن صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد پھر دوپہر کا کھانا نہیں کھایا جاتا۔ ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ اگر صبح کو کچھ کھانا ہو تو ایک چیز جو مل جائے پیٹ بھر کر کھالیتا ہوں بس یہی کھانا ہے۔ دوپہر کو پھر کچھ نہیں کھاتا۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی خفیف چیز صبح کو کھاؤں تو حرج نہیں مثلاً ماءاللحم یا نیم برشت انڈا۔ منشی اکبر علی صاحب نے ملازم کو حکم دیا انڈے بھی صبح کو ناشتہ میں ہوا کریں۔

چنانچہ چار انڈے لائے جاتے تھے۔ لیکن حضرت نے اگلے دن فرمایا کہ دو انڈے کافی ہیں پھر جب تک منشی صاحب کے مہمان رہے دو انڈے آتے رہے۔

فجر کی نماز میں سورۂ مزمل اور سورۂ تکویر پڑھی۔ صبح کی نماز کے بعد چاء اور انڈے پراٹھے اور کچھ مٹھائی لائی گئی حضرت والا نے تھوڑی مٹھائی اور قدرے پراٹھا نوش فرمایا۔ اور خدام نے چاء

بھی پی۔ پھر حسب وعدہ بڑھل گنج چلنے کی تیاری ہوئی لوگوں نے پوچھا بڑہل گنج کتنی دور ہے کسی نے کہا بہت قریب ہے اور کسی نے کہا ذرا دور ہے۔ حضرت والا کی تجویز پیادہ پا جانے کی تھی لیکن منشی اکبر علی صاحب نے اصرار کر کے ہاتھی کھچوا دیا۔ اور حضرت والا مع چار خدام یعنی مفتی صاحب اور منشی محمد اختر صاحب اور احقر اور مولوی عبد الغنی صاحب روانہ ہوئے مفتی صاحب۔ اس ہاتھی پر گھنٹہ بھی تھا۔ حضرت والا اپنی قرآن کی منزل آج فجر کی نماز سے پہلے پوری کر چکے تھے بہت تھوڑی سی باقی تھی۔ وہ ہاتھی پر ذرا دیر میں ختم ہوگئی۔ لہذا بات چیت شروع ہوئی گھنٹہ کی آواز پر تقریر شروع ہوئی اور اس کو اتنا امتداد ہوا کہ بڑھل گنج پہنچ کر بھی ختم نہیں ہوئی مسجد میں جا کر بیٹھے وہاں بھی سلسلہ اس کا جاری رہا۔ درمیان میں اور باتیں ہو جاتیں پھر وہی تقریر شروع ہوتی وہ تقریر مسلسل لکھی گی۔ خلاصہ اس کا جرس کے بارے میں علماء کا اختلاف اور سماع کی تحقیق اور تقلید ائمہ اعلام کی ضرورت اور اجتہاد کی حقیقت کا بیان تھا۔ چونکہ وہ تقریر بہت ہی معنی خیز تھی جسکی نسبت حضرت نے خود ہی دوران تقریر میں فرمایا کہ یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ ہر وقت ذہن میں نہیں آتیں۔ اسواسطے اسکا نام بھی مستقل ادب الاعلام تجویز فرما دیا۔ بحمد اللہ وہ تقریر صاف بھی ہو چکی ہے۔

چونکہ ممتد تقریر اس سفر کی سب سے اول یہی تھی اور اس کے نام میں ادب کا لفظ آیا اسواسطے جتنی ممتد تقریریں اس سفر میں ہوئی سب کے ناموں میں ادب کا لفظ شامل رکھا گیا مثلاً ادب الطریق اور ادب الاعتدال اور ادب الترک وغیرہ جن کا بیان اپنے اپنے موقعہ پر ان شاء اللہ تعالیٰ آتا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ اس تقریر کے نام میں لفظ بڑھل گنج کی رعایت بھی کچھ ہو جاتی تو اچھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سوچ کر فرمایا بڑھل گنج کی رعایت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ بڑھل کٹھل سے تو کچھ غرض نہیں۔ بڑھل کے معنی تمو کے میں اور گنج کہتے ہیں خزانہ کو تو اس تقریر کا نام تو ادب الاعلام رہے اور لقب کنز نامی ہو جائے بڑھل گنج پہنچنے کے بعد ہاتھی کو واپس کر دیا تھا۔ واپسی ۹ بجے پیادہ پا ہوئی۔ اہل بڑھل گنج نے عرض کیا آپ کی خاطر کیا کریں چائے مٹھائی وغیرہ لائیں فرمایا کچھ نہیں کسی چیز کی عادت نہیں۔ بس ہماری خاطر یہ ہے کہ ہمارے پاس بیٹھو۔

کافر کے لئے دعاء خیر کیسی ہے

سوال: کسی کافر کیلئے دعا خیر کرنا کیسا ہے۔ فرمایا دعاء ہدایت کرنا درست ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ

السلام اپنے آباء سے فرماتے ہیں سوف استغفر لك ربی انہ کان بی حفیا۔ کہا گیا اور اس کا کیا مطلب ہے فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرء منہ فرمایا دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ وعدہ استغفار بمعنی دعائے توفیق للایمان جو مستلزم مغفرت ہے پہلے تھا اور تبری اس وقت ہوئی جب کہ معلوم ہو گیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے سوف استغفر لك ربی۔ کا سیاق وسباق صاف بتاتا ہے کہ یہ قصہ ابتداء کا ہے۔

سوال: قیامت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار باپ کے لئے ثابت ہے حتی کہ جب ان کو بجو نجاست آلودہ کی صورت میں دیکھیں گے تب ان سے گھنائیں گے۔

جواب: صریح استغفار نہیں تعریض ہے نظر ا الی قدرۃ الحق پھر وہ مشکل دیکھ کر تعریض بھی نہ رہے گی۔

مثنوی کے اس شعر کی شرح تنسیخ نہیں ہے

کسی نے پوچھا مثنوی کے اس کے کیا معنی ہیں۔ ''جملہ عالم آکل وماکول واں''۔ فرمایا اس کی شرح میں کلید مثنوی میں کر چکا ہوں۔ اس میں دیکھ لی جائے اور اس سے تناسخ ثابت نہیں ہوتا (راقم کہتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ اہل تناسخ تناسخ کے یہ معنی لیتے ہیں کہ روح کو بار، بار نئے جسموں میں بطور جزا سزا کے اعادہ کرایا جاتا ہے۔ یہ بات فی نفسہ ممکن تھی مگر بعض نے اسکو رد کیا ہے اس واسطے باطل ہے۔ رہا آکل وماکول ہونا اسطرح پر کہ ایک جسم دوسرے جسم کا جزو بنتا ہے اور طرح طرح کے تقلبات ہوتے ہیں اس میں کوئی شرعی اشکال نہیں۔

تصنع سے احتراز اور سادگی

فرمایا حضرت حاجی صاحب کا عجیب مذاق تھا کوئی بات پوچھی جاتی تو بعض وقت تو جواب دیتے اور بعض وقت فرماتے کہ اس وقت طبیعت حاضر نہیں اور بعض وقت فرماتے اچھا منتظر رہو کسی وقت بیان ہو جائے۔ حضرت میں تصنع وتکلف ذرا نہ تھا۔ اہل ظاہر میں یہ بات نہیں ہوتی۔ ان کو یہ خیال مارتا ہے کہ سوال کا جواب فورا نہ دیا جائے گا تو لوگ کہیں گے ان سے یہ سوال حل نہ ہوا۔ لوگوں کا خوف ہے اور وہاں لوگوں کا گذر بھی نہیں۔ حضرت والا نے یہ عادت حضرت حاجی صاحب کی اپنے اس لفظ کی تائید میں بیان فرمائی کہ میں اس شعر مذکور کی شرح کر چکا ہوں اس وقت اس کا اعادہ منظور نہ تھا۔ یا ذہن میں

حاضر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت زیادہ تر ذہن کی توجہ ادب الاعلام کی طرف تھی۔

۸ بجے تقریر ختم ہوئی اس کے بعد لوگوں سے بات چیت کرتے رہے دیکھا کہ صاحبزادہ محمد علی آ گئے۔ (حضرت کے چھوٹے بھتیجے) پوچھا پیدل آئے ہو یا سواری کہا شہزادہ (یہ ایک عربی گھوڑا تھا) گھوڑے پر فرمایا سائیس ساتھ ہے کہا نہیں۔ فرمایا پھر گھوڑا کس کے پاس ہے۔ کہا ایک لڑکے کو پکڑا دیا ہے۔ فرمایا آپ کی سب پر حکومت ہے کہ جس سے چاہا کام لے لیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس حرکت کو ناپسند کیا۔ کیونکہ یہ جابرانہ تحکم ہے۔

۹ بجے اہل بڑھل گنج سے فرمایا اب اجازت ہے لوگوں نے بادل ناخواستہ اجازت دی اور حضرت مع خدام پیادہ پا واپس ہوئے۔

وہ لنگڑا آدمی جو بار بار آتا تھا بڑھل گنج سے پھر آیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کچھ ہم کو بھی بتا دیجئے۔ فرمایا کیا چاہتے ہو اپنا مطلب صاف کہو جو میری سمجھ میں آئے گا عرض کروں گا۔ کہا میں بڑا خبیث آدمی ہوں میرے واسطے دعا کر دیجئے۔ فرمایا دعا کرتا ہوں حق تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمادے۔ عرض کیا کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس سے میرا دل درست ہو جائے اور دین کی طرف رجوع ہو۔ فرمایا استغفار کی کثرت رکھو کھڑے بیٹھے چلتے پھرتے استغفر اللہ پڑھا کرو اس وقت یہی مناسب ہے آپ کی حالت کے۔ مجھ سے خط و کتابت رکھنا چند روز کے بعد اور بتاؤں گا۔

اول استغفار پھر درود شریف چاہئے

استغفار سے قلب کی صفائی ہوگی۔ پھر میں ایسی چیز بتاؤں گا جس سے قلب میں رونق پیدا ہو۔ دیکھو کپڑے کو پہلے دھوتے ہیں اور صاف کرتے ہیں۔ اس کے بعد عطر لگاتے ہیں۔ فرمایا یہ مقولہ حضرت ذوالنون مصری کا ہے۔ کسی نے ان سے عرض کیا تھا کہ استغفار افضل ہے یا درود شریف فرمایا میلے کپڑے کیلئے صابون زیادہ مناسب اور اجلے کپڑے کے لیے عطر۔

بعد ظہر کچھ سیب، امرود، سنترے پپیہ یعنی ارنڈ خربزہ لائے گئے حضرت والا نے بہت تھوڑے کھائے اور فرمایا شام کی بھوک جاتی رہے گی۔ بعد عصر پیادہ پا ہوا خوری کے لئے شمال کی جانب گئے جس طرف کل بھی گئے تھے۔ ایک بڑی جھیل کے قریب یہ راستہ تھا۔ اس جھیل میں مرغابیاں تھیں۔ اور سرخابوں کی تو بہت ہی کثرت تھی ان کی آواز سن کر شکار کا تذکرہ ہوتا رہا۔

شکار میں نیت خیر

واپسی میں رمایا شکار کے گوشت میں ایک تو مصلحت ہے کہ حلال خاص ہے اگر شکاری یہی نیت کرلیا کریں تو تفریح کے ساتھ اجر بھی ہو۔مگر شکار صرف لہو ولعب رہ گیا ہے۔

مقتدا بننے کی آفت

مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی کا ذکر ہوا تو فرمایا مولانا تقلید کے متعلق علمی تحقیق میں تو ذرا ڈھیلے تھے۔یعنی تقلید کو واجب کہنے میں متشدد نہ تھے مگر عملاً کبھی حنفیت کو نہیں چھوڑا۔شہرت زیادہ ہونے اور مرجع بن جانے میں یہ بڑی آفت ہے کہ آدمی کو دعوی پیدا ہوجاتا عجب نہ تھا کہ مولانا کو اجتہاد کا سا دعوی پیدا ہوجاتا اور تقلید سے نکل جاتے مگر ان پر فضل یہ ہوگیا کہ مولوی صدیق حسن صاحب سے گفتگو ہوگئی۔اس غیر مقلدی کے مفاسد کھل گئے ورنہ چل نکلے تھے میں نے مولانا کو دیکھا ہے متقی پرہیز گار تھے اور نظر بہت تھی گو بہت عمیق نہ تھی اور بقدر ضرورت عمیق بھی تھی بڑی خوبی یہ تھی کہ مولانا کے سب کاموں میں للہیت تھی۔خدا ان کی مغفرت فرمادے۔

کشف کو مدار افعال ٹھیرانا

بعض اہل لکھنؤ کا ذکر ہوا تو فرمایا وہاں بعضے بڑے بدعتی ہیں۔ایک صاحب ذرا بچے تھے مگر وہ بھی اب بدلنے لگے بلکہ بدل ہی گئے۔ان میں شان علم کے خلاف یہ فعل ہے کہ وہ کشف کے بے حد قائل ہوگئے ہیں۔وہاں آجکل احکام کشف پر مترتب ہوتے ہیں۔اور کشف بھی کس کا مریدین کا۔

مجھ سے ایک شخص نے وہاں کے واقعات بیان کئے۔میں نے کہا شیخ کو کم سے کم اتنا تو ہونا چاہئے کہ پہچان لے کون مدعی حق پر ہے۔کون باطل پر میں نے تنبیہات وصیت میں ایک فہرست ان لوگوں کی شائع کی تھی جن کو قابل مشیخت کہا جائے۔اسمیں ایک ایسے صاحب کا نام بھی تھا۔مگر اب دل کھٹا ہوگیا۔اور ایک ضمیمہ میں چاہا کہ باتصریح ان کو خارج کردوں مگر اس آیت کی طرف خیال گیا۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم

خوف فتنہ معلوم ہوا اور بعض احباب سے مشورہ بھی کیا۔انھوں نے بھی اتفاق کیا اسواسطے ابہام رکھا اور یہ لکھ دیا کہ طالبین میرے کہنے پر نہ رہیں خود بھی غور کرلیں۔پھر کسی سے بیعت ہوں۔مفتی

صاحب نے عرض کیا کیا ذکر شغل تو یہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ پھر نورانیت قلب میں کیوں نہیں پیدا ہوتی۔ اور حق کی پہچان صحیح کیوں حاصل نہیں ہوتی۔

ذکر شغل بلاتربیت کافی نہیں

فرمایا ذکر سے استعداد قبول حق ہو جاتی ہے اور فعلیت کی شرط ہے تربیت۔ بلا اس کے بصیرت نہیں ہوتی جیسے وہی ہے کہ استعداد پیدا ہوتی ہے ضامن دینے سے اور منعقد دودھ ہی ہے نرا ضامن کیا کام دے سکتا ہے۔ جب کہ دودھ ہی خراب ہو جیسے قوت تولید منی مراۃ میں ہے اور قوت مصورہ منی ء رجل میں ہے۔ منی رجل کافی نہیں تولید کے لئے یہ گفتگو کرتے ہوئے ڈیرہ پر پہنچ گئے۔

۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ یوم سہ شنبہ

کافر کا کپڑا بلاوجہ نجس نہیں

اسوقت ہوا اچھی معلوم ہوتی تھی۔ منشی اکبر علی صاحب نے ملازموں کو آواز دی کہ بچھانے کو کچھ لاؤ۔ دو ہندو اردلی اپنے اپنے کمبل لے آئے کہ ان کو بچھالیں یہ ہندو کے استعمال میں ہیں ریاست سے ان کو ملے ہیں۔ فرمایا ہاں ان کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ لہذا نماز ان پر ہوسکتی ہے۔ چار پانچ آدمی بڑھل گنج کے بھی تھے۔

بعد نماز ڈیرہ میں جا بیٹھے مولوی عبدالغنی صاحب نے عرض کیا ہماری بستی میں مولوی شبلی وغیرہ نیا چرہ کا اثر بہت ہو گیا ہے۔ دعا کیجئے اور اس کے انسداد کیلئے کسی تدبیر کو ضرور جی چاہتا ہے گو انسداد معلوم نہیں ہوتا کیونکہ عام مذاق بگڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنے امکان بھر کچھ کرنا چاہئے۔

درس اور وعظ کے فوائد

دو باتیں خیال میں آتی ہیں یا تو درس و تدریس شروع کریں یا وعظ کہیں اور ان دونوں میں سے وعظ ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہوتا ہے اور جس بات کے لیے ضرورت دیکھی جائے وہی بیان کی جاسکتی ہے۔ لیکن وعظ گوئی بڑی محنت کا کام ہے جو میرے اکیلے کے امکان سے خارج ہے۔ ہاں چند آدمی مستعد ہوں اور جا بجا پہنچیں اور وعظ کہیں تو یہ کام اچھی طرح ہوسکتا ہے۔ فرمایا دونوں

میں سے جسکی زیادہ ضرورت ہو اس کو اختیار کیجئے۔عرض کیا کہ ضرورت تو دونوں کی ہی ہے۔فرمایاہاں یہ صحیح ہے کہ دونوں کی ضرورت ہے نسب یہ ہے کہ مستقل درس کا شغل رہے اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔یہ واقعہ ہے آجکل کے واعظوں کا طرز عمل یہی ہے ایسے وعظ کا اثر بھی نہیں ہوتا۔اور جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ گشتی واعظ اور محصل چندہ نہیں ہیں۔اور سوائے دین کے ان کی کوئی غرض نہیں کیونکہ مدرسے سے تعلق رکھتے ہیں تو لوگوں کو نفرت نہ ہوگی بلکہ انس ہوگا اور ایسے وعظ کا اثر ہوگا اور یہ سہل بھی ہے۔کیونکہ روزمرہ پھرنا نہ پڑے گا اور دونوں کام ہوتے رہیں گے۔

ریاست کے اموال کا حکم

سوال: مفتی صاحب نے پوچھا ریاستوں میں بعض کے وظیفے اور وثیقے مقرر ہیں۔ان کا لینا کیسا ہے۔فرمایا میری طبیعت تو ریاستوں کی عطا کی طرف سے کبھی صاف نہیں ہوئی۔اس واسطے کہ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ والی مالک ہے یہ ملک۔اگر مالک کہا جائے تو اس میں میراث ہونا چاہئے۔جب والی مرجائے تو چاہئے کہ حسب قاعدہ فرائض ریاست تقسیم کردی جائے اور اس میں ملکیت تمام ورثہ کی ثابت ہو جائے اور ایسا ہوتا نہیں۔بلکہ ایک شخص ولیعہد ہوتا ہے۔اور وہی مالک بن جاتا ہے تو ہر والی غاصب ہے اور دوسروں کے املاک بین بلا اذن تصرف کرتا ہے تو جملہ ملازمین اور وثیقہ دار حرام کھاتے ہیں۔مگر یہ شق بعید ہے۔

اور اگر ملک کہا جائے تو اس کے تصرفات بابت آمدنی کے موافق شرع کے ہونا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں لہٰذا اس آمدنی کو حلال کہنا مشکل ہے البتہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ریاستوں میں دیہات مستاجری ٹھیکہ پر دیئے جاتے ہیں یہ ظاہرا علامت ہے والی کے مالک ہونے کی گو ملک ہونے کی صورت میں بھی ایسا ہوسکتا ہے۔اور فرمایا میں ہمیشہ سے مسلمان ریاست کی تنخواہ سے انگریزی ملازمت کی تنخواہ اچھی سمجھتا ہوں۔کیونکہ ریاست کی تنخواہ میں یہ خرابی ہے کہ اگر والی کو مالک کہا جائے تو میراث نہ دینے کی وجہ سے ہزاروں کے حقوق اس میں شامل ہیں جو غصب کئے گئے ہیں اور سب مال حرام ہے اور اگر ملک کہا جاتا ہے تب بھی محصول بے قاعدہ لئے گئے ہیں اور والی مسلم مکلّف ہے احکام شرعیہ کا جو محاصل خلاف شرع لئے جاتے ہیں وہ مال حرام ہوتا ہے تو حرام وحلال مخلوط ہوتا ہے غرض ریاست کے اموال یا تو کل حرام ہیں

یا مخلوط۔ غیر مسلم استیلاء سے مالک ہو جاتے ہیں۔ ان کا مال ملازم کے لئے حلال ہے۔

قصہ خلعت بھاولپور سندھ

حضرت نے بھاولپور جانے اور خلعت اور انعام واپس کرنے کا قصہ بیان فرمایا۔ (یہ قصہ مجالس الحکمت میں احقر لکھ چکا ہے۔) اس وقت اتنا اور فرمایا کہ جب خلعت اور عطیہ سب واپس ہو گیا۔ جس میں مولوی رحیم بخش صاحب کو بہت تکلیف گوارا کرنی پڑی تو اخیر میں مولوی صاحب نے اور نیز دیگر ارکان راست نے جو اس وقت جلسہ میں موجود تھے کہا بے تکلفی سے عرض ہے کہ ریاست کے عطیات تو آپ نے واپس کر دیئے۔ اگر ہم کچھ نذر کریں گے تو تب تو آپ لے لیں گے۔ یہ انہوں نے اسکا جبر کرنے کی ایک عاقلانہ تدبیر نکالی ہے۔ میں نے کہا ہاں میں کچھ اس کو اپنی شان تھوڑا ہی سمجھتا ہوں کہ لوگ دیں اور میں واپس کروں۔ میرا تو گذر اسی پر ہے لیکن آنکھ میچ کر تو نہیں لیا جاتا۔ حلال وحرام تو دیکھ لیا جانا چاہئے۔

یہ عطیہ سر آنکھوں پر لیکن میں بے تکلفی سے عرض کرتا ہوں کہ میں حلف لوں گا کہ اس ہدیہ میں اس کا کچھ اثر نہ ہوگا کہ میں نے یہ رقم ریاست کی واپس کر دی ہے نہ نفس ہدیہ پر نہ اس کی تعداد پر۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں حلفاً ہم اتنا ہی نذر کریں گے جتنا پہلے سے ارادہ تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے کچھ دیا اور وہ اسکے نصف کے برابر بھی نہ تھا جو ریاست سے دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے اراکین نے کمیٹی کر کے یہ تدبیر نکالی تھی۔ اس مجمع میں ایک ہندو ممبر بھی تھے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کچھ نذر میں کروں مولانا لے بھی لیں گے۔ میں نے کہا ہاں کیا حرج ہے یہ اسواسطے کہ یہ نہ کہا جائے کہ تعصب کی وجہ سے نہیں لیا۔

ریاست خیر پور میں گئے وہاں عطیہ اور خلعت ملا میں نے اس کو خفیہ ایک وہاں کے مدرسہ میں دے دیا تا کہ میرے واپس کرنے سے ایک صاحب مہتمم اور ایک مدرسہ کا نقصان نہ ہو۔ اخباروں میں بھی چھپ گیا کہ مجھے خلعت اور دعوت دی گئی۔ میں نے کہا چھپنے دو اپنا معاملہ حق تعالی سے صاف ہونا چاہئے۔ دنیا کچھ سمجھا اور کہا کرے۔ رام پور میں جلسہ مناظرہ قادیان میں جانا ہوا تو چلتے وقت میں نواب صاحب کے ایک مصاحب کو ایک رقعہ دے آیا۔ کہ زادراہ میرا دینا چاہئے جو قریب تین روپیہ کے ہے اور اس سے زیادہ لینا اس واسطے جائز نہیں کہ نواب صاحب مالک خزائن نہیں ہیں۔ خیر اس طریق سے تبلیغ بھی ہو گئی۔

اور حضرت والا نے انجمن ہدایت الاسلام دہلی کا قصہ بیان فرمایا کہ مجھ کو باپ زادراہ کے ۲۵ روپیہ دیتے تھے میں نے شاید چار پانچ روپیہ یعنی جو خرچ ہوا تھا۔ لے کر باقی واپس کر دیا۔ اور اس میں بھی یہ شرط کر لی تھی کہ انجمن سے نہ دیا جائے جس کو بلاتا ہو وہ زادراہ اپنے جیب خاص سے دے۔

منگل کے فجر کی نماز میں سورہ ''دھر'' اور ''نازعات'' پڑھی بعد نماز فوراً چاء اور انڈے کے پراٹھے اور مٹھائی لائی گئی اور حضرت والا کے لئے دو نیم برشت انڈے حسب معمول لائے گئے۔ حضرت نے انڈے نوش فرمائے اور خدام نے چاء پی قدرے پراٹھا بھی حضرت نے نوش فرمایا۔ اور ماء اللحم اور دوسری دوا حسب معمول پی کر ہوا خوری کو پیادہ پا تشریف لے چلے سرخابوں کی آواز سن کر فرمایا کئی دن سے میں ان کی آواز سن رہا ہوں۔ اس جانور کی آواز میں حزن ہے بعض جانوروں کی آواز سے سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور اسکی آواز سے طبیعت پر حزن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

نفاست و نظافت

حضرت راستہ میں بچ بچ کر چلتے تھے خدام میں سے کسی نے عرض کیا راستہ خراب ہے اوس سے اور مٹی جوتوں میں چپکی جاتی ہے۔ اور نجاستیں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ فرمایا میں چلنے میں احتیاط رکھتا ہوں حتی الامکان گوبر سے بچ کر چلتا ہوں اگر نجاست پر پیر پڑ جاتا ہے تو بڑی وحشت ہوتی ہے۔

نسبت چشتیہ نسبت طہارت و عشق ہے

تذکرہ طہارت و نجاست کی مناسبت سے مولوی عبدالغنی صاحب نے عرض کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ نسبت چشتیہ طہارت اور نسبت عشقیہ ہے اسکا کیا مطلب ہے فرمایا۔ طہارت اس معنی کر فرمایا کو قلب کو ماسوائے اللہ کے پاک کرتے ہیں اس کا ان کو بڑا اہتمام ہے اور یہی ان کے یہاں کا بڑا شغل ہے اسی واسطے ان کی حالت مسکینانہ ہوتی ہے۔ خواہ امیری ہی کیوں نہ ہوں بخلاف نقشبندیوں کے کہ ان کی حالت امیرانہ ہوتی ہے اور عشقیہ ہونا ظاہر ہے چشتیوں میں شورش بہت ہوتی ہے۔

مدعیان ہمدردی کے مشورے علماء کو

فرمایا آجکل لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مشورے بہت دیتے ہیں۔ مدعیان ہمدردی کو اسمیں بڑا شغف ہے کہیں مدرسوں میں انتظامی امور میں دخل دیتے ہیں کہیں نصاب کی ترمیم کی رائیں دیتے

ہیں۔کہیں اشاعت اسلام کے تجاویز بتاتے ہیں اور اسکو بڑی ہمدردی کہتے ہیں حالانکہ اصلیت اس کی اس سے زیادہ نہیں کہ اپنا بار دوسروں پر ٹال کر کام سے بچنا چاہتے ہیں۔ مجھے بھی بہت رائیں دی گئیں ہیں۔ میں نے کہا کہ رایوں سے کام نہیں چلتا۔طریقہ عمل بتاؤ میں ہر امر میں یہی کہا کرتا ہوں۔

کرانہ میں مجھ سے کہا گیا آپ کے وعظ میں خدا نے بڑی تاثیر دی ہے۔

ہندوؤں سے بائیکاٹ کرنے کیلئے آپ وعظ میں زور دیجئے تو بڑی کامیابی ہو میں نے کہارائے نہ دیجئے طریقہ عمل بتائیے۔اور وہ طریقہ اختیار کیجئے جو چلنے والا بھی ہو اس کی ترکیب یہ ہے کہ اول عمائد اور اہل ثروت کو جمع کیجئے۔اور مشورہ کر کے مسلمانوں کی دوکانیں کھلوائیں۔پھر ہم وعظ کہیں اور لوگوں کو مسلمانوں سے خریدنے کے فوائد اور ضرورتیں بتائیں۔اس سے یہ ہوگا۔اگر لوگوں میں تحریک پیدا ہو تو اس تحریک کو قائم تو رکھ سکیں گے ورنہ تکلیف مالا یطاق ہوگی۔اور نری شورش ہوگی جو محض بے سود ہے۔فرمایا دنیا کی صحیح اور گہری نظر بھی دینداروں کو ہی حق تعالی نے دی ہے فہم ہو تو شریعت کے اصول ایسی راہ بتاتے ہیں کہ سلامت اور کامیابی دونوں قائم رہیں۔

عوام وخواص پر تقسیم کام کی صورت

دیکھئے عوام وخواص کے تعلقات کو حق تعالی نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ و اذجاء ھم امر من الامن او الخوف اذاعوابه و لوردوه الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم جس کا مطلب یہ ہے کہ انتظامی امور کی اذاعت واشاعت عوام میں نہ چاہئے بلکہ اولی الامر اور اہل رائے پر چھوڑ دینا چاہئے اول وہ غور وخوض کریں پھر جو بات طے ہو اسپر سب عمل کریں۔ حاصل یہ کہ بات طے کی جائے۔خاص جلسہ میں پھر عوام خود ساتھ ہوں گے

قصہ رامپور بابت تیاری کلام جدید

رام پور جانا ہوا تو مدار المھام صاحب نے نہایت دلسوزی کے ساتھ رائے دی کہ زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا ہے اب ضرورت ہے کہ علم کلام جدید تیار کیا جائے یہ نہایت ضروری بات ہے۔لیکن جن کے کرنے کا کام ہے۔یعنی علماء ان کو اس طرف توجہ نہیں۔ میں نے کہا جناب صرف رائے سے کام نہیں چلتا۔کسی ایک کے سر کام رکھ دینا ٹھیک نہیں یہ کام شرکت سے ہوسکتا ہے۔علماء بھی کام کریں اور آپ لوگ

بھی علم کلام کی ضرورت اور رد شبہات کیلئے علم شبہات کی ضرورت ہے ان کے جمع کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ امراء ہمت کریں اور کافی رقم چندہ سے جمع کریں اور یہ کام ایک دن کا نہیں ہے۔ اس میں کچھ عرصہ لگے گا۔

اس واسطے چندہ ماہوار ہونا چاہئے جب تک یہ کام ختم کو پہنچے برابر ماہوار چندہ جاری رہے اور اس میں پیسوں اور آنوں کے چندہ کا کام نہیں ہے امراء پچاس پچاس سو سو روپیہ ماہوار مقرر کریں اتنا کام تو ہے آپ کا اور چندہ کے بعد اس کام کو کرنا یہ کام ہمارا ہے اول اس چندہ سے ملحدین کی کتابیں خریدی جائیں پھر ان کا ترجمہ کیا جائے ہم انگریزی زبان نہیں جانتے۔ اس ترجمہ کرنے کیلئے تعلیم یافتوں کی ایک جماعت مقرر کریں گے جو ایم۔اے اور بی۔اے کی لیاقت رکھتے ہوں ان کو حسب ان کی حیثیت کے معقول تنخواہیں دیں گے۔ جب ترجمے ہو چکیں گے تو ان کو موقوف کریں گے (یہ کام اب تک مقدمہ ہوگا۔ اصل کام کا۔ اور اصل کام اب شروع ہوگا۔) اب علماء کی ایک جماعت مقرر کی جائے گی جو ان کا رد کرے اور حالانکہ اصل یہی ہوگا مگر ایسے علماء میں بتا دوں گا۔ جو ان گریجوئیوں سے نصف تنخواہ پر اس کام کو کر دیں گے۔ اسطرح علم کلام جدید تیار ہو جائے گا پھر وہ اردو میں رہے یا اس کا ترجمہ پھر انگریزی میں کر لیا جائے گا۔ اور مترجمین کی جماعت پھر ایک معتد بہ وقت کیلئے مقرر کر لی جائے۔ پھر وہ چھپیں اسکے بعد جیسا مشورہ ہو خواہ مفت تقسیم ہوں یا فروخت کی جائیں اس وقت تک کیلئے چندہ برابر رہے گا۔ یہ کام آپ کا ہے یہ سب اہتمام ہو تب یہ کام ہو۔ نیز اس وقت یہ بھی دکھایا جا سکتا ہے کہ ہمارے علماء کام اچھا اور زیادہ کرتے ہیں یا آجکل کے مدعیان ہمدردی و تعلیم وتہذب۔ بس یہ سن کر پھر نام نہ لیا کہ ایسا کریں گے۔ بات یہی ہے کہ ان مشوروں سے غرض کام کرنا نہیں ہے۔ بلکہ کام کو دوسروں پر ٹال کر خود بوجھ سے بچ جانا ہے۔

مشورہ میں تو زبان ہلتی ہے۔ زمین و آسمان کے قلابے جس کا جی چاہے ملا لے کام کوئی کرے تب ہم جانیں۔ چندہ بلقان میں بھی رائے دینے والے تو بہت تھے طریقے سے چلنے والے کم تھے۔ علماء کو بہت ابھار دیئے۔

ہوش سے کام لینا چاہئے نہ کہ جوش سے

میں نے کہا جوش سے کام نہ لو ہوش سے کام لو حدود شرعیہ سے باہر نہ نکلو۔ شریعت نے سبحان اللہ ہر کام کا طریقہ کیسا صحیح بتایا ہے یہ لوگ اپنے جوش پر نازاں تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ جوش میں حدود قانونی سے باہر نکل کر دیکھا ہوتا کیا ہوتا لوگوں کے اموال غصب کر کر کے اور چوری کر کر کے اور ڈا کے

ڈال کے لائے ہوتے اور عدالت میں عذر کر دیا ہوتا کہ ہم نے جوش میں ایسا کیا اور جوش ایک صنعت محمود ہے۔ میں دیکھتا کہ عدالت اس وجہ سے ان کو معذور رکھتی۔ یا نہیں۔ جب حکام کے قوانین کسی حالت میں حدود کو نہیں چھوڑتے تو شریعت الٰہی حدود کو کیوں چھوڑ دے گی۔ جب انکو کوئی حد شرعی بتائی جاتی تھی تو کہتے تھے بس مولوی لوگ نہ خود کام کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ حکام سے جا کر کبھی نہ کہا کہ ہمیں کام کرنے سے روکتے ہو وہاں تو یہ کہتے ہیں کہ روکتے نہیں بلکہ کام کے لئے سلامتی اور خوش اسلوبی کا طریقہ بتاتے ہیں غضب اور ڈاکہ کی اگر اجازت دے دیں تو دینا درہم و برہم ہو جائے پھر کہاں چندہ رہے اور کہاں چندہ دینے والے۔ کیا احکام الٰہی میں مصلحتیں نہیں ہیں۔ جیسا کہ امن قائم رکھنے والا قانون الٰہی ہے ایسا کوئی قانون ہو ہی نہیں سکتا۔ غرض چندہ بالقان میں بہت لوگوں نے رائیں دیں یوں کرنا چاہئے اور یوں کرنا چاہئے میں نے کہا تری رائے سے کام نہیں چلتا۔ طریقہ وہ تجویز کرو جس میں کوئی مفسدہ نہ ہو نہ حکام سے بگاڑو نہ حدود شرعی چھوڑو۔ مشورہ دے دے کر علماء کو فتنے میں نہ ڈالو۔ بے عقلی کا جوش کس کام کا۔

جوش میں نفع سے نقصان زیادہ ہوتا ہے

مفتی صاحب نے عرض کیا ان کا خیال ہے کہ جوش ہی سے کام ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں یہ کسی درجہ میں مسلم سہی۔ مگر اثمھما اکبر من نفعھما۔ اس میں مفاسد بھی تو ہیں۔ کان پور کے واقعہ میں لوگوں نے نرے جوش ہی سے کام لیا اسواسطے اسکو اتنا طول ہوا۔ ورنہ ہرگز نہ ہوتا۔ حکام بالا کی یہاں سے میری نسبت بعضی باتوں کی تحقیقات آئی تھی اُنمیں سے ایک یہ بھی سوال تھا کہ کانپور کے فیصلہ کی نسبت میری کیا رائے ہے میں نے لکھوا دیا کہ یہ فیصلہ مذہب کے خلاف ہے مگر اس کا الزام ان لوگوں پر ہے جنھوں نے باوجود واقفیت احکام مذہبی ایسا کرایا۔

واقعہ کان پور کی نسبت صحیح رائے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے اسکا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ باادب اس فیصلہ کو منسوخ ہونے کی درخواست کریں اگر کامیابی ہو تو شکریہ کے ساتھ قبول کریں۔ اور اگر کامیابی نہ ہو تو صبر کریں۔ شورش نہ کریں۔ یہ طریقہ ہے کام کرنے کا نرے جوش کو میں پسند نہیں کرتا۔

لیڈروں کا جوش صرف دھوکا ہے

لیڈروں نے جو کچھ جوش دکھائے وہ صرف شہرت کے لئے تھے کہ ہم ایسے بڑے ہیں کہ انگریزوں سے۔ حاکم سے نہ ڈرنا کیا معنی بجز عاقبت اندیشی کے اسکوانہوں نے بہادری سمجھا ہے کہ حکام سے نہ ڈرے یہ صرف دھوکا تھا اور عجیب بات ہے کہ حاکم جیسے قدرت رکھنے والے سے تو نہیں دبتے۔ مگر اپنے نفس سے دبتے ہیں جو ان پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا۔ یعنی شراب خوری زنا، داڑھی منڈانے اور ایسے مضر افعال میں نفس کی مخالفت نہ کرسکیں اور حکام کی مخالفت کریں یہ بھی نفس ہی کی چال تھی کہ اس فعل کو بہادری کے دھوکے سے ان سے کرایا۔ اطاعت اور کار خیر ہونے سے اسے کچھ علاقہ نہیں اور ایسی باتیں جن کی بناء صرف شہرت اور تقلید پر ہوتی ہے۔ بے اثر بھی ہوتی ہیں حکام بھی ان لیڈروں کے جوش کا اثر نہیں ہوتا۔

لطیفہ: فرمایا ایک شخص نے مجھ سے کہا میں جماعت کی نماز اس واسطے نہیں پڑھتا کہ یا ابوحنیفہؒ ناراض ہوتے ہیں یا شافعی۔ یعنی اگر فاتحہ پڑھوں تو ابوحنیفہ کے خلاف اور نہ پڑھوں تو شافعی کے خلاف لہٰذا میں علیحدہ پڑھتا ہوں جس میں یہ جھگڑا ہی نہ رہے۔ میں نے کہا جماعت کی نماز میں تو آپ کو ایک کی ناراضی کا خوف ہے اور ترک نماز جماعت سے دونوں ناراض ہوتے ہیں۔ اس کا خوف تو زیادہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو جہالت کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے اسی سے ایک اچھی بات نکالی وہ یہ کہ امامت اختیار کی کہ دونوں کا اختلاف رہے ہی نہیں دونوں راضی رہیں نہ مقتدی بنے نہ اختلاف کی نوبت آئے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق رائے

غدر ۱۸۵۷ء کا ذکر ہوا۔ فرمایا اس میں غور سے کام نہیں لیا گیا۔ نرے جوش سے کام لیا گیا۔ وہ لڑائی کوئی امر اسلامی نہ تھا ہندوؤں کی شورش تھی مسلمان شریک ہوگئے اور دونوں مجتہد فیہ ہیں اخلاص سے ماجور ہو جانا دوسری بات ہے۔

تمنی موت علامت ولایت ہے

فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ سے حافظ محمد ضامن صاحبؒ نے کہا میرے اوپر تمناء موت اس

قدر غالب ہے کہ خوف ہے کہ میں خودکشی نہ کرلوں اور یہ حالت سنت کے خلاف ہے اسلئے خوف ہے کہ مذموم نہ ہو فرمایا میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ حق تعالی نے مقام ولایت عطا فرمایا اور جو تمنائے موت مذموم ہے وہ ہے جو کسی تکلیف اور موت سے گھبرا کر ہو۔ (فرمایا حضرت والا نے ان حضرات کی نظر دیکھئے۔ حدیث میں لفظ من ضر اصابہ موجود ہے) اور جو تمنائے موت شوق اللقاء اللہ ہو وہ امارت وولایت ہے۔ لقولہ تعالی ان زعمتم انکم اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت۔

حضرت حاجی صاحب کی پیشین گوئی

فرمایا بی صفیہ صاحبزادی حضرت گنگوہیؒ کی بالکل بچی تھیں۔ حضرت حاجی صاحب گنگوہ میں مہمان ہوئے اور حضرت نے ان کو دو روپے دیئے انہوں نے وہ روپے حضرت کے پیروں پر رکھ دیئے حضرت نے اٹھا کر پھر انکے ہاتھ میں دیئے انہوں نے پھر پیروں پر رکھ دیئے۔

حضرت نے فرمایا یہ زاہدہ ہوں گی چنانچہ وہ ایسی ہی ہیں ماں اور مٹی ان کے نزدیک برابر ہے۔ (یہ تمام گفتگو من ابتدائے صفحہ ۷۔ ۳ ہوا خوری سے واپسی میں ہوئی)

ہم لوگ حضرت کے ساتھ ڈیرہ میں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا ڈیرہ بھی عجیب چیز ہے اچھا خاصہ گھر ہے یہ کھڑا کیسے ہوتا ہے اور اکھاڑہ کیسے جاتا ہے دونوں کاموں میں بڑی دیر لگتی ہوگی۔ احقر نے عرض کیا کبھی حضرت ڈیرہ لگاتے دیکھیں تو سمجھ میں آ جائے کہ یہ چنداں مشکل کام نہیں خلاصی لوگ بہت جلد لگا لیتے ہیں۔ سوت کی رسیوں سے اسکے سب اجزاء جڑے ہوئے ہیں اور لگے ہوئے ڈیرہ کو گرانا اور اکھاڑنا تو کچھ بھی کام نہیں۔ اتنے میں دوسرا ڈیرہ جو سامنے کھڑا ہوا تھا گرایا گیا۔ طنابیں ڈھیلی کرتے ہی گر گیا۔

فرمایا بس یہ ہستی ہے اتنے بڑے علی شان محل کی اور فرمایا اتنی بڑی اونچی چوب جو سب اجزا سے اونچی تھی اس کا قیام ان چھوٹے اجزاء سے تھا۔

اکابر بھی محتاج اصاغر ہیں دین میں بھی اور دنیا میں بھی

بعض اکابر اپنے آپ کو اکابر سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی اکبریت اصاغر کی وجہ سے ہوتی ہے ان کا وجود اور قیام جب تک ہی ہوتا ہے کہ اصاغر کا وجود اور قیام ہو دیکھو یہ ڈیرہ کی چوب کیسی سیدھی کھڑی ہوئی تھی۔ اور سب پر ناز کرسکتی تھی کہ میں ایسی اونچی ہوں۔ حالانکہ اصلیت صرف اتنی نکلی کہ انہیں اصاغر

نے اس کی اکبریت کو قائم کر رکھا تھا۔ یہ دنیا میں تو ہے ہی میں ایک نازک بات عرض کرتا ہوں کہ اکبر دین بھی اصاغر ہی کی وجہ سے اکابر ہیں اور اسکا مطلب یہ نہیں کہ ان کی تشہیر سے اکابر بنے ہوئے ہیں یہ کام تو جھوٹے اور متصنع اکابر کا ہے۔ بلکہ جو لوگ واقعی اکابر دین ہیں ان پر بھی باطنی برکات اصاغر ہی کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں کے کو اجازت دے دی جاتی ہے۔ اور فوراً ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ لوگوں حسن ظن سے اسکے اوپر برکات نازل ہوتی ہیں اور اصلاح ہو جاتی ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے ہم بس اپنے مجمع میں بڑے ہیں اور باہر نکل کر کچھ بھی نہیں۔ جیسے روڑ کی کالج کے کاریگر کہ جب تک کالج کے اندر ہیں سب کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں مشین موجود ہے اور وہاں سے نکلے تو کچھ بھی نہیں گویا ہاتھ پیر وہیں رکھ آئے ہیں۔

مطلب یہ ہے مولانا کا کہ ہم سے جو کچھ برکات اپنے مجمع کو پہنچتے ہیں وہ ہم کو حق تعالیٰ کی طرف سے طالبین ہی کی بدولت عطا ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہے تمام امت محمدیہ کی۔

اس امت کی مثال

اس کی مثال یہ دی گئی ہے۔ ھم کحلقة واحدة مفرغة لایدری این طرفاھا۔ یعنی تمام امت ایسی ہے جیسے ایک کڑا ڈھلا ہوا کہ کسی جگہ اسمیں کنارا نہیں۔ ہر جگہ کو کنارا بھی کہہ سکتے ہیں اور وسط بھی اور ابتدا بھی اور انتہاء بھی بعض وقت مضامین کا جوش مجمع میں صرف ایک طالب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

برکات کا طالب کی وجہ سے نزول

ایک واعظ کا قصہ ہے کہ وعظ کہہ رہے تھے اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے ان کو خیال ہوا کہ مجھے خوب آمد ہوتی ہے۔ بس مجمع میں سے ایک شخص اٹھ گیا اور ان کی آمد بند ہو گئی۔ یہ انکا فیض نہ تھا بلکہ اس کا اثر تھا اور یہ بات بہت ہی ظاہر اور مشہد ہے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک مضمون کتاب کا مطالعہ کرتے وقت سمجھ میں نہ آیا پھر استاد نے تقریر کی اور سمجھ میں نہ آیا مدتوں قلب کو اسمیں انشراح نہ ہوا اور جب کسی کو پڑھانے بیٹھے تو فوراً سمجھ میں آ گیا۔ طلبا فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں اور لیاقت ان کی معمولی ہوتی ہے کتابوں پر عبور نہیں ہوتا مگر پڑھانے بیٹھتے ہیں تو ایسا پڑھا لیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین

انکو حفظ یاد تھے حالانکہ ایک دفعہ پڑھنے سے کیا تمام کتاب یاد ہوسکتی ہے۔

اصل یہی ہے کہ حق تعالی کی طرف سے تائید ہوتی ہے ۔افادہ کے وقت پھر اسکو طالب کی برکت کیسے نہ کہا جائے ۔میں نے سہارن پور میں بیان کیا تھا کہ بیان کو واعظ اپنا کمال نہیں کہہ سکتا کیونکہ پستان میں دودھ جب ہی پیدا ہوتا ہے جب بچہ ہوتو دودھ پستان کا کمال نہیں بلکہ بچہ کا کمال کہنا چاہئے لیکن اس میں غرور نہ ہوجائے کہ ہم بڑے باکمال ہیں کیونکہ بچہ بھی دودھ پستان میں سے جب نکال سکتا ہے جب کہ اس میں دودھ ہو بھی تو بھلا خشک لکڑی میں سے تو کھینچ لے ۔بس حق تعالی نے امت محمدیہ کو سب کو ایک کو دوسرے کے واسطے مدد معاون بنایا ہے کوئی ایک دوسرے پر فخر نہیں کرسکتا ۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے ہیں ۔مولانا گنگوہی کوئی مضمون لکھتے تو اپنے چھوٹوں کو سناتے اور فرماتے بہ نظر تنقید دیکھو اور غلطی ہو تو مطلع کرو۔اسی طرح حضرت حاجی صاحب فرماتے کہ میں ناخواندہ ہوں کہ تم میری غلطی بتلا دینا۔ورنہ میں قیامت میں کہہ دوں گا کہ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا انہوں نے تصحیح نہیں کی ۔خلوص یہ ہے کہ یہ صحابہ کی صفت تھی ۔کہاں ہیں وہ لوگ ہم لوگ کس منہ سے ان کی ریس کر سکتے ہیں ۔مگر خیر ہم نے بھی ان بزرگوں کی نقل ہی کی ہے

میں نے ایک سلسلہ جاری کیا ہے اسکا سالانہ ایک رسالہ بن جاتا ہے ترجیح الراجح اس کا نام رکھ دیا ہے۔ سال بھر تک جس بات میں اپنی رائے کی غلطی ثابت ہوتی ہے اسکو اسمیں لکھ دیتا ہوں یہ نفس کا خوب علاج ہے کہ سال بھر تک اغلاط کی تلاش رہتی ہے خود اپنی نظر ان کی جانب جائے یا کوئی اور بتادے تا کہ رسالہ پورا ہو۔ میں تو غلطی بتانے سے بڑا ممنون ہوتا ہوں کہ ایک بات ہم کو بڑی مشقت سے معلوم ہوتی ہے اس نے بے محنت بتادی۔

الحمد للہ کہ ایسے لوگوں کے منہ تو ہم نے دیکھے ہیں جو بے نفس تھے اسی کی برکت ہے کہ قلب کو کسی کے غلطی بتانے سے ناگواری نہیں ہوتی ۔علم ایک دریائے ناپیدا کنارا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ سب کا احاطہ ہو اور نہ ہر وقت طبیعت حاضر ہوتی ہے ذہول بھی ہوسکتا ہے۔

بے سمجھے نہ پڑھانا

ایک دفعہ میں جلالین پڑھانے بیٹھا خطبہ ہی کی عبارت ایک جگہ سمجھ میں نہ آئی ۔ احاطہ معلومات تو حق تعالی ہی کے ساتھ خاص ہے یہ بھی جہل ہے کہ ہم کو اپنے جہل کا علم نہ ہو۔

اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنا جہل معلوم بھی ہوجاتا ہے اور دل میں ہوتا ہے کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور جو تقریر ہم کررہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ مگر عادت ہے لوگوں کی کہ لبڑ دھوں دوں کئے جاتے ہیں۔ اور طالب علم کو ساکت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ طالبعلم بھی سب برابر نہیں ہوتے بعضے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کی تقریر صرف زبان زوری ہے اس وقت استاد کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے مگر لوگ اسی کو اچھا سمجھتے ہیں کہ طالبعلم کو ساکت ہی کردو چاہے مقام حل ہو یا نہ ہو اور اسکی تشفی ہو یا نہ ہو اور جب استاد میں یہ عادت ہوتی ہے تو شاگرد میں بھی متعدی ہوتی ہے اور وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ تمام عمر ایسا ہی کرتا ہے ہائے کتنے گناہ کی بات ہے جس قرآن میں اور نواہی سے ممانعت ہے اسمیں یہ آیت بھی تو ہے و ما انامن المتکلفین۔

خشوع ذکر ہی سے پیدا ہوتا ہے

ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ایک وقت میں گالیاں بہت بکا کرتے تھے پھر حضرت گنگوہیؒ کی بدولت بالکل حالت بدل گئی۔ فرمایا معلوم ہوتا ہے انھوں نے ذکر شروع کردیا۔ عرض کیا گیا جی ہاں۔ فرمایا یہی وجہ ہے خشوع بلا اسکے پیدا ہوتا ہی نہیں فرمایا لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو جہل بڑا معبر تھا علم تعبیر کے لئے محاورات کے جاننے کی بڑی ضرورت ہے اور بعضی طبائع کو اس سے خاص مناسبت ہوتی ہے اہل اسلام میں اس فن کے ماہر ابن سیرین تھے اور اس اخیر زمانہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی مناسبت تھی اور اسی طرح مولانا گنگوہی کو۔

امرد پر نظر بڑا گناہ ہے

فرمایا ایک عالم کا انتقال ہوا ان کو خواب میں دیکھا گیا پوچھا گیا کیا ہوا کہا مزہ میں ہوں سب گناہ معاف ہوگئے مگر ایک باقی ہے اور اس کی کلفت بھی باقی ہے مجھ سے یوں کہا جاتا ہے کہ زبان سے اقرار کرلو تو معاف کردیں وہ گناہ ایسا شرمناک ہے کہ اقرار کی ہمت نہیں ہوتی وہ گناہ امرد پر نظر ہے اور سب گناہوں میں بھی یہی ہوا کہ اقرار کرلو اور معاف سب کا اقرار کرلیا اور ان سے نجات ہوگی۔ اس کا عذاب برداشت کرتا ہوں اور مارے شرم کے اقرار نہیں کرتا۔

امرد سے تعلق ہر طرح ناجائز ہے۔

فرمایا میرے پاس ایک خط آیا کہ ایک لڑکا ہے اس سے ایک شخص کو پاک محبت ہے اس کے

حال سے تعشق ہے اور صرف ایک دفعہ وہ تقبیل کی تمکین چاہتا ہے لڑکا کہتا ہے کسی معتبر عالم سے فتوی منگا دو۔ مجھے عذر نہیں اور بلا اس کے ناممکن ہے وہ شخص قسم کھاتا ہے کہ پاک محبت ہے تقبیل کے سوا اور کچھ ارادہ ہرگز نہیں اور صورت عدم تمکین تقبیل کے اس کے مرجانے کا اندیشہ ہے تو آپ اگر فتوی دے دیں تو اس کی جان بچ جائے میں نے جواب لکھا یہ محبت ہرگز پاک نہیں اور ایسے ناپاکوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔ اور شاباش ہے اس لڑکے کو۔ فرمایا امارد سے تعلق بہت ہی خبیث النفس کو ہوتا ہے۔ اور اس کا نام لوگوں نے محبت رکھا ہے حالانکہ ایسے موقعوں پر دیکھا گیا ہے جہاں دونوں طرف سے فریفتگی تھی اور تعشق کیا جاتا تھا۔ حصول مقصود کے بعد دونوں میں عداوت ہوگئی اس تعلق میں خاصیت یہی ہے اور غضب ہے بعض صوفی امردوں کو مظہر جمال حق سمجھتے ہیں کیا شیطان نے راہ ماری ہے پھر فرمایا جہاں حق تعالی نے خود مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے۔ وہاں حیوانات میں سے ابل کو اختیار کیا ہے اور تین اور جو ہیں وہ جماد ہیں یعنی سماء و جبال وارض ان صوفیوں کے خیال کے مطابق افلا ینظرون الی الامارد ہونا چاہئے تھا۔

لطیفہ: سلطان عبدالحمید خاں سے اسوقت جبکہ بہت سی سلطنتیں ایک طرف ہوگئی تھیں کہا گیا آپ کی سلطنت ۳۲ دانتوں میں ایک زبان ہے۔ کہا ہاں۔ مگر آخیر میں یہی رہ جاتی ہے۔

علماء کو شبہ سے بھی بچنا چاہئے

منشی اکبر علی صاحب نے حضرت والا سے کہا ایک گرگابی جوتہ میرے پاس ہے وہ میرے یہاں کسی کے پیر میں نہیں آتا۔ اگر آپ کے پیر میں آئے تو آپ اس کو لے لیں اور ہوا خوری کے وقت استعمال کریں۔ فرمایا لوگ طعن کریں گے کہ انگریزی وضع اختیار کی ہے کہا گرگابی تو انگریزی چیز نہیں ہے۔ فرمایا نہ سہی مگر لوگ تو اس کو انگریزی ہی سمجھتے ہیں اور ہے انگریزی جوتے ہی سے ماخوذ کچھ شکل بدل لی ہے۔

اہل بڑھل گنج بہت سے جمع ہو کر آئے اور کہا ہم حضرت کی دعوت کرنا چاہتے ہیں فرمایا کیوں تکلیف کرتے ہو مگر انہوں نے اصرار کیا فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو یوں مناسب ہے، کہ کل صبح کو ہمارا یہاں سے کوچ ہوگا بڑھل گنج راستہ میں ہے صبح سویرے ہم پہنچیں گے کھانا تیار ملے کھانا کھا کر ہم آگے روانہ ہو جائیں گے۔

کوئی تکلف نہ کیا جائے جو کھانا بہت سویرے تیار ہو سکے تیار کر لیا جائے پلاؤ کی ضرورت نہیں

گوشت اور دال پکالینا اور اگر چاول پکانے ہی ہوں تو خشک پکالینا اور اتنا خیال رہے کہ سالن میں گھی اوپر سے داغ دے کر مت ڈالنا یہ مجھ سے نہیں کھایا جاتا ہے اور کل آدمی ہمارے معہ ملازمین وغیرہ دس کے قریب ہو جائیں گے۔

۱۲ بجے دن کے منشی اکبر علی صاحب بعض سرکاری ضرورتوں سے گورکھپور تشریف لے گئے۔ اور یہ قرار پائی کہ آج منگل کے دن جا کر جمعرات کے دن لوٹ آئیں۔ اور حضرت والا یہاں سے کوچ کر کے شاہ پور پہنچ جائیں۔ اور زہر پور سے کوچ جمعرات کے دن سیدھا شاہ پور کو ہو جس کا فاصلہ ۲۸ میل ہے۔ مگر حضرت والا نے فرمایا ملازمین کو اتنے لمبے کوچ میں سخت تکلیف ہوگی۔ اس واسطے درمیان میں مقام کر جائیں گے اور بجائے جمعرات کے زہر پور سے بدھ کو چلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ درمیان میں قصبہ گولا میں قیام کیا گیا اسکا ذکر آگے آتا ہے۔

اسی دن یعنی بروز منگل ۲۲ صفر ۳۵ھ وقت گیارہ بجے دن کے مولوی ابو الحسن صاحب قصبہ مئو ضلع اعظم گڈھ سے مع دس آدمیوں کے زہر پور میں آئے ہم لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ ان سب نے حضرت والا سے اصرار کیا کہ الہ آباد جاتے وقت مئو میں قیام فرمائیں۔ مولوی ابو الحسن صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کبھی آنا ہوتا نہیں ہم لوگ اس موقعہ پر تو محروم نہ رہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے کھانا بھی کھایا یا نہیں عرض کیا کچھ تو کھایا ہے۔ فرمایا کچھ تو کیا معنی۔ عرض کیا ناشتہ ساتھ لائے تھے تھوڑا تھوڑا کھایا ہے۔ اور کچھ موجود ہے فرمایا یہاں تو ہم خود ہی سفر میں ہیں اور کوچ کا سامان ہو رہا ہے اس واسطے (منیجر صاحب ابھی ذرا دیر ہوئی گورکھپور کو روانہ ہو چکے ہیں) ملازموں سے کہنا کھانے کے لئے مشکل ہے ہاں دال چاول تو پکنا ممکن ہے عرض کیا کہ ناشتہ بقدر ضرورت موجود ہے فرمایا بے تکلف بیٹھ کر کھا لیجئے۔ اور فرمایا رات کو قیام یہاں ہوگا یا نہیں۔ کہا جو ارشاد ہو۔

فرمایا ارادہ معلوم ہو جائے تو جو میرے ذہن میں آئے گا میں عرض کر دوں گا۔ میں ابھی تو خالی الذہن ہوں دل تو چاہتا ہے کہ آپ کا ساتھ رہے عرض کیا ہاں دو تین دن کی ہمرکابی کی آرزو ہے۔ فرمایا عین مناسب ہے، مئو کے قیام کے لئے بہت غور کے بعد چار گھنٹہ کا وقت تجویز ہوا۔ مولوی ابو الحسن صاحب نے عرض کیا لوگوں کا اشتیاق بہت ہے یہ وقت تو کچھ بھی نہیں۔ فرمایا اشتیاق پورا ہونے کی صورت نکلی تو۔ عرض کیا نصف نکلی۔ فرمایا نصف میں نے نکالی اور نصف مئو والے نکالیں۔ اس طرح کہ

غیر ضعفاء مئو سے سرائے میر چلے آئیں اور ضعفاء سے مئو میں ملاقات ہو جائے۔ چار گھنٹہ کا قیام مئو میں کافی ہوگا۔ اس سے زیادہ گنجائش نہیں نکلتی آپکے سامنے بڑی وقتوں سے یہ وقت نکلا (بعد میں قیام مئو میں نکرے کر کے زیادہ رہا جیسا کہ آگے آتا) ہے

خواجہ عزیز الحسن صاحب کا ذکر ہوا تو ان کی بہت تعریف کی اور بہت سے اوصاف بیان فرمائے۔ ان میں سے جو باتیں ان کی ذات خاص سے تعلق رکھتی ہیں ان کو اجمالاً اور جن باتوں میں دوسروں کے لئے بھی فوائد ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ قسم اول یہ ہے کہ خواجہ صاحب سراپا دین ہیں۔ اور عامل بالعزیمت۔ قانع متواضع مجاز خلیفہ باا ثر غیر متصنع میں دنیا کا کوئی شائبہ بھی ان میں نہیں۔ صاحب حال حب فی اللہ رکھنے والے ہیں۔

اور دوم قسم کے اوصاف یہ ہیں کہ فرمایا میرٹھ میں ایک جگہ مجھ کو سوڈا پلایا گیا۔ اس سے پھندا ایسا لگا کہ دم کے دم میں خاتمہ کی صورت ہوگئی۔ خواجہ صاحب بھی تھے۔ اس سے بچ جانے کے بعد فرماتے ہیں۔ اس وقت مجھے رنج تو جیسا کچھ ہوا ظاہر ہے۔ مگر میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ جمعہ کا دن ہے آج کی موت بھی اچھی۔ خاتمہ بخیر ہو جانا بڑی نعمت ہے یہ میرے منہ ہی پر بے تکلف کہہ دیا ظاہر اً رنجدہ بات ہے مگر مجھے بڑی قدر ہوئی کہ دین ان کی طبیعت پر غالب ہے، طبعی رنج کو بھی دین کے خیال نے دبا لیا۔ اور فرمایا میں تو دنیا داروں کے مجمع میں لوگوں کے مذاق کی رعایت سے الفاظ بولتا ہوں۔ مگر خواجہ صاحب دنیا داروں کے مجمع میں بھی وہی اصطلاحی الفاظ بولتے ہیں یہ حرام ہے اور یہ ناجائز ہے اور فرمایا کاش ان کے والدین ان کو علم دین پڑھاتے ایسے لوگ علم دین کے لائق ہیں انہوں نے اپنی اولاد کے لئے علم دین ہی تجویز کیا ہے۔

حالانکہ آجکل انگریزی تعلیم کا مذاق ایسا عام ہوا ہے کہ مولوی بھی اپنی اولاد کو انگریزی پڑھاتے ہیں۔ حُبُّ الدّنیا راس کل خطیئۃ۔ اس نے خراب کیا لوگوں کو عالم ہو یا جاہل جس میں یہ ہو گی وہ خراب ہوگا۔ اور جس دنیا دار میں بھی یہ نہ ہو وہ مفاسد سے بچا رہے گا۔

اور فرمایا یہ خواجہ صاحب کی دینداری ہے۔ کہ مولوی عبد الغنی (یہ حضرت کے ایک بڑے خلیفہ ہیں۔) اور دیگر معاصرین سے ان کو بڑی محبت ہے ورنہ معاصرین سے محبت نہیں ہوتی۔

معاصرین سے محبت حب دنیا نہ ہونے کی دلیل ہے

میرے نزدیک حب دنیا نہ ہو تو پھر معاصرین سے بھی عداوت ونفرت نہیں ہوتی۔

حب جاہ حب مال سے بدتر ہے

حب دنیا کے دو شعبے ہیں حب مال وحب جاہ ہیں دونوں برے مگر حب جاہ بدتر ہے محب مال تو کہیں اپنے آپ کے لئے تذلل بھی پسند کرتا ہے۔ اس وقت تکبر سے بچ جاتا ہے اور محب جاہ کسی وقت بھی تکبر سے نہیں بچ سکتا۔

جو لوگ مئو سے آئے تھے انہوں نے جانا چاہا تو فرمایا اس قدر تکلیف آپ لوگوں نے اٹھائی مگر کیا فائدہ ہوا کچھ تو پاس بیٹھنا چاہئے آج رہیں اور کل کو میرے ساتھ بڑہل گنج تک چلیں سب نے کہا بسر و چشم۔ فرمایا اب بے تکلف عرض ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے بات کاٹ کر عرض کیا دعوت شام کی بڑھل گنج میں ہوگئی ہے آپ تکلیف نہ کریں۔ مسکرا کر فرمایا ہم آپ کے کشف کے قائل ہو گئے۔ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں کھانے کے لئے کہنے کو تھا مولوی ابوالحسن صاحب ہنسنے لگے۔ فرمایا تکلف کی ضرورت نہیں میں بھی ہوں تو سفر میں ہی۔ مگر دال چاول پکنا یہاں بھی ممکن ہے عرض کیا دعوت پہلے ہو چکی ہے۔

اہل بدعت میں علم نہیں

ذکر ہوا بدعتی لوگوں کی تعداد تو بہت ہے۔ مگر ان میں علم کی کمی ہے ان کو مدرسین نہیں ملتے ان کے ایک سرغنہ کو خود اپنے مدرسہ کے لئے مدرس نہیں ملتا۔

وضو میں گناہ جھڑتے نظر آنے پر ایک اشکال

ذکر ہوا کہ امام صاحب نے مستعمل کو نجس کہا ہے۔ فرمایا ہاں اور اس کی توجیہ عبد الوہاب شعرانی نے یہ کی ہے کہ امام صاحب کو وضو میں گناہ جھڑتے نظر آتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے نجس کہا دوسرے کسی کو نظر نہیں آتے اس واسطے نجس نہیں کہا۔ مجمع میں سے کسی نے کہا اس پر ایک عالم نے اعتراض کیا ہے اور اس روایت کی تغلیط کی ہے اس وجہ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو تو نظر نہیں آئے اور امام صاحب کو نظر آئیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے بگڑ کر کہا اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور ﷺ کو تو نظر آئے نہیں جب حضور نے فرمایا کہ وضو میں گناہ جھڑتے ہیں تو ظاہر تو یہی ہے کہ نظر آتے ہوں گے۔ خلاف ظاہر کے واسطے دلیل چاہیے نہ کہ ظاہر کے واسطے۔

اہل اللہ کے تمام افعال کا ثبوت احادیث میں ہے

فرمایا اولیاء اللہ کے تمام اقوال کے نظائر حدیث میں مل سکتے ہیں۔بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے شیخ کی صحبت سے بعد اختیار کیا اس کی نظیر حدیث میں موجود ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے فاصلہ پر مکان لیا تھا تا کہ آنے میں ثواب زیادہ ہو۔میں نے تکشف میں اس کو بالا ستیعاب لکھا ہے۔اور بزرگوں کی اکثر عادات کا ثبوت حدیث سے دیا ہے۔

بہشتی زیور پر اعتراض

کسی نے ذکر کیا کہ مولوی .... صاحب فرنگی محل کے یہاں سے ایک رسالہ ''معارف'' نکلتا ہے اس میں بہشتی زیور کی بے طرح خبر لی جاتی ہے اور خوب خوب اعتراض ہوتے ہیں ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ اس میں یہ لفظ ہے کہ اگر عورت بری ہو تو خاوند کے لئے جنم بھر کی قید ہے۔لفظ جنم ہندوؤں کا لفظ ہے اس سے اور لوگوں کی تعظیم ہوتی ہے اور ایک یہ کہ قصے وارونی الحدیث لکھے ہیں۔اور ان کی سرخی ہے بچی کہانیاں قصوں کو کہانی کہہ دیا یہ بے ادبی ہے۔فرمایا ایسے اعتراضوں کی پروانہ کرنا چاہئے اور وہ خود ہی بتاتے ہیں کہ ہم معترض ہیں۔اور فرمایا مولوی صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا کہ بہشتی زیور پر تنقید کی جارہی ہے اور میں اس میں شریک نہیں ہوں۔میں نے جواب دے دیا میں جانتا ہوں جیسے آپ ہیں (اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ بھی معترض ہیں وہ اس نکتہ کو نہ سمجھے مجھ سے وہ جب ملتے ہیں تو بڑے تپاک سے ملتے ہیں کہ میں آپ کو والد کی برابر مانتا ہوں۔

دورد یہ ہونا سخت عیب ہے

اور قلب میں غیظ بہت ہے یہ کون طریقہ ہے میں خواہ مخواہ کی چھیڑ چھاڑ فتنہ سے بہت بچتا ہوں۔بلکہ بے ضرورت کسی بات میں بھی نہیں پڑتا۔واقعہ کان پور کی نسبت ان کے کئی خط آئے میں نے یہی جواب دے دیا کہ ہمیں علم نہیں کسی محقق سے پوچھو۔نہ معلوم ایسے لوگ ہم سے کیوں پوچھتے ہیں۔جو ہمارے مجمع کے نہیں ہیں۔ان کو جو ان کی تحقیق ہو کرنا چاہئے۔ہمارا کیوں انتظار ہے۔جب ہم کو اہل حق نہیں جانتے۔

دیوبند میں ہر قسم کے لوگوں کے استفتے آتے ہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ ان کے مجمع میں محقق

لوگ نہیں ہیں اور خود ان کو اطمینان نہیں ہوتا۔ لامحالہ ہمارے مجمع کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کسی نے کہا لوگ گو اہل دیوبند کے مخالف ہوں مگر تقدس کے تو سب قائل ہیں مفتی صاحب نے کہا پھر نہ معلوم اور کس چیز کی تلاش ہے۔ فرمایا حضرت والا نے تقدس کے قائل ہیں مگر محقق نہیں سمجھتے کہتے ہیں نیک لوگ ہیں مگر علم سے کیا واسطہ حضرت گنگوہی کی نسبت بھی یہی کہا کرتے تھے کہ اچھے ہیں نیک ہیں بااثر ہیں۔ مگر علم کم ہے اصل یہ ہے کہ آجکل علم عربی میں تقریر کرنے کو کہتے ہیں جو زبان جانتا ہو بس وہی علامہ ہے۔

علم زبان دانی کا نام نہیں

آجکل کے اکثر علامہ ایسے ہی ہیں جنہیں علم سے مناسبت بھی نہیں مگر الٹی سیدھی تقریر کر سکتے ہیں۔ بس وہ معتمد علامہ ہیں۔ اور ہمارے مجمع کو اس طرف توجہ نہیں اس کو اپنا منتہائے علم نہیں کرنا چاہتے علم تو شے ہی دوسری ہے یہ تو علوم کے مبادی ہیں مبادی کو مقاصد بنانا جہالت ہے۔ یہ تو زبان ہے اگر زبان علم ہے تو بدو بڑے عالم ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں بھی ہمارے مجمع سے وہ بڑھ نہیں سکتے بحمد اللہ بڑے بڑے تقریر کرنے والے موجود ہیں۔

عدل فی النساء

حضرت والا جب سفر میں گھر کو خط لکھتے تو دو لکھتے ایک اہل خانہ قدیم کو اور جدید کو۔ چنانچہ آج بھی دو خط لکھے اور فرمایا آج بڑے لمبے لمبے خط لکھنا پڑے اصل میں ایک خط لمبا لکھنا تھا اس میں میں نے سفر کے کل حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہر ہر مقام پر پہنچے اور روانگی وغیرہ کو مفصل لکھا ہے کیونکہ میں ایک کو بہت غمگین چھوڑ آیا تھا۔ منتظر کی تسلی بلا تفصیل کے نہیں ہو سکتی اور دوسری کو مفصل اس واسطے لکھا کہ عدل قائم رہے پہلے خط کی بجنسہ نقل کر دی۔ چلتے وقت جدیدہ نے لفافے کارڈ مانگے میں نے دیئے اور اتنے ہی قدیمہ کو جا کر دیئے حالانکہ انہوں نے مانگے نہیں۔ مفتی صاحب نے پوچھا دونوں کو خط یکساں لکھنا بھی عدل میں داخل ہے۔ فرمایا نہیں مگر دل شکنی کا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا میرے جیسے قلب والے کو تعدد ازواج مناسب نہیں۔ احقر نے عرض کیا یہ الٹی بات ہے میرا خیال ہے کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔

حقوق شرعی اور حقوق مروت دونوں کا ادا کرنا مشکل ہے

آپ ہی جیسے قلب والا عدل کر سکتا ہے اور تعدد اسی کو جائز ہے جو عدل کر سکے فرمایا اس وجہ

ہے کہ تساوی کا خیال میں زیادہ رکھتا ہوں جس کا قلب تساوی کرنا چاہئے اس کو مصیبت ہے حقوق شرعیہ اور حقوق مروت دونوں میں تساوی کرنا کارے دارد۔ میں تکلف سے نہیں کہتا جو کلفتیں اس تساوی میں ہوئی ہیں اور جو مصائب اس واقعہ میں پیش آئے ہیں۔ اگر دوسرا ہوتا تو مر جاتا۔ مگر ایک چیز نے آسان کر دیا۔ بلکہ حظ آتا ہے اور وہ جاء ثواب ہے، مجھے اس قدر نفع ہوا ہے تربیت باطن کے متعلق کہ بیان نہیں ہو سکتا ہے اور میرے امراض کا علاج ہو گیا ہے۔

ثواب کی امید مصائب کو آسان کرتی ہے

ہاں جسم گھل گیا میں کبھی سمجھا ہی نہ تھا مجاہدہ کس کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جس کو لوگ مجاہدہ کہتے ہیں یعنی ترک تعلقات تقلیل مال وغیرہ وہ میرے مذاق کے موافق تھا یہ البتہ مذاق کے موافق پیش آیا۔ اب معلوم ہوا کہ مجاہدہ کیسا ہوتا ہے وہ ناگوار باتیں پیش آئیں کہ موت کو ان پر ترجیح ہوتی ہے۔ قدیمہ کی طرف سے جو کچھ ہوا انہوں نے فرط محبت سے کیا نہ مخالفت کی وجہ سے۔ ''با سایہ ترا نمی پسندم'' اسی واسطے مجھے غصہ نہیں آیا ان کے رنج سے رنج ہوتا تھا۔ مگر غصہ نہیں آیا اور نہ ایسے وقت میں جو کچھ ہاتھ سے ہو جاتا ہے عجب نہ تھا۔ مگر میں نے کچھ نہیں کہا اور ان کو معذور سمجھا بلکہ اپنی حالت ایسی بتائی جیسے کوئی بڑا خجل ہوتا ہے اور اس کے بعد سے ان کی دل شکنی کا اس قدر خیال رکھتا ہوں کہ تکلیف اٹھاتا ہوں مگر جس بات میں احتمال بعید بھی دل شکنی کا ہوتا ہے وہ نہیں ہونے دیتا۔ پانچ منٹ کو یہاں جاتا ہوں تو پانچ منٹ کو وہاں۔

دل شکنی سے بہت بچنا چاہئے۔

اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ خبر ہو اور موجب دل شکنی ہو۔ مجھے ہمیشہ سے اس میں بہت مبالغہ ہے کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو میں محض اجنبی آدمی کے ساتھ بھی اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہوں قلب کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ کسی کو تکلیف دینا گوارا ہی نہیں ہوتا۔

حضرت والا کا ترحم

اصلاح کے لئے تو کسی پر زجر کرتا ہوں اور ویسے کسی کو رنج میں نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی بیماری میں مبتلا ہو یا افلاس میں یا اور کسی تکلیف میں تو میرا دل اسکو دیکھ کر کڑھتا ہے۔

زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

ایک شخص نے کہا مشہور ہوا تھا کہ حضور کے صاحبزادہ ہوا۔ فرمایا ہاں بھائی جانے یہ کیسے مشہور ہوگیا۔ کیا عجب ہے اسکی کچھ اصلیت ہو جائے جو بات مشہور ہوتی ہے وہ کبھی واقع بھی ہو جاتی ہے اور میں نے اپنے متعلق تو دیکھا ہے اور بارہا تجربہ کیا ہے کہ کوئی مخفی سے مخفی بات بھی ہوئی تو دنیا میں مشہور ہو جاتی ہے اسی واسطے میں اپنی کسی حالت کو نہیں چھپاتا میرے دوست ایک مولوی صاحب ہیں اس کے خلاف ہیں میں نے کہا آپ کے مناسب ہو یہ۔ مگر میں کیا کروں چھپا کر جب کہ چھپتی ہی نہیں۔

خدام کے ساتھ حضرت والا کی محبت

بعد عصر ہوا خوری کے لئے گئے۔ مولوی عبدالغنی صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب بھی ساتھ تھے راستہ میں فرمایا کہ میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ مجھے اعظم گڈھ والوں سے کچھ خاص محبت ہے۔ مولوی عبد الغنی صاحب کے آنے سے میری ایک خاص کیفیت ہوئی اور آج مولوی ابوالحسن صاحب کے آنے سے اور زیادہ ہوئی۔

اس سفر میں ایک دو جگہ اترنے کے لئے اور کہا گیا تو فرمایا جہاں تک گنجائش نکلی میں نے دریغ نہیں کیا مگر کیا کیا جائے کہ گنجائش ہی باقی نہیں۔ جہاں جہاں وعدہ ہو چکا اب تبدیلی کرنے میں ان کو بڑی پریشانی ہوگی۔

نظام الاوقات کی پابندی

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے نظام الاوقات میں کبھی کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالا۔ جو انتظام ایک دفعہ ہوگیا اس کے خلاف کبھی نہیں کیا۔ اسی واسطے لوگوں کو میری تجویزوں پر اعتماد رہتا ہے اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ کسی انتظام کا ان کو پاس نہیں ہوتا۔ ایک مولانا بہت مشہور شخص تھے۔ ایک جلسہ ہوا جو صرف انہیں کی وجہ سے ہوا تھا اور لوگوں نے بڑے انتظام کئے تھے۔ عین وقت پر لینے گئے تو معلوم ہوا کہ مولانا تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔ کس قدر پریشانی ہوئی اور تمام شہر میں زق زق بق بق ہوئی۔

کاملین کی صحبت کے فوائد

حالات اور صحبت کا ذکر ہوا تو اپنی حکایات بیان فرمائی کہ میں حجرہ میں دیو بند میں رہتا تھا۔ خشیت کا غلبہ ہوا مولانا محمد یعقوب صاحب سے جا کر عرض کیا کہ بہت خوف ہے کوئی بات ایسی فرمایئے جس سے اطمینان ہو فرمایا توبہ کرو کفر کی درخواست کرتے ہو۔ لا یامن مکر اللّٰہ الاالقوم الخسرون بس آنکھیں کھل گئیں۔ کامل کے پاس ہونے کے یہ فائدے ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں۔ میں نے کچھ مختصر کلمات ان کی حالت کے مناسب کہہ دیئے اس پر انہوں نے کہا عمر بھر کی گمراہی سے آج نکلے بعض مرض بالکل مخفی ہوتے ہیں۔ مریض کو ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس واسطے ان کے علاج کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ جاننے والے کے پاس بیٹھنے سے ان کا علم ہوتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض تو ہم میں موجود ہے اور مدتیں گذر گئیں اور علاج اس کا بہت ہی سہل تھا مگر توجہ کی ضرورت تھی۔ اس وقت اس کا علاج بھی ہو گیا صحبت ایسی چیز ہے حافظ عبدالحی بہت مشوش رہتے تھے مولانا گنگوہی سے بیعت تھے مجھ سے بھی اپنی تشویشات بیان کیں میں نے تسلی کی تو کہنے لگے بس یہی مولانا کرتے ہیں۔ جب میں کچھ حال کہتا ہوں تسلی کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا توبہ کیجئے کیا آپکا خیال یہ ہے کہ غلط تسلی کر دیتے ہیں۔ اور واقع میں وہ مضمون تسلی کا صحیح نہیں۔

شیخ کی ترغیب وترہیب حسب موقع ہوتی ہیں۔

آپ شیخ کو خائن سمجھتے ہیں اگر شیخ تسلی کرتا ہے تو تم کو پریشانی جائز نہیں۔

قول ملاحدہ کا جواب کہ جنت ودوزخ کا ذکر بطور تسلی ہے۔

اس پر یاد آیا کہ ملحدین کہتے ہیں جنت ودوزخ کا بیان قرآن وحدیث میں صرف تسلی کے لئے اور ڈرانے کے لئے ہے تاکہ جنت کی طمع سے اور دوزخ کے خوف سے اعمال صالحہ کریں اور واقع میں جنت دوزخ کچھ نہیں۔ میں کہا کرتا ہوں اگر بالفرض واقع میں ایسا ہی ہو تب بھی اس کی نفی نہ کرنا چاہئے ورنہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا۔ کہ وہ کچھ نہیں تو پھر وہ مصلحت ترغیب وترہیب ہی کی فوت ہو جائے گی۔ یہ بغاوت ہے کہ جس چیز کو خدا نے مفید سمجھ کر کیا تم اس میں حارج ہو۔

حالات کے بارے میں اور ادب شیخ میں افراط وتفریط

فرمایا حالات کے بارہ میں لوگوں میں افراط وتفریط ہے بعض لوگ تو حالات کو مقصود اور کمال سمجھتے ہیں اور بعض لوگ بالکل منکر ہیں ایسے ہی ادب شیخ میں افراط وتفریط ہے آجکل لوگ تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ شیخ کی اور جو حق ہے اس کا یعنی استفادہ نہیں کرتے۔ ہر چیز کا حق وہی ہوتا ہے جس کے لئے وہ موضوع ہو جیسے کوئی مسجد بناوے اور اس کو سجا بنا کر رکھے۔ مگر نماز اس میں نہ پڑھے تو نہیں کہا جا سکتا کہ مسجد کا حق ادا کرتا ہے۔

ایک خشک مولوی صاحب پر حالات طاری ہونا۔

ایک مولوی صاحب پر پہلے خشکی غالب تھی اور کہا کرتے تھے تصوف نام چند اصطلاحوں کا ہے اور کیا رکھا ہے پھر میرے پاس چند روز رہے۔ اور ذکر شغل کیا تو حالات طاری ہوئے ایک دن زار زار رونے لگے۔ میں نے کہا مولوی صاحب کہیں اصطلاحات میں رونے کی بھی خاصیت ہوتی ہوگی۔ جب تک آدمی پر کوئی حالت طاری نہیں ہوتی اس وقت تک وہ کیسے اسکا مزہ جان سکتا ہے جس نے میٹھی چیز کبھی کھائی نہیں ہے وہ کیا جانے کہ مٹھائی بھی ذائقہ ہوتا ہے۔

ایک حافظ جی کا قصہ کہ نکاح میں بڑا مزہ ہے۔

کسی حافظ جی کا قصہ ہے کہ شاگردوں نے کہا حافظ جی نکاح میں بڑا مزہ ہے۔ کہنے لگے اچھا ہمارا بھی نکاح کر دو۔ انہوں نے کوئی عورت تلاش کر کے نکاح پڑھوا دیا۔ حافظ جی پہنچے اور رات بھر روٹی لگا لگا کر کھائی مگر مزہ کیا آتا۔ صبح کو کہنے لگے لوگ کہتے ہیں بڑا مزہ ہے ہمیں تو نمکین روٹی کی برابر بھی مزہ نہیں آیا۔ لونڈوں نے کہا اجی حافظ جی یوں نہیں آتا مزہ مارا کرتے ہیں۔ اگلے دن حافظ جی نے بیچاری کو خوب زدوکوب کیا اور جوتے ہی جوتے مارے جب بھی مزہ نہ آیا۔ بلکہ اور محلہ میں غل مچ گیا اور فضیحت ہوا۔ پھر کہنے لگے لوگ کہتے تھے بڑا مزہ ہے۔ کیا مزہ ہے۔ پھر لونڈوں نے سمجھایا کہ مارنے کے یہ معنی ہیں اس کے موافق عمل کیا تب معلوم ہوا کہ واقعی مزہ ہے۔ لوگ بے جانے اور بے سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں۔ پہلے ایک چیز کو دیکھو سمجھو اور اگر وہ چیز قابل نہ ہو تو اس کو اکتساب کرنے کے بعد کہو جو کچھ کہنا ہو۔

مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت کا ایک واقعہ

مولوی محمد احسن صاحب مکہ میں ایک خشک ذی علم شخص تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے پاس میں بھی موجود تھا اور وہ بھی تھے وہ وحدت الوجود کو ضلالت کہا کرتے تھے مجھ سے انہوں نے دو ایک دفعہ پوچھا میں نے کہا یہ کام سرسری نہیں کوئی دن مقرر کیجئے اور اپنے شبہات کو حل کر لیجئے۔ چنانچہ جمعہ کا دن مقرر ہوا میں نے اول مقصود سے اصطلاحی الفاظ میں کتب تصوف کے موافق وحدۃ الوجود کے متعلق ایک تقریر کی اور ان سے کہہ دیا کہ آپ غور سے میرے تمام الفاظ سن لیں اور ذہن نشین رکھیں ان سے باہر نہ جائیں۔ پھر بھی جو اشکال ذہن میں آئے کریں۔ انہوں نے چند اشکال کئے مگر سب کا جواب فوائد قیود ہی موجود ہے ذرا دیر میں سب اشکال رفع تھے۔ کہنے لگے آج سمجھا میں کہ وحدۃ الوجود یہ ہے۔ یہ تو موقوف علیہ ایمان ہے پھر انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے جا کر بیان کیا تو حضرت ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی اپنی اولاد کی کارگذاری سن کر خوش ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا وحدۃ الوجود کے متعلق بعض الفاظ موحش ہیں فرمایا کتب فن کے الفاظ دیکھنے چاہئیں اشعار کے نہیں۔ خاص کر آجکل کے۔ ان کا ذمہ دار کون ہوسکتا ہے۔ خود مولانا فرماتے ہیں۔

معنی اندر شعر جز با خبط نیست
چوں فلاسنگ است آنرا ضبط نیست

اور رموز کی نسبت فرماتے ہیں ؂

نکتہ ہاچوں تیغ پولاد ست تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز

ائمہ فن کے الفاظ بالکل صاف ہیں اور یہ مسئلہ بالکل ثابت ہے اور حق ہے صاف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آسانی سے ان سے یہ مسئلہ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ یہ مسئلہ حد سے زیادہ باریک ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس مسئلہ پر بحث کی جائے اور بحث کرنے والا غور وخوض سے کام لے اور منصف مزاج بھی ہو اور غور وخوض کی لیاقت بھی رکھتا ہو۔ تو مسئلہ ایسا حق ثابت ہوگا۔ کہ کوئی بھی اشکال نہ رہے گا۔

اشکال سے تو کوئی بھی علمی مسئلہ خالی نہیں۔

اور یوں تو اشکال سے کوئی بھی علمی مضمون خالی نہیں۔ خود معقول کی باتیں ایسی ہیں جن پر

اشکال پڑتے ہیں دیکھئے استادوں کا ناک میں دم آجاتا ہے۔طالب علموں کو سمجھاتے سمجھاتے پھر تصوف تو اور باریک ہے اس کے لئے تو معقول سے زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت ہونا چاہئے اور نہ معلوم وحدت الوجود ہی کے مسئلہ کو لوگوں نے کیوں تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ اور کہتے ہیں اس پر اشکال پڑتے ہیں میں کہتا ہوں اسلام کا پہلا ہی کلمہ لا الہ الا اللہ بھی اشکال سے خالی نہیں اگر کوئی کہے کہ جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبر یہ محتمل صدق و کذب ہوتا ہے تو مفید یقین کو نہ ہوا۔

بھلا ایک گنوار کو کوئی اس کا حل سمجھا تو دے تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ کلمہ نعوذ باللہ قابل ترک یا محل شک ہے۔ کسی بات کا باریک ہونا اور بات ہے اور غلط ہونا اور بات اشکال ہونے کے اگر یہ معنی ہوں کہ یہ مسئلہ مشکل ہے تب تو مسلم ہے مسئلہ وحدۃ الوجود بے شک دقیق اور مشکل ہے اور اگر یہ معنی ہوں کہ اس پر ایسے اعتراض ہیں کہ اٹھ نہیں سکتے جیسے تثلیث پر بہت سے اشکال ہیں تو یہ مسلم نہیں مسئلہ وحدۃ الوجود بالکل صحیح اور ثابت ہے۔ کچھ غبار اس پر نہیں ہے۔ مشکل جس درجہ میں بھی کہا جائے سارا ہی تصوف مشکل ہے۔ جب معقول مشکل ہے تو تصوف کیسے مشکل نہ ہو۔

معقول قال ہے اور تصوف حال

اور معقول تو قال ہے اور تصوف حال حالی مسئلہ پورا پورا تو حل جب ہی ہوتا ہے۔ جب حال حاصل کیا جائے۔ آجکل لوگ بڑی دوڑ اس کو سمجھتے ہیں کہ مسئلہ وحدت الوجود میں بحث کرلیں کچھ اشکال نکال لیں۔ جس مجلس میں پہنچیں اسی کو چھیڑ دیں جس سے معلوم ہو کہ یہ بڑے عارف ہیں۔ حالانکہ اگر یہ مسئلہ سمجھ بھی لیا جائے تو کچھ کمال نہیں تاوقتیکہ یہ کہ حال میں نہ آجائے۔ سو اتنی آجکل ہمت نہیں۔

بزرگوں کے شیون مختلف ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ سنا ہے کہ بزرگوں کے شیون مختلف ہوتے ہیں۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہا فلاں مسجد میں جاؤ وہاں تین بزرگ بیٹھے ہیں وہاں جا کر تم کو معلوم ہو جائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جا کر دیکھا تو مسجد میں تین صاحب ذکر کر رہے ہیں۔ ایک بے ادب آیا اور اس نے ایک بزرگ کے ایک دھول ماری وہ اٹھے اور ان کے بھی ایک دھول ماری اور بدستور جا کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ پھر اس نے دوسرے بزرگ کے دھول ماری وہ بولے بھی نہیں۔ اور اپنے کام میں لگے رہے۔ پھر اس نے تیسرے

صاحب کے دھول ماری انہوں نے اٹھ کر اس کا ہاتھ دبایا اور کہنے لگے۔ بہت چوٹ لگی ہوگی۔ یہ حالات کے آثار تھے۔ زبانی جمع خرچ سے حالات نہیں حاصل ہوتے۔ اور حال ہی کوئی چیز ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے پاس کیا تھا۔

مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب کے پاس کیا ہے جو علماء کے پاس نہیں کہ وہاں جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہمارے پاس الفاظ ہیں اور وہاں معانی ہیں الفاظ تو معانی کے محتاج ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے محتاج نہیں ہوتے۔

ضاد کی تحقیق بذریعہ خط

احوال کتابوں کے دیکھنے سے نہیں حاصل ہوتے دیکھئے اگر کوئی چاہے کہ کتاب میں ترکیب دیکھ کر روٹی پکالے تو ہرگز بھی نہ ہوگا۔ اگر بری بھلی گھڑ بھی لی تو آنچ کا انداز کیسے ہوگا۔ اور روٹی کچی رہ جائے گی یا ایسا ہے جیسے لوگ بذریعہ خط کے ضاد کے مخرج کی تحقیق کرتے ہیں۔ میں تو اس موقعہ پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

یہ سب تقریر ہواخوری کے راستہ میں ہوئی۔

۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ بروز بدھ

مغرب شب چہار شنبہ میں سورہ ہمزۃ اور سورہ فیل پڑھی اور نماز ڈیرہ سے باہر میدان میں ہواخوری سے لوٹ کر پڑھی۔ نفلیں بیٹھ کر پڑھی آج حضرت کو تکان زیادہ تھا۔ کچھ آدمی بڑھل گنج کے بھی غالباً تھے۔ ۷

اجمیر میں انوار

فرمایا میں اجمیر حاضر ہوا ہوں اسٹیشن پر اترتے ہی معلوم ہوتا تھا کہ تمام شہر پر انوار برستے ہیں۔ نہ معلوم کس طرح سے ان بزرگوں نے خدا کا نام لیا ہے وہاں شرک و بدعت بھی ہے مگر ظلمات پر

انوار غالب ہیں۔

صلحاء کے ساتھ انوار ہوتے ہیں۔

استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک عامی شخص نانوتہ کی مسجد میں نماز پڑھنے آتے اور وہ جب آتے تمام مسجد منور ہو جاتی اول تو پتہ نہ چلا کہ یہ انوار کس سبب سے ہیں پھر بعد غور معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے آنے پر ہوتے ہیں۔ ان کی وضع سے اس کا گمان بھی نہ ہوتا تھا۔

اس لئے ان سے اول اول تذکرہ ہی نہیں کیا احتمال رہا کہ شاید اور کچھ سبب ہو مگر جب تکرار مشاہدہ سے اس کی تعیین ہو گئی کہ یہی شخص اس کا سبب ہیں تو ان سے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ ذاکر شاغل بھی معلوم نہ ہوتے تھے انہوں نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں جانتا مگر حضرت سید صاحبؒ کی صحبت میں البتہ چند روز رہا ہوں۔ یہ اس کی برکت تھی اور مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ میں ایک اسٹیشن پر اترا۔ پلیٹ فارم پر بیٹھا تو وہاں بڑے انوار پائے معلوم ہوا کہ صالح شخص یہاں بیٹھے تھے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ ان حضرات کے احساسات ایسے صحیح اور تیز ہوتے ہیں۔

مزاروں پر فیض ہونا۔

فرمایا حضرت والا نے اپنے سلسلے کے بزرگوں کے مزار پر بڑا فیض ہوتا ہے اور وہ فیض تقویت نسبت ہے۔

عشاء کی نماز میں والتین اور کوئی اور سورت پڑھی اور فجر کی نماز میں سورہ تکویر اور انفطار پڑھی۔ منشی اکبر علی صاحب کل گذشتہ کے دوپہر کو روانہ گورکھپور ہو چکے تھے۔ جیسا کہ صفحہ ۹۰ پر بیان ہوا اور ایک خیمہ روانہ کر دیا گیا تھا۔ اور اہل بڑھل گنج سے وعدہ فرمالیا گیا تھا کہ بدھ کی شام کو اثنائے کوچ میں کھانا کھائیں گے اور وہیں سے شاہ پور کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور راستہ میں قصبہ گولا میں قیام کریں گے۔ یعنی شاہ پور ایک پڑاؤ درمیان میں کر کے پہنچیں گے۔ شام کو بنی ملازم سے پوچھا جنس کا حساب بنئے کا کر دیا گیا یا نہیں۔ عرض کیا ابھی حساب ہوا جاتا ہے۔ فرمایا کسی قسم کا جبر نہ ہونے پاوے

دورہ میں نرخ مقرر نہ کرنا۔

عرض کیا اول دن بنئے سے کہہ دیا گیا تھا کہ بہ نرخ بازار قیمت لگا دے کچھ اور رعایت نہ

کرے اور میں ابھی حساب بے باق کر کے اس کے ہاتھ کی رسید پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

رات کو ملازمین سے فرمایا مناسب ہے، کہ صبح کو سویرے کوچ ہوتا کہ مقام پر جلد پہنچیں۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی یہاں سے چل دیں۔ بعض ملازم نے عرض کیا ایسا ہی ہوگا۔ بعد نماز فوراً ناشتہ تیار ملے گا۔ اس کے بعد برتن صندوق میں لادے جائیں گے اور روانگی ہو جائے گی۔ فرمایا ناشتہ کی بھی ضرورت نہیں بڑھل گنج میں کھانا سویرے ملے گا۔ ناشتہ کی پھر کیا ضرورت ہے۔ مگر صبح کو ناشتہ لایا گیا اور تھوڑا تھوڑا حسب عادت کھا کر چلنے کی تیاری ہوئی اور نماز بھی ذرا سویرے پڑھی گئی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سامان کی روانگی میں دیر ہے۔ فرمایا مصلحت یہ ہے کہ ہم بطور ہوا خوری پیادہ چل دیں اور بڑھل گنج پہنچ جائیں اور یہ سب لوگ وہیں پر ہم سے آ کر مل جائیں۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ یہاں کے ملازمین پر تقاضا ہو جائے گا۔ دوسرے بڑھل گنج والوں پر کھانے کا تقاضا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہاں کھانے میں کچھ دیر ہو چنانچہ خدام نے اسباب ملازموں کے سپرد کیا اور حضرت کے ہمراہ پیادہ پا روانہ ہو گئے۔

روانگی از زہر پور بجانب شاہپور

بروز بدھ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ ۶ بجے ۲۰ دسمبر ۱۶ء

قرآن شریف صندوق میں رکھ کر نیچے رکھنا۔

چلتے وقت منشی محمد اختر صاحب نے عرض کیا میرے بیگ میں قرآن شریف ہے اور بیگ گاڑی میں دیگر سامان کے ساتھ ہمارے نیچے رکھا جائے گا۔ فرمایا حضور ﷺ ہجرت کے وقت مدینہ طیبہ میں حضرت ابوایوبؓ کے یہاں اترے تو انہوں نے مکان میں نیچے اتارا۔ اور آپ اوپر رہے۔ ایک دن ان کو رات کو خیال آیا یہ ادب کے خلاف ہے تو وحشت ہوئی اور اس وقت محاذات سے میاں بی بی دونوں ہٹ گئے اور صبح کو عرض کیا کہ حضرت مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا اور حضور ﷺ کو اوپر منتقل کر دیا اور نیچے خود آ گئے۔ اس سے محترم چیز کے نیچے ہونے کا جواز تو ثابت ہوا خود حضور ﷺ نے اس کو جائز رکھا تھا مگر حضرت ابو ایوبؓ کے دل نے گوارا نہ کیا اور ادب اس کا مقتضی نہ ہوا۔

بعض دفعہ الادب فوق الامر ہوتا ہے۔

یہاں تو امر اباحت تھا۔ اور بعض دفعہ امر وجوب ہوتا ہے اور ادب اس کو مانع ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ سے خود حضور ﷺ نے اپنا نام مبارک مٹانے کے لئے فرمایا۔ یہ امر وجوب تھا مگر حضرت علیؓ اس کی تعمیل نہ کر سکے اور عرض کیا حضور مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا دل نہیں گوارا کرتا کہ قرآن شریف نیچے رکھا جائے بیگ میں سے نکال کر بغل میں لے لو۔

حضرت والا خدام بجانب بڑھل گنج روانہ ہوئے۔ بڑھل گنج کے قریب پہنچے تو قرآن شریف کی کچھ منزل باقی رہ گئی تھی فرمایا ابھی قصبہ میں نہیں جاتے شمال کی طرف ایک سڑک تھی۔ اس پر تھوڑی دور چل کر دوسری طرف سے قصبہ میں داخل ہوں گے۔ دو چار آدمی قصبہ کے مل گئے اور ہمراہ ہو لئے آگے چل کر دیکھا کہ راستوں پر بہت سے آدمی منتظر ہیں وہ بھی ساتھ ہو لئے اس وقت چھوٹا سا اچھا مجمع ہو گیا۔

تعظیم میں غلو نہ چاہئے

دو آدمیوں نے داہنے بائیں حضرت سے ذرا آگے چلنا شروع کیا کہ لوگوں کو ہٹا دیں ایک جگہ بھنگن سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی ان آدمیوں نے اس کو ذرا ڈانٹا ہٹ جا راستہ چھوڑ دے تو حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا تعظیم میں یہ غلو ہے اس کو دل گوارا نہیں کرتا کہ امتیاز کی شان ہو۔

راستہ کسی کی ملک نہیں۔

اور پکار کر فرمایا سن لو یہ مسئلہ ہے کہ راستہ پر کسی کی حکومت جائز نہیں راستہ کسی کی ملک نہیں یہ تو ظالموں کی شان ہے کہ راستے ان کے لئے بند کئے جائیں کہ جب ہم نکلیں سب معطل ہو جائیں مسلمانوں کا کام یہ نہیں پھر بڑھل گنج کی مسجد میں پہنچ کر فرمایا بدعات جیسے کہ عقائد میں ہوتی ہیں اسی طرح اعمال میں بھی ہوتی ہیں۔ راستہ سے لوگوں کو ہٹانا بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے خواص کو بھی اس طرف توجہ نہیں اکرام وہیں تک جائز ہے جب کہ دوسروں کا اضرار نہ ہو۔

ایک بڑھیا حضرت والا کے پاس آئی اور زار زار رونے لگی اور بے حد عقیدت ظاہر کی۔ اور ڈھائی آنے پیسے نذر کئے۔ حضرت نے بہت خوشی سے قبول فرما لئے وہ عورت برابر مسجد تک روتی ہوئی ساتھ رہی۔ بعدازاں جب کھانے سے فراغت پا کر روانہ ہوئے تب بھی وہ روتی ہوئی ساتھ تھی حتی کہ جب قصبہ سے باہر ہو گئے تب وہ بمشکل رخصت ہوئی۔ مسجد میں پہنچ کر فرمایا قرآن شریف جا نمازوں پر رکھ دو تاکہ گلا خالی ہو۔

استیلاء کافر موجب ملک ہے۔

سوال نمبر۱ (چونکہ یہ تقریر بھی مبحث تقلید میں شامل ہے۔ لہذا یہاں سے لغایت صفحہ ۱۱۵ تقریر ادب الاعلام کے آخیر میں بھی نقل کر دی گئی ہے۔) محکمہ تعلیم کے مصارف محکمہ چنگی سے پورے ہوتے ہیں۔ تو محکمہ تعلیم کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں۔ فرمایا استیلاء کافر موجب ملک ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہاں بھی مسئلہ ابوحنیفہ ہی کا کام آتا ہے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی کے فقہ پر نہیں چل سکتی سوائے فقہ حنفی کے ایک سیاسی کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربہ کی خبر دیتا ہے۔

احتساب سلطان کا کام ہے۔

امام ابوحنیفہ کی عجیب نظر ہے دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کو توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ دے تو ضمان لازم آئے گا یہ کام سلطان کا ہے وہ احتساب کرے اور توڑے پھوڑے اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سوائے سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ وجدل اور فتنہ ہوتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ علی ہذا اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ خاص ہے۔

فقیہ جامع ہونا چاہئے

فقہ بڑی مشکل چیز ہے فقیہ کو بڑا جامع ہونا چاہئے فقیہ بھی ہو اور محدث بھی ہو متکلم بھی ہو سیاسی دماغ بھی رکھتا ہو بلکہ کہیں کہیں طب کی بھی ضرورت ہے۔ فقہ بڑی مشکل چیز ہے مگر آجکل بعض لوگوں نے اس کی کیا قدر کی ہے کہ فقہا پر سب وشتم کرتے ہیں۔ یہ گروہ نہایت درجہ مفسد ہے یہ لوگ جان جان کر فساد کرتے ہیں اور اشتعال دلاتے ہیں بعض وقت تو ذرا سی بات میں بڑا فتنہ ہو جاتا ہے۔

آمین بالجہر کا قصہ

ایک شخص نے کہا حضور ہاں یہاں ایک جگہ مقلدین کی جماعت میں ایک غیر مقلد کھڑا ہو گیا۔ اور آمین زور سے کہی تو اس سے بڑا فساد ہوا اور پولیس تک نوبت پہنچی اور مقدمہ کو بڑا طول ہوا۔ فرمایا حضرت والا نے اس پر جنگ وجدل کرنا ہے تو زیادتی۔ لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ عمل کچھ ہو مگر جس نیت سے کیا جائے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اگر اس نے خلوص سے اور عمل بالسنت کی نیت سے کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

آجکل آمین بالجہر بہ نیت خیرنہیں

غیر مقلدین کی آمین اکثر صرف شورش اور مقلدین کے چڑانے کے لئے ہوتی ہے۔ میرے بھائی محمد مظہر نے قنوج میں غیر مقلدین کی آمین سن کر کہا آمین دعا ہے اس میں خشوع کی شان ہونی چاہئے اور ان لوگوں کے لہجہ میں خشوع کی شان نہیں ہے۔ سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑ رہے ہیں اس نے عرض کیا یہ واقعی بات ہے۔ مقدمہ مذکور جب پولیس میں پہنچا تو ایک ہندو تھانیدار اس کی تحقیقات پر تعینات ہوا۔ اور وہ بہت سمجھدار تھا۔ اس نے فساد کا الزام غیر مقلدین پر ہی رکھا اور رپورٹ میں لکھا کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں اور بلاوجہ اشتعال دلاتے ہیں اور آمین صرف فساد اٹھانے کے لئے کہتے ہیں۔ اس پر غیر مقلدین نے بڑا غل مچایا اور کہا آمین مکہ میں بھی ہوتی ہے داروغہ نے کہا مکہ میں آمین خدا کی یاد کے لئے ہوتی ہوگی دنگہ کے لئے نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں دنگہ کے لئے ہے۔

آمین بالجہر اور بالسر اور بالشر

حضرت والا نے فرمایا کہ میرا شریک حجرہ ایک لڑکا بیان کرتا تھا۔ کہ ایسے ہی ایک موقعہ پر ایک انگریز نے تحقیقات کی اور اخیر میں گویا تمام واقعہ کا فوٹو کھینچ دیا اور کہا آمین تین قسم کی ہے ایک آمین بالجہر اور اہل اسلام کے ایک فرقہ کا وہ مذہب ہے، اور حدیثیں بھی اس کے ثبوت میں موجود ہیں اور ایک آمین بالسر ہے اور وہ بھی ایک فرقہ کا مذہب ہے، اور حدیثوں میں بھی موجود ہے تیسری آمین بالشر ہے جو آجکل کے لوگ کہتے ہیں۔

امام صاحب پر ایک اعتراض کا جواب

پھر اس شخص نے بیان کیا کہ اسی ہندو داروغہ کے سامنے غیر مقلدوں نے امام صاحب ابو حنیفہ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب قائل ہیں کہ اگر کوئی محرم عورت سے نکاح کر لے اور وطی کرے تو اس پر حدود واجب نہیں یہ کیسی غلطی ہے۔ فرمایا حضرت والا نے اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اس کے لئے دو مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ہے ادرؤا الحدود بالشبہات ۔ ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں۔ شبہ کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہت کے لئے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف امام صاحب نے

حدود کے ساقط کرنے کے لئے ادنی درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے حد کو ساقط کر دیا انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے۔

یہ اور بات ہے کہ ایک صحیح معنی کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنا دی جائے۔ اس مسئلہ کی حقیقت تو غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے۔ لیکن اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بالمحرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورتوں سے بیان کر کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ البتہ اعتراض جب تھا کہ اس امام صاحب کوئی زجر د احتساب تجویز نہ کرتے ایسے موقعوں پر جہاں حد کو ہمارے فقہاء ساقط کرتے ہیں تعزیز کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے موقعے تمام ائمہ کے نزدیک بہت سے ہیں کہ شبہ سے حد ساقط ہوگئی۔

آخر حدیث کی تعمیل کہیں تو ہوگی۔ اور کوئی تو موقعہ ہوگا جہاں ادرو الحدود بالشبہات کر کے دیکھا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ فعل جس پر حد شبہ سے ساقط ہوگئی چنداں برا نہیں سمجھا گیا صرف فرق اتنا رہا کہ امام صاحب ادنی شبہ کو بھی کافی سمجھتے ہیں اور، اور لوگ تھوڑے شبہ کو معتبر نہیں سمجھتے۔

پھر غایت درجہ کا اتباع حدیث یہ ہوا یا وہ۔ کیا اندھیر ہے کہ ایسے شخص کو تارک حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھے۔ وہ تو کس قدر عامل بالحدیث ہے فدا ہو جانا چاہئے۔ ایسے شخص پر امام مالک صاحب تو خبر واحد پر بھی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں ان کو تو لوگ عالم بالحدیث کہتے ہیں اور امام صاحب حدیث ضعیف پر بھی قیاس کو مقدم نہیں رکھتے اور ان کو تارک حدیث کہتے ہیں۔

حضرت والا نے اہل بڑھل گنج سے فرمایا کل بوقت وعدہ دعوت ہم نے تخمینہ دس آدمیوں کا کیا تھا اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ چودہ پندرہ آدمی ہو جائیں گے لوگوں نے عرض کیا اس کا کیا خیال فرمایا پندرہ کیا سولہ ہو جائیں تو کیا ہے فرمایا اطلاع تو کر دینا چاہئے۔

جس چیز کا نرخ بدلتا ہے زکوۃ کس طرح دی جائے

سوال: رنگ (پڑیہ) کا نرخ بدلتا رہتا ہے تو زکوۃ کس نرخ کے حساب سے دی جائے۔ فرمایا اداء زکوۃ کے وقت کے نرخ کا اعتبار ہے اور اگر اس وقت بھی مختلف ہو تو نرخ وسط کا اعتبار ہوگا یا عمدہ ترکیب یہ ہے کہ چالیسواں حصہ رنگ تول کر نکال دے اور زکوۃ میں دیدے۔ عرض کیا گیا کہ آجکل پڑیہ میں لوگوں کو بڑے بڑے نفع ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ ابھی نرخ اور بڑھے گا اس واسطے بہتوں نے پڑیہ کو

روک رکھا ہے بلکہ خرید خرید کرر کھے جاتے ہیں۔

زکوۃ میں نکالی ہوئی چیز کوخریدنا مکروہ ہے

اگر یہ زکوۃ میں نکالا ہوا رنگ کسی مسکین کی ملک میں دیکر پھر خرید لیا جائے تو آئندہ نفع ہوسکتا ہے۔

فرمایاہاں۔مگرفقہانے زکوۃ میں نکالی ہوئی چیز کے خریدنے کومکروہ لکھا ہے کیونکہ غالباً وہ مسکین قیمت میں رعایت کرے گا۔اور اگر رنگ خریدنے والاخریدتے وقت مالک نصاب نہ تھا اور اب زیادتی قیمت کی وجہ سے صاحب نصاب ہوگیا تب بھی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

حقیقت اشیاءتک پہنچنا صرف وحی سے ممکن ہے

مسجد بڑھل گنج میں بیٹھے ہوئے فرمایا عقلاءزمانہ کے رسوم اختراعیہ کودیکھ کروحی کی قدر ہوتی ہے۔ کہ ہم کو بلا مشقت رسول اللہ ﷺ نے حقیقت تک پہونچادیا۔عقل سے حقیقت تک پہنچنا ہوتا ہی نہیں۔

لاعدوی کی تفسیر

دیکھئے طاعون کے بارہ میں اختلاف ہےڈاکٹروں میں دوفریق ہوگئے ہیں ایک متعدی مانتا ہے۔اور دوسرانہیں مانتا جب دو مذہب ہو گئے تو بس ایک شق یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لاعدوی ہمیں حقیقت معلوم ہوگی کہ شقین میں سے یہ شق واقعی اور حق ہے۔'اور دوسری باطل مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا حدیث میں لاعدوی وارد ہےاس سے نفی ہوئی متعدی ہونے کی اور یہ لفظ بھی ہے۔'من احوب الاول''اس سے اور تاکید ہوئی نفی تعدیہ کی اور ایک معنی اور بھی ادا ہوگئے وہ یہ کہ من سے مرادکون سے ظاہر ہے کہ حق تعالی مراد ہیں تو یہ معنی ہوئے کہ حق تعالی نے متعدی کر دیا۔ایک عدوی کی نفی ہوئی اور ایک عدوی کااثبات۔تو اس کے یہی معنی ہوئے کہ عدوی جاہلیت کی نفی فرمائی اور عدوی بامر الٰہی کا اثبات تو اس میں اور تحقیق سائنس میں اختلاف کیا ہے اہل سائنس بھی تو یہ نہیں کہتے کہ بیماری خود اپنے اختیار سے لگ جاتی ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قانون قدرت یہ ہے کہ جب ایک کو طاعون ہوتا ہے تو دوسرے کو بھی ہوتا ہے۔فرمایا یہ مسلم نہیں کہ اہل سائنس کاعقیدہ جاہلیت کا سانہیں بلکہ یہ لوگ عدوائے جاہلیت کے قائل ہیں دلیل یہ ہے کہ اس کے خوف سے حقوق واجبہ تک تلف کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالی کے خوف سے بھی زیادہ اس کا خوف ہے۔پھر کیسے مان لیا جائے کہ عدوی باذن الٰہی کے قائل ہیں رہا اس کو

قانون قدرت کہنا اس کے معنی انکے نزدیک ایسے ہیں جس سے حق تعالیٰ علت موجبہ قرار پاتا ہے اور اعتقاد اہل حق کا فاعل مختار ماننے کا ہے۔

ہاں اہل اسلام اس کے خوف میں اتنا مبالغہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کو فاعل بالذات نہیں مانتے۔ کوئی چیز بھی فاعل بھی بالذات نہیں۔ اطبائے اسلام نے سمجھا ہے اس نکتہ کو وہ ہر جگہ باذن خلقہا کی قید لگاتے ہیں۔ تو اگر یوں سمجھیں کہ بیماری کوئی موثر چیز نہیں بلکہ ہوا کے تعفن سے دوسروں پر بھی اثر ہوتا ہے اور بیماری پیدا ہو جاتی ہے کچھ حرج نہیں۔ اس سے جمع ہو جاتی ہے احادیث میں مثلاً ایک حدیث میں ہے فرمن المجذوم کما تفر من الاسد نیز دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ ایک جگہ وبا ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا یہاں سے ہٹ جاؤ ان دونوں حدثیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیماری متعدی ہے اور حدیث لا عدوی میں تصریح ہے اس کی نفی کی تو دونوں میں جمع کی یہی صورت ہے عدوی بالذات کی نفی اور عدوی باذن اللہ کا اثبات کیا جائے محققین کی تحقیق یہی ہے (لا عدوی کی تحقیق حضرت والا کی لکھی ہوئی کتاب اصلاح الطب مقالہ اول میں ہے۔

رفقاء کا خیال رکھنا

اطلاع آئی کہ کھانا تیار ہے پوچھا ہمارے ہمراہی ملازموں میں سے کون کون آ گیا۔ معلوم ہوا بعض آ گئے ہیں اور بعض باقی ہیں اور عنقریب آنے والے ہیں۔ فرمایا ہم چلیں وہ لوگ بھی پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ایک مکان پر مسجد سے ذرا فصل پر کھانا کھانے کے لئے بلائے گئے۔ دستر خوان پر بیلن پڑے کی روٹیاں تھیں اور ارہر کی دال اور خشک اور گوشت تھا۔ کھانا شروع کرتے وقت پوچھا گیا دیگر لوگ آ گئے یا نہیں معلوم ہوا ابھی نہیں آئے۔ فرمایا ممکن ہے کہ مسجد کے پاس آئے ہوں لہذا ایک آدمی وہاں رہنا چاہئے تاکہ ان کو یہاں لے آئے۔ چنانچہ ذرا دیر میں جملہ مسلمان ملازم آ گئے حتی کہ فیل بان بھی مع ہاتھی کے آ گیا۔ فرمایا ان کو کھانا ہاتھی پر دیدیا جائے کیونکہ ہاتھی کو چھوڑ کر یہاں آنا مشکل ہے مگر فیل بان نے حضرت والا کی شرکت نہ چھوڑی اور ایک بچہ کو ہاتھی پر چھوڑ کر شامل ہو گیا۔

اس وقت ہمارے مجمع کے آدمی تخمیناً پندرہ تھے اور دیگر صاحب خانہ کے شناسا مل کر پچیس آدمی ہوں گے۔ کھانا کھا کر سڑک کی طرف چلے لوگوں نے عرض کیا کھانے میں کسی قدر دیر ہوئی حضرت معاف فرما دیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ لا پروائی کی گی۔ ہم تو تمام رات جاگے ہیں بلکہ وجہ یہ ہوئی کہ ... تا

یں دفعہ پکایا گیا مگر نمک ذرا زیادہ ہو گیا۔ اس واسطے اس کو الگ کیا اور دوبارہ گوشت کٹوایا قصائی کے ملنے میں دیر ہوئی غرض دوبارہ تیاری میں یہ دیر لگی۔ فرمایا بڑا افسوس ہوا آپ لوگوں کی تکلیف پر اگر نمک زیادہ ہو گیا تو کچھ حرج نہ تھا۔ ذرا سا پانی بڑھا دیتے ناحق تکلیف اٹھائی اور نقصان کیا یہ آپ کی محبت ہے کہ اتنی تکلیفیں گوارا کیں حق تعالیٰ آپ کے یہاں برکت دے۔ سڑک پر پہنچ کر سوار ہونے سے پہلے معلوم کیا کہ سب لوگ آ گئے یا نہیں جب سب کو دیکھ لیا تب سوار ہوئے مولوی ابوالحسن صاحب بھی موجود تھے بعض لوگوں کی تجویز یہ تھی کہ حضرت والا اور تین خدام ہاتھی پر سوار ہوں باقی اسباب کی گاڑیوں پر غالب وجہ اس کی صرف حضرت والا کے واسطے امتیاز رکھنا تھی۔

فرمایا جس میں آرام ہو اسی کو اختیار کریں گے۔ احقر نے عرض کیا ہاتھی کی سواری پر منزل کرنا دشوار ہے جگہ تنگ اور حرکت زیادہ تکان بہت جلد ہو جائے گا۔ چنانچہ گاڑی ہی کو پسند فرمایا گاڑی بہت بڑی تھی نیچے اسباب وغیرہ اور خیمہ وغیرہ بھروا کر اوپر نواڑ کا پلنگ باندھ کر قالین اس پر بچھا دیا گیا تھا آرام کے ساتھ حضرت والا اور احقر اور مفتی محمد یوسف صاحب اور مولوی محمد اختر صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب اس پر سوار ہوئے اور دوسری گاڑی پر ملازمان اور دیگر اسباب تھا۔ مولوی عبدالغنی صاحب یہاں سے رخصت ہوئے تاکہ سرائے میر اور مئو کے لوگوں کو اطلاع دیں کہ حضرت والا شاہ پور سے واپس ہو کر وہاں پہنچیں گے اور مولوی ابوالحسن صاحب کے ہمراہی اشخاص بھی رخصت ہوئے۔

تقریباً ۵۰ آدمی گاڑی کے ساتھ مشایعت کے لئے بڑھل گنج کے باہر تک رہے بازار کے لوگ پوچھتے تھے یہ کوئی بارات ہے یا کیا ہے قصبہ ختم ہونے کے بعد بادل ناخواستہ سب لوگ واپس گئے ان میں وہ بڑھیا بھی تھی جو صبح کو قصبہ میں داخل ہوتے وقت روتی ہوئی ساتھ ہوئی تھی۔ اس پر اس قدر اثر تھا کہ قصبہ کے باہر تک روتی ہوئی ساتھ چلی آئی۔ حضرت فرماتے پرانی عورتوں میں بہت محبت ہے بمشکل اس کو قصبہ کے ختم پر واپس کیا۔

پورب کی ایک عجیب رسم

لوگوں کے رخصت ہونے کے وقت حضرت والا پر بھی ایک خاص اثر تھا۔ ۹ بجکر ۵۵ منٹ پر بڑھل گنج سے روانہ ہوئے۔ قصبہ کے باہر دیکھا کہ چھوٹا سا گھیر بنا کر اس کے اندر بہت سی مورتیں ہاتھی کی اور ہاتھی کے بچوں کی کوئی مع سوار اور کوئی بلا سوار کے ہاتھ بھر تک اونچی رکھی ہوئی ہیں۔ احقر نے ایک شخص

سے پوچھا یہ کیا ہے اس کا نام ڈی ہے۔ یعنی گاؤں کے مالک۔ یہ اس واسطے بنا دیتے ہیں کہ چڑیل اور بھوت پریت کو یہ گاؤں کے اندر نہ جانے دے۔ گویا گاؤں کے یہ محافظ ہیں۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ خیالات بھی کیا چیز ہیں تو ہم پرستی ان لوگوں میں بہت ہی زیادہ ہے۔

حق موروثیت کے متعلق بحث

مولوی محمد اختر صاحب نے پوچھا قانون موروثیت کی بعض لوگ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے ملک کو فتح کیا تو اس کو ہر طرح سے اقتدار حاصل ہے اب اس نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمینیں واپس دیں اور کئی قبضہ مالکانہ دیا اور کسی کو حق آسائش۔ تو حق موروثیت مان لینے میں کیا حرج ہے فرمایا یہ توجیہ علم شریعت نہ ہونے کی وجہ سے کی گئی۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کا اقتدار مالکانہ بھی مان لیا جائے تب بھی زمین دار کو مالکانہ دینا اس کا موجب ہے۔ کہ کل حقوق مالکانہ اسی کی ملک ہوں کیونکہ قاعدہ مسلم ہے کہ الشی ء اذاثبت ثبت بلوازمہ۔ قبضہ مالکانہ دینے کے بعد دوسرے کا قبضہ نہ اٹھ سکنا کوئی معنی نہیں رکھتا یہ ایسا ہے جیسے کسی ایک چیز کو دیں اور کہیں کہ تمھاری ملک ہے۔ مگر کوئی تصرف اس میں نہیں کر سکو گے تو ظاہر ہے کہ یہ شرط باطل ہے بعض لوگوں نے اور ایک توجیہ کی ہے وہ یہ کہ گورنمنٹ نے حق مالکانہ کسی کو بھی نہیں دیا نہ زمیندار کو نہ کاشت کار کو بلکہ سب کو زمینیں عاریتاً دی ہیں۔ لہذا اس کو اختیار ہے کہ جو تصرف اپنا چاہے باقی رکھے۔ اور حق آسائش زمیندار کو اسی اختیار کی رو سے دیا ہے۔

میں نے اعتراض کیا کہ اگر سب کے پاس آراضی عاریت ہیں تو آپس میں بیع وشریٰ ہبہ وغیرہ کیسے ہو سکتا ہے یہ معاملات بلا ثبوت ملکیت کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ آپس میں بھی یہ معاملات ہوتے ہیں اور عدالت تک بھی نوبت آتی ہے اور عدالت بھی جملہ حقوق کو برقرار رکھتی ہے بیع نامے لکھے جاتے ہیں اور داخل خارج ہوتا ہے۔ زرثمن دیا جاتا ہے میراث میں آراضی منتقل ہوتی ہے اس پر فیصلے دیئے جاتے ہیں یہ امارت عاریت کے ہیں۔ یا ملک تام کے ان سے ملک کا پورا ثبوت ملتا ہے اور جب ملک ثابت ہے تو موروثیت سوائے اس کے کہ قبضہ غاصبانہ ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔

ذکر سے تصنع بالکل نہیں رہتا

فرمایا مولوی عبدالغنی صاحب ماشاءاللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں پہلوان آدمی ہیں۔

پھر علمی و عملی کمال جدا مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے سب اصلاحیں اس سے ہو جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ذکر بناوٹ کو تو بالکل ہی اڑا دیتا ہے۔

مولوی عیسٰی صاحب بہت خوش پوشاک تھے ایک دن کہنے بھی لگے کہ تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے ان اللہ جمیل و یحب الجمال میں ستنار ہا بعد میں میں نے کہا مولوی صاحب اسی وقت تک یہ سب ہے۔ جب تک کہ حقیقت منکشف نہیں ہوئی اور جب حقیقت منکشف ہو گی تو ان اللہ جمیل و یحب الجمال سے استدلال رکھا جائے گا صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آ جائے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون میں رہے۔ اب ان کی حالت دیکھئے کہ اچکن اور گھڑی اور وضع قطع سب بھول گئے غریبوں کی سی وضع ہو گئی۔ اب وہ ایک ضلع میں ہیڈ مولوی ہیں۔ طالب علموں کی طرح سے رہتے ہیں جھومتے جھامتے چلتے ہیں۔ راستہ میں ملنے والوں کو پہچانتے بھی نہیں ان کی حالت دیکھ کر الہ آباد میں اسکول میں طالب علموں نے میرے وعظ میں آنا چھوڑ دیا تھا اس ڈر سے کہ انہیں کی طرح ہم بھی نہ ہو جائیں۔ دیکھو اب کہاں گیا ان اللہ جمیل و یحب الجمال۔ سے استدلال

ذکر سے اپنا ہوش نہیں رہتا

بات یہ ہے کہ بناوٹ اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب تک کہ تن بدن کا ہوش ہو اور یہ ہوش جب ہوتا ہے جب کہ اور کوئی شغل نہ ہو ذکر ایسی چیز ہے کہ تمام ہوش کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ خواجہ عزیز الحسن صاحب کو دیکھئے کہ ڈپٹی کلکٹر تھے مگر چپراسیوں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں۔ ان کو لوگ وضع قطع پر بہت ٹوکتے ہیں مگر حالت کسی پر طاری ہو تب وہ جانے۔

خواجہ صاحب کا ایک قصہ

میں ایک دفعہ سردی کے موسم میں خواجہ صاحب کے یہاں مہمان تھا میں نے صبح کا وضو کیا رومال سے منہ پونچھا اور کنگھی کی اور عمامہ باندھا جرابیں پہنیں۔ خواجہ صاحب کے خاندان کی ایک بڑی بوڑھی بی بی کہیں سے دیکھ رہیں تھیں (عورتوں کی عادت ہوتی ہے پیر کو جھانکنے کی) خواجہ صاحب سے کہنے لگیں دیکھ تو تو جن کا مرید ہے وہ تو انسانیت کے ساتھ رہتے ہیں رومال بھی ہے جوتا بھی صاف عمامہ بھی اچھا باندھتے ہیں صورت شکل سنوارے رہتے ہیں ایک تو ہے نہ کپڑے کا ہوش ہے نہ جوتے کا نہ رومال

ہے نہ داڑھی میں کنگھی ہے ایک ہونق سا رہتا ہے خواجہ صاحب نے یہ قصہ آ کر مجھ سے بیان کیا میں نے کہا اور تو کچھ بھی ہو مگر اس سے یہ بڑا فائدہ ہوا کہ ان کے ذہن میں اب یہ تو نہ رہا ہوگا کہ میں نے آپ کو بگاڑا ہے۔ بات یہی ہے کہ ذکر اللہ سے تعمیر باطن ہوتی ہے اور تعمیر ظاہر میں فرق ضرور آ جاتا ہے۔

احوال اور موارداور خوارق اہل باطل سے بھی ہوتے ہیں

فرمایا احوال اور مواجید اہل باطل پر بھی ہوتے ہیں اور خوارق اہل باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں تو یہ سب علامات حقانیت نہیں ہو سکتے اور ما بہ الفرق صرف شریعت رہی اگر صاحب حال مواجید وخوارق متبع شریعت ہے تو کامل ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کسی درجہ میں بھی نہیں۔

شعر کورکورانہ مرو در کربلا کا مطلب

پوچھا گیا اس شعر کا مطلب کیا ہے۔

کور کورانہ مرو در کربلا

تا نیفتی چوں حسینؓ اندر بلا

فرمایا تا بمعنی جب تک ہے یعنی جب تک حضرت حسین کی طرح بلا یعنی مجاہدہ میں نہ پڑ چکو کربلا یعنی مقام عشق میں جانے کا نام مت لو۔ اور اس شعر کا مطلب پوچھا گیا۔

''مرمرا تقلید شاں برباد، داد''

حضرت نے فرمایا کہ اس شعر کا مطلب تو صاف ہے۔ کیونکہ یہ مقولہ ہے اس صوفی کا جس نے دوسروں کو ''خر بہ رفت وخر بہ رفت وخر بہ رفت گاتے ہوئے بلا تحقیق مقصود خود بھی خر بہ رفت وخر بہ رفت کہنا شروع کیا تھا اور اس کورانہ تقلید کی بدولت اپنا گدھا کھو بیٹھا تھا۔

شعر مرمرا تقلید شاں برباد کا مطلب

ہاں مولانا کے دوسرے اشعار جن میں تقلید کی مذمت ہے مثلاً یہ کہ۔

زانکہ بر دل نقش تقلید است و بند

رد بآب چشم بندش رابرند

زانکہ تقلید آفت ہر نیکوئی است

کہ بود تقلید اگر کوہ تو بست

قابل تحقیق ہیں سو جواب یہ ہے کہ یہاں تقلید سے مراد مجتہدین کی تقلید نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بلا اطلاع علی حقیقۃ الحال دوسروں کی نقل کرنا ہے سو یہ تقلید اگر بری باتوں میں ہے تو مطلقاً مذموم ہے کم ہو نظاہر اور اگر اچھی باتوں میں ہے تو مذموم اضافی یعنی تحقیق کے مقابلہ میں مذموم ہے گو فی نفسہ محمود ہے۔ چنانچہ خود مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

ہم مقلد نیست محروم از ثواب
نوحہ گر مزد باشد در حساب

مولوی ابوالحسن صاحب نے پوچھا کل آپ نے فرمایا تھا کہ وحدۃ الوجود کو میں افضل الاحوال وارفع المقامات سمجھتا ہوں۔ وحدۃ الوجود کے معنی میری سمجھ میں نہیں آتے فرمایا آپ کیا سمجھتے ہیں۔ عرض کیا میں وہی سمجھتا ہوں جو حضرت نے کلید مثنوی میں لکھا ہے جس کا نام وحدۃ الشہود ہے کیا وہ اور یہ ایک ہیں فرمایا ہاں صرف اختلاف عنوان ہے۔ (اس کے بعد اس پر طویل تقریر فرمائی اور اس مسئلہ کو ایسی وضاحت سے بیان فرمایا۔ جس کی نسبت بما لا مزید علیہ کہنا صحیح ہے اور خود ہی فرمایا کہ میں نے ہندی کی چندی کر دی۔ اور اسی کے ضمن میں مقامات انبیاء کے متعلق بھی تقریر فرمائی اور احقر کی درخواست پر اسکا نام ادب الالوھیۃ والرسالۃ تجویز فرمایا۔ افسوس ہے کہ اس کا مسودہ بھی ایسا گڑبڑ ہو گیا کہ صاف نہیں ہو سکا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

یہ تقریر نہایت مبسوط تھی اور شافی وکافی تھی۔ احقر نے عرض کیا افسوس ہے کہ آج کی تقریر کے الفاظ محفوظ نہ رہے گو یہ تقریر حضرت کی تحریر میں کہیں مل جائے گی لیکن وہ ایسی نہ ہو گی۔ فرمایا میری تقریر میں تو وسعت ہوتی ہے اور تحریر تنگ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ میں بھی نہیں سمجھتا (احقر کہتا ہے تنگی تحریر کے معنی یہ ہیں کہ وہ مختصر ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ افادہ مطلب سے بھی تنگ ہوتی ہے کما ہو مشاہد فی جملۃ تحریراتہ اور وجہ اس کی یہ کہ اختصار اور ترک لایعنی حضرت کی طبیعت میں داخل ہے گویا طبیعت ثانیہ ہے اور اس کا بیان حضرت کے ایک ملفوظ میں موجود ہے۔ جس کو مختصراً حسن العزیز سے نقل کیا جاتا ہے صفحہ ۴۸ نمبر ۷۱۔ جی چاہتا ہے کہ قلب کو فارغ اور مہیا رکھا جائے گو توجہ بحق کی توفیق نہ ہو۔ مگر مانع تو کم رہیں یعنی قلب کو تیار رکھنا چاہئے۔ تاکہ جس وقت توفیق ہو آسانی کے ساتھ اس کو متوجہ کر سکے انتہا ظاہر ہے کہ اگر تحریر میں بسط

کیا جائے تو دیر زیادہ لگتی ہے اس واسطے قلب اس کو گوارا نہیں کرتا۔ اور تقریر میں دیر کم لگتی ہے۔ اس واسطے تامل نہیں فرماتے۔

انوار کیا چیز ہیں

سوال: مولوی ابوالحسن صاحب نے پوچھا انوار جو نظر آتے ہیں وہ کیا ہیں فرمایا اکثر تو وہ اخلاط ہوتے ہیں جو منور ہو جاتے ہیں حرارت و یبوست سے اور کبھی ملکوتی بھی ہوتے ہیں۔ مگر بہت شاذ و نادر۔ میں تو کہتا ہوں (اپنے تجربہ سے تو نہیں میں خود محروم ہوں) مجھے کوئی ذاکر اب تک ایسا نہیں ملا جسے ملکوتی انوار بھی نظر آئے ہوں کبھی قلب نے شہادت نہیں دی کہ ان کے انوار ملکوتی ہیں اور جبروتی اور لاہوتی تو کہاں مولوی صاحب نے عرض کیا یہ دونوں (جبروتی اور لاہوتی) ممکن بھی ہیں۔ فرمایا ہاں تجلی مثالی کے طور پر (تجلی مثالی کی تحقیق تقریر ادب الالوہیۃ والرسالۃ میں ہے) فرمایا میں انوار سے بہت بدظن ہوں بعضوں کی طبیعت اس کے بہت مناسب ہوتی ہے چنانچہ بنگالیوں کو انوار بہت نظر آتے ہیں اس کی بڑی وجہ یکسوئی قلب ہے اور جس میں عقل کم ہوتی ہے اس کو یکسوئی ہوتی ہے بنگالیوں میں سیدھا پن ہوتا ہے اس واسطے انوار زیادہ نظر آتے ہیں۔

مراقبہ مفید ہے

سوال: مولوی ابوالحسن صاحب نے پوچھا مراقبہ اور خیال باندھنا مفید ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں مگر مقصود نہیں۔ مثلاً مراقبہ الم یعلم بان اللّٰہ یریٰ۔ بتایا جاتا ہے اس سے حضوری میں ترقی ہوتی ہے۔

کشف قبور کی اصلیت

سوال: مولوی ابوالحسن صاحب نے پوچھا کشف قبور کی کیا اصلیت ہے کیا واقعی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہی قوت جہاں چاہے صرف کرلو۔ مگر بیکار ہے اور کوئی کام کی بات نہیں لوگ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کچھ بھی نہیں۔ کشف قبور کبھی صحیح بھی ہوتا ہے۔

ایک قصہ بابت روا مانت

چنانچہ ایک قصہ ہے کہ ایک قبر پر ایک مسافر شخص نے فاتحہ پڑھی اس کو اسکا حال منکشف ہوا

کہ عذاب میں مبتلا ہے اور نظر آیا کہ وہ نہایت منت و سماجت کے ساتھ ہاتھ جوڑتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس ایک امانت تھی وہ میں نے رد نہیں کی بلکہ مکر گیا اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں اب وہ امانت میری بیوی کے پاس ہے تم للہ اس سے واپس کرا دو تا کہ میں عذاب سے چھوٹ جاؤں۔ اس کی بیوی سے کہا گیا اس نے اقرار کیا اور اس کا علم بجز بیوی کے کسی کو نہ تھا۔

تصوف اور فقہ کی نسبت امام مالک صاحبؒ کا قول

فرمایا امام مالک صاحب کا قول مشہور ہے۔

"من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق"

یہ روایت میں نے جامع التفاسیر مصنفہ نواب قطب الدین خان صاحبؒ میں دیکھی ہے۔

دنیا بہت تھوڑی سی ہی کافی ہے۔ رجاء کو غالب رکھنا چاہئے

قصبہ گولا کے قریب پہنچے تو ایک بہت ہی ٹوٹی پھوٹی ہوئی جھونپڑی میں ایک بچہ کو پڑا ہوا دیکھا جو صرف اس قابل تھی کہ دھوپ سے بچا سکے فرمایا دیکھئے اس میں بھی کوئی انسان ہی گذر کرتا ہے۔ بسر کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ باقی ہوس ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا بڑا ڈر لگتا ہے آخرت سے فرمایا۔ رجاء کو غالب رکھنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے ایمان دیا ہے۔ یہ امارت قصد رحمت کی ہے۔ گو سزا اپنی نالائقیوں سے بھگتنی پڑے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ہو ہی جائے گی۔ خوف غالب کرنے سے یاس ہوتا ہے۔ پھر آدمی سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۲ بجے دن کے قصبہ گولا میں پہنچے۔ ڈیرہ قصبہ سے آگے بڑھ کر ایک باغ میں لگایا گیا تھا اس میں پختہ تالاب بھی تھا اور اتھا کر دورہ تالاب کے غرب میں اور شرق کی طرف ہمارا ڈیرہ تھا۔ قصبہ تقریبا نصف فرلانگ دور تھا عصر کی نماز بھی ڈیرہ میں پڑھی۔

قضائے حاجت کے لئے دور جانا

آج بوجہ تکان عصر کے بعد ہوا خوری کو نہیں گئے۔ پائخانہ کی قنات اس وقت تک کھڑی نہیں ہوئی تھی حضرت والا کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہاں سے قریب نصف فرلانگ کے دور تشریف لے گئے

(اقول ھو موافق الحدیث ابعد فی المذھب) کچھ شکر قندیاں بطور ناشتہ لائی گئیں۔

۲۴ صفر ۱۳۳۵ھ یوم الخمیس ۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء

کافر کی زمین میں اذان کہنا

شب پنجشنبہ میں مغرب کی نماز ڈیرہ میں پڑھی مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا اذان کہہ دی جائے۔ فرمایا ہندو کی زمین ہے وہ برا مانے گا۔ احقر نے عرض کیا اور قصبہ بھی بہت قریب ہے، مسجد بھی قصبہ کے آخر میں ہے اس میں اذان ہوتی ہوگی اذان الحی یکفینا پر عمل ہوسکتا ہے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد عشاء کے وقت سامنے ٹھا کر دوارہ میں گھنٹہ بجایا تو فرمایا دیکھو یہ محذور تھا۔ اذان کہنے میں سامنے شوالا ہے اذان ہوتی تو مالک زمین برا مانتا اور خوشی سے اجازت ٹھیرنے کی نہ دیتا تو ٹھیرنا جائز نہ ہوتا۔

عشاء کی نماز میں سورہ تین اور تکاثر پڑھی رات کو یہ تجویز ہوئی کہ صبح کو سفر بہت سویرے ہو۔ اور کھانا کل دو پہر کا یہیں سے تیار کر کے ساتھ لے لیا جائے تا کہ شاہ پور میں پہنچ کر ملازمین کو زحمت نہ ہو اور دیر نہ لگے بعض ملازم نے عرض کیا برتن ہمارے پاس کم ہیں دو تین قسم کا کھانا کس طرح ساتھ لیں گے۔ فرمایا دو تین قسم کی ضرورت نہیں۔ ایک قسم کا کھانا لے لو۔

چنانچہ صرف آلو گوشت لے لیا گیا۔ اور فرمایا اسباب بھی گاڑیوں میں لاد کر رات ہی کو تیار کر دیا جائے تا کہ صبح کو دیر نہ لگے۔ معلوم ہوا کہ شاہ پور میں بنگلہ موجود ہے اس واسطے ڈیرہ کے اکھاڑنے کا بھی انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ ڈیرہ ہم سے پیچھے آتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جانوروں کی آوازوں کے مدلولات

۸

بعد مغرب جانوروں کے مدلولات کا ذکر ہوا۔ فرمایا کسی کا قصہ ہے کہ وہ جانوروں کی بولی سمجھنے کا دعوی کرتا تھا۔

گیدڑوں کی آوازوں سے ایک واقعہ کا علم

ایک دن لوگوں نے ایک ایسے شخص کو جو گیدڑ کی بولی بولنا جانتا تھا ایک جگہ جنگل میں ایک خندق کے اندر بٹھا کر بلوایا۔ اور اس شخص سے پوچھا اس آواز سے کیا سمجھ میں آتا ہے۔ کہا یہ یوں کہتا ہے

کہ میری موت قریب ہے لوگوں نے ہنسنا شروع کیا کہا آواز تو یہی کہتی ہے وہ بولنے والا دیر تک نہ آیا جا کر دیکھا تو ایک خندق میں مرا پڑا ہے معلوم ہوا کہ نالی سے باہر کو چڑھنا چاہتا تھا گرا اور مر گیا۔ صبح کی نماز ڈیرہ میں پڑھی اور سورہ مطففین اور والفجر پڑھی۔

روانگی قصبہ گولا سے بجانب شاہ پور

۲۴ صفر ۱۳۳۵ھ ۷ بجے ۳۵ منٹ (جمعرات)

اولیاء کی مخالفت موجب عذاب ہے یا نہیں

مولوی ابوالحسن صاحب نے گاڑی پر بیٹھے ہوئے پوچھا انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے سے لوگوں پر عذاب آئے ہیں اولیاء کی مخالفت سے بھی عذاب ہوتا ہے یا نہیں۔ فرمایا جیسے نبوت قطعی ہے ایسے ہی اس کی مخالفت پر عذاب بھی یقینی ہے۔ اور ولایت قطعی نہیں اس واسطے عذاب بھی یقینی نہیں۔ تو اگر ایسے شخص سے مخالفت صادر ہو جو اس کی ولایت کو نہ جانتا ہو اس صورت میں عام مومن کی مخالفت کا سا گناہ ہوگا۔ عام مومن کو بھی بلا وجہ آزردہ کرنا جائز نہیں۔

اور اگر مخالفت کرنے والا اس کی ولایت کا عالم ہو تو اگر مخالفت بلا وجہ ہے تو گناہ صورت اول سے ازید ہوگا۔ اسی صورت کی نسبت وارد ہے من اذی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ اور اگر مخالفت بوجہ ہو اور مخالفت حق پر بھی ہو اگر وہ فعل محتمل تاویل ہے اور اس نے تاویل نہ کی تو کوئی وبال دنیا کا آئے گا۔ ہلاک ہو جائے یا کوئی صدمہ پہنچے اور اگر وہ فعل متحمل تاویل نہ ہو تو مخالفت کرنے والا جب کہ حق پر ہے معذور ہے۔

حدیث الشیخ فی قومہ موضوع ہے

اس پر سوال کیا گیا کہ مرید کے لئے تو شیخ کی مخالفت بہت ہی شدید ہوگی۔ حدیث میں ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید کو شیخ کی مخالفت نبی کی مخالفت کا سا حکم رکھتی ہے فرمایا اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں اور اگر حدیث ہو بھی تو شیخ سے مراد بوڑھا ہے کیونکہ اس زمانہ میں شیخ بمعنی پیر مستعمل نہ تھا۔ اور اس لفظ سے فعل محتمل تاویل ہو میری مراد فعل احیاناً ہے اور اگر وہ فعل داخل عادت ہو تو تاویل کی ضرورت نہیں یوں تو کوئی فعل بھی ایسا نہیں جس میں تاویل قریب یا بعید نہ ہو سکے۔

بزرگوں کی مخالفت خطرناک چیز ہے

شیخ اکبر بڑے شخص تھے ان کی مخالفت بڑی کی گئی۔ مگر لوگوں نے ان کو پہچانا نہ تھا ظاہراً ان کے اقوال خلاف معلوم ہوتے تھے۔ اگر بعد پہچان لینے کے ان کی مخالفت کی جاتی تو عتاب ہوتا۔ رہا یہ کہ جب ظاہر خلاف تھا تو بعد میں پہچان کیسے ہوگئی کہ وہ شخص ایسے تھے۔ بات یہ کہ حق بات چھپتی نہیں دل کھٹک جاتا ہے کہ اس ظاہر کے اندر باطن اور موجود ہے پھر اس کی تحقیق ہو جاتی ہے اور کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اور جو صورتیں موجب ضرر بتائیں وہ بھی اگر بمصلحت شرعی اختیار کی جائیں تو موجب ضرر نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ مخالفت کرتے وقت اس کا باطن رکتا نہ ہو ورنہ باطن کے مقتضا پر اہل باطن کو عمل ضرور ہے ورنہ باطنی ضرر ہو گا۔ اور برکات باطنی سے محروم رہے گا۔ اور گو اصل برکات اپنے ہی سلسلہ سے آتے ہیں۔ مگر شرائط اور موانع بھی تو ہیں۔

سوال: کیا اس مخالفت سے نسبت چھن جاتی ہے۔ فرمایا نسبت نہیں چھنتی مناسبت چھن جاتی ہے کیونکہ ثابت ہے کہ الفانی لا یرد مناسبت چھن جانے سے استعداد قبول فیوض کم ہو جاتی ہے گویا عبادت ہو جاتی ہے پھر یہ غباوت بالعرض مضر ہوتی ہے حقائق کا انکشاف نہیں رہتا اور عمل میں دشواری ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی باوجود غباوت کے عمل کرے تو اجر ملے گا مگر مشکل ہے کیونکہ فعل اندر کے تقاضا سے ہوتا ہے اور حال نہ رہنے سے تقاضا نہیں رہتا۔ غرض بزرگوں کی مخالفت خطرناک چیز ہے۔ میں درویشوں کے برا کہنے میں بڑا کم ہمت ہوں۔ جب تک تاویل کی بھی گنجائش ہو اعتراض نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہر شخص کو مقتدا بنا لیتا ہوں۔

حسن ظن میں توسع اور اقتداء میں احتیاط چاہئے

ایک تو ہے عقیدت (بمعنی حسن ظن) اس میں میری طبیعت میں بڑی وسعت ہے اور ایک ہے، اتباع یعنی کسی کو متبوع اور مقتدا بنا لینا اس میں میرے مزاج میں بڑی تنگی ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ اس میں جو کوئی توسع کرے سخت خطرناک ہے ایسے ایسے راہزن آجکل موجود ہیں کہ خدا بچائے۔ اس کے لئے بڑی چھان بین کی ضرورت ہے جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے کبھی کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے چاہے کوئی کیسا ہی مشہور و معروف ہو اس کے لئے پوری جمعیت قلب چاہئے کسی نے کہا ہے۔

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت
وزتو نرمید صحبت آب وگلت
زنہار نرصحبتش گریزاں بباش
ور نکند روح عزیزان بحلت

اگر نا قابل کے پاس جا پھنسے تو کیا کرے

اگر کسی ایسی جگہ جا کر پھنس جائے جس سے اطمینان نہ ہو تو چاہئے کہ اس سے استفادہ نہ کرے اور تعلیم وتلقین حاصل نہ کرے خواہ وہ ناراض ہی کیوں نہ رہے۔ کیونکہ یہ ناراض ہونا ناحق ہوگا اس سے کچھ اندیشہ نہیں ہاں مخالفت نہ کرے۔ اور اپنی طرف سے اس کی گستاخی اور دل آزاری نہ کرے۔ ایسے شخص سے استفادہ کرنا فضول ہوتا ہے۔ کیونکہ استفادہ کے لئے شرط ہے اعتماد اور جس پر اعتماد نہیں اس کی تعلیم دل میں موثر کیا ہوسکتی ہے اسی واسطے میں بعض مریدوں کو دوسروں کے پاس بھیج دیتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ ان کو میرے اوپر پورا اطمینان نہیں۔

بے عقیدت مرید کا قصہ

ابھی کا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیماری میں مجھ سے بیعت ہوگیا تھا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو میرے ساتھ مناسبت نہیں میں نے کہا جاؤ مولانا عبدالرحیم صاحب کے پاس کہا نہایت ادب سے درخواست ہے کہ بددعا نہ کرنا۔ میں نے کہا اس کو اعتماد تو کیا عقیدت بھی نہ تھی۔ مجھے کبیرہ کا مرتکب سمجھا۔ میں نے کہا ابھی کان پکڑوا کر نکلوا دوں گا۔ آخر وہ چلے گئے حالانکہ مولانا تھے۔

شیخ کو علم ہو جائے کہ اس کو مناسبت نہیں اس کو چلتا کر دینا چاہئے

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر قرائن سے علم ہو جائے شیخ کو کہ اس شخص کو مجھ سے مناسبت نہیں تو ضرور چلتا کر دینا چاہئے جیسے طبیب کو یا استاد کو یہ کرنا پڑتا ہے کہ جب دیکھیں کہ مریض کا عقیدہ علاج پر نہیں جمتا۔ یا شاگرد استاد کو نظر میں نہیں لاتا تو اس کو الگ کرتے ہیں۔ اگر شیخ واقعی شیخ ہے تب تو یہی کریگا اور اگر کمانے کھانے والا ہے تو اس کو نقصان کا خیال ہوگا وہ کا ہے کو دوسری جگہ جانے دے گا۔ یا کوئی شیخ حد سے زیادہ شفیق ہو جیسے ہمارے حضرت کہ وہاں بڑی وسعت تھی جتنی خدمت جس کی ہوسکی دریغ نہ

---

[1] حضرت والا کو مزاروں پر جانے کا اتنا شغف نہیں جتنا آجکل کے لوگوں کو ہے ایک مرتبہ دہلی میں یہ جواب اس سوال باقی اگلے صفحہ پر

کیا۔ ہمارا اتنا ظرف کہاں میرے یہاں لوگ آتے ہیں ہمیشہ ان کے فائدہ کا خیال رکھتا ہوں میں ان کو خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں اپنا بندہ نہیں بناتا۔ جب کسی کو نفع نہ ہوا یا اس کی سیری نہ ہوئی ہو تو بلا بیعت کے واپس کردیتا ہوں یا بعد بیعت کے بھی یہ معلوم ہو تو کہہ دیتا ہوں اور جگہ جاؤ۔

مرید اور شیخ میں مناسبت طبعی ہونا چاہئے

مرید اور شیخ میں مناسبت طبعی ہونی چاہئے۔ تکلف اور تصنع اور کھینچا کھینچ سے کام نہیں چلتا۔ میاں بی بی کا سا قصہ ہے کہ دونوں میں نباہ جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ طبعی مناسبت دونوں میں ہو اور اس مناسبت کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں جیسے کہ مرد و عورت میں مناسبت کا معیار کچھ حسن و جمال نہیں بعضی عورت حسین ہوتی ہے مگر میاں سے نہیں بنتی اور بعضی عورت بدصورت ہوتی ہے اور میاں بی بی میں موافقت خوب ہوتی ہے اسی واسطے حدیث میں مخطوبہ کے دیکھ لینے کی اجازت ہے۔ بلکہ اس کی تحریض ہے اور یہ لفظ حدیث کا ہے فانہ احری ان یودد بینکما مناسبت مزاج خانہ داری کا موقوف علیہ ہے۔

پیر و مرید میں مناسبت موقوف علیہ اصلاح ہے

اسی طرح مناسبت بین الشیخ والمرید اصلاح کا موقوف علیہ ہے اسی واسطے تعدد شیوخ سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ دو شیخوں میں باہم ضرور فرق ہوتا ہے تو مرید اس سے موافقت کرے گا یا اس سے اس کی نسبت کہا ہے المرید بین الشیخ کالزوجۃ بین الزوجین ۔ یا اس کی مثال قرآن شریف میں ہے ضرب اللّٰہ مثلاً رجلافیہ شرکاء متشا کثون و رجلا سلما لرجل

برکت کی تحقیق

برکت کا ذکر ہوا تو احقر نے عرض کیا برکت کی حقیقت کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ چیز ہو تھوڑی سی اور بلاشمول دوسری چیز کے بہت سی ہوجائے اور کہتے ہیں کہ وقت میں برکت ہوجاتی ہے تو کیا یہ ہوتا ہے کہ گھنٹہ بجائے ۶۰ منٹ کے ۷۰ منٹ کا ہوجائے یا دن رات کے گھنٹے بجائے ۲۴ کے ۳۰ ہوجائیں یا کیا۔ فرمایا برکت کی حقیقت تو معلوم ہے اور وہ لغت میں زیادت ہے۔ حاصل اس کا کسی شئے پر زیادہ نفع کا مرتب ہونا۔ ہاں کیفیت معلوم نہیں۔ کیونکہ عادت کے خلاف ہوتا ہے بوجہ خارق عادت ہونے کے اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ باقی اہل کشف کے نزدیک یہ بھی ثابت ہے کہ وقت قابل انبساط و انقباض چیز ہے

۵ گھنٹہ برابر ہو جاتے ہیں بیس کے۔

تعلیم الدین چار دن میں لکھی گئی ہے

مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا ضرور وقت قابل بسط ہے۔ حضور نے تعلیم الدین چار دن میں لکھی ہے یہ بدیہی نظیر موجود ہے۔ فرمایا یاد نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ ہاں میں نے یہ کتاب شوق سے ضرور لکھی ہے۔ عرض کیا مجھے تحقیق ہے کہ چار دن میں لکھی ہے اس وقت حضرت کو یاد نہیں رہا اس کے بعد کچھ اور باتیں ہوتی رہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب سے حضرت نے فرمایا آپ کے حالات سے اور مختلف سوالات سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں عرض کیا ہاں کچھ پریشانی ضرور ہے فرمایا پریشانی کو چھوڑیئے۔ اور حصول مقصود میں جلدی نہ کیجئے اس کا نتیجہ سوائے حیرانی کے کچھ نہیں۔

آپ کا کام طلب ہے، حصول مقصود کے آپ مکلف نہیں۔ میرے خیال میں یہی وجہ پریشانی کی ہے۔ مولوی صاحب کی حالت یہ کلمات تشفی بخش سن کر ایسی ہوگئی جیسے کوئی بچہ مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد یک لخت اپنی مادر مہربان کے پاس پہنچ جائے اور اس سے اپنی مصیبتیں کہنے لگے۔

آبدیدہ ہو کر عرض کیا سارا قصہ ہی کہہ دوں اور اپنی تمام سرگذشت بیان کی جس کا خلاصہ مختلف شیوخ کی طرف رجوع کرنا۔ اور کسی سے تسلی نہ پانا اور اس سے اضطراب وتشویش کا پیدا ہو جانا تھا۔ حضرت والا نے ان کی نہایت درجہ تشفی کی اور ایسے موقعہ کے لئے نہایت مفید ہدایات اور طریقے ارشاد فرمائے۔

اس موضوع پر تقریر ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی اس کا نام بھی علیحدہ ''ادب الطریق'' اور لقب ''ادب الرفیق'' تجویز فرمادیا۔ یہ تقریر قلم بند کر لی گئی۔ اور بحمد اللہ اس کی تبییض ۲۵۰ سطر میں ہوگئی وہ مستقلاً علیحدہ ہے۔

منصور پر ظلم فتوے کی آڑ میں کیا گیا

فرمایا حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ میں ہوتا تو منصور کے قتل کے فتوی میں کبھی شریک نہ ہوتا۔ فرمایا حضرت والا نے منصور پر یہ ظلم فتوی کی آڑ میں کیا گیا جیسا کہ مثنوی میں موجود ہے۔ ؎

چوں قلم در دست غدارے فتاد
لاجرم منصور بردارے فتاد

غدار سے مراد ایک وزیر ہے جوان کا دشمن تھا اور ان کا نام منصور مشہور ہوگیا۔ حالانکہ حسین بن منصور ہے۔

اناالحق کی تاویلیں

حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ میں اناالحق کی تاویل یہ کرتا کہ "اناعلی الحق" ہے۔

اناالحق کی تاویل از حضرت والا

فرمایا حضرت والا نے اور میں بلا تقدیر یہ تاویل کرتا ہوں کہ حق بمعنی ثابت ہے۔ پس اناالحق رد ہے سوفسطائی کا جیسے اہل کلام نے کہا ہے حقائق الاشیاء ثابتة۔ اور اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً کتابوں میں ہے الحوض حق و الصراط حق و الجنة حق و النا ر حق ۔

اگر یہ خیال ہوا کہ اناالحق کی نظیریں یہ اس واسطے صحیح نہیں کہ اناالحق کی خبر معرف باللام ہے تو اس کی نظیر بھی قرآن شریف میں ہے والوزن یومئذ۔ الحق۔ یہاں الحق معرف باللام خبر ہے۔ اور میرے خیال میں یہ تاویل بہت ہی سیدھی ہے۔ پس اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ میں موجود ہوں اشارہ ہے عقائد کے اس مسئلہ کی طرف حقائق الاشیاء ثابتة تو معنی یہ ہوئے کہ موجود واقعی ہوں نہ موہوم جیسا کہ مذہب فرقہ لا اور یہ ہے یہ بالکل سیدھی سی تاویل ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے متقشفین کو ان سے عداوت ہوگی جوان کا یہ واقعہ ہوا ایک موقع ہاتھ آ گیا وزیر سے ساز کر کے کینہ نکالا گیا۔ اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ تدین کی وجہ سے انکو عداوت ہوگی کیونکہ متقشفین کے اخلاق سے یہ امید نہیں یہ لوگ حب جاہ و مال میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں۔

ننگے پیروں چلنا

ایک موقع پر لیکھ (گاڑی کا راستہ) اونچی اونچی زیادہ تھی حضرت والا ننگے پاؤں گاڑی پر سے اتر پڑے اور ننگے پاؤں بہت دور تک چلتے رہے خدام نے عرض کیا جوتے پہن لیجئے۔ فرمایا کچھ حاجت نہیں حتی کہ جب بہت دیر ہوگئی تو عرض کیا گیا۔ کانٹا لگ جانے کا اندیشہ ہے تب جوتا پہنا۔

احقر کہتا ہے۔ یہ وماانامن المتکلفین اور امر نا ان تحتفی مرة کی تعمیل ہے۔

سب رفقاء کو ساتھ رہنا چاہئے

قصبہ گولا سے روانگی کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک گاڑی پر حضرت والا اور ہم خدام تھے

اور ایک گاڑی پر ملازمین وغیرہ تھے اور ہاتھی پر دو صاحبزادے منیجر صاحب کے میاں حامد علی اور محمود علی اور ایک دو ملازم تھے اور شہزادہ (ایک گھوڑے کا نام ہے جو عربی النسل تھا) گھوڑے پر منیجر صاحب کے تیسرے صاحبزادے میاں محمد علی تھے یہ صاحبزادے بہت چلبلے مزاج کے اور تیز طبع ہیں حضرت والا نے روانگی ہی کے وقت ان سے فرما دیا تھا کہ تم گھوڑے کو تیز نہ ہانکنا اور گاڑی سے آگے نہ بڑھنا اور ساتھ سے الگ نہ ہونا۔ مگر انہوں نے نہ مانا کئی بار ایسا ہوا کہ گاڑیوں سے آگے نکل گئے اور گھوڑے کو روک کر کھڑے رہے پھر گاڑی کے ساتھ ہو گئے ایک موقع پر وہ بہت آگے نکل گئے اور جس سڑک پر گاڑیاں جارہی تھیں وہ سیدھی گورکھپور کو جاتی تھی اور قریب تیس میل کے گورکھپور کا فاصلہ تھا۔ اس سڑک سے شاہ پور کا راستہ ایک ایسی جگہ سے پھٹا جہاں گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ راستہ علیحدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں کوئی آبادی نہ تھی اور پھٹنے والا راستہ ایک غیر معلوم سی لیکھ تھی جب گاڑی وہاں موڑی گئی تو حضرت والا نے فرمایا نہ معلوم محمد علی سیدھے سڑک سڑک گئے یا اس لیکھ کو اور غالب یہ ہے کہ سیدھے گئے ہوں گے۔

کیونکہ یہاں بتانے والا کون تھا۔ اور راستہ کی صورت ایسی ہے کہ ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کی کوئی وجہ نہیں لہذا مناسب ہے، کہ ایک آدمی سڑک پر جائے۔ اگر مل جائے تو ان کو پھیر لائے۔ چنانچہ اس گھوڑے کا سائیس نرائن گنج بھیجا گیا یہ نوجوان ضعیف الجثہ لڑکا تھا۔ قریب ڈیڑھ دو میل کا چکر لگا کر وہ لوٹ آیا اور کہا کہیں پتہ نہیں۔ راہگیروں سے بھی پوچھا مگر کوئی ان کا پتہ نہیں دیتا۔ اس کو سن کر حضرت کو بڑا فکر ہوا اور غصہ بھی آیا کہ لڑکے نے کیا نامعقول حرکت کی اسی واسطے ہم نے کہا تھا کہ گاڑیوں سے علیحدہ نہ ہو آخر رائے یہ ہوئی کہ نرائن گنج سائیس کو پھر جانا چاہئے۔ ایک ہزار روپیہ کا گھوڑا ہے۔ خدا نخواستہ کوئی چھین لے یا گھوڑا ان کو گرادے غرض نرائن گنج سائیس پھر روانہ ہوا اس کے چہرہ سے تکان اور ناخوشی کے آثار نمایاں تھے۔

ہمراہیان کے ساتھ ہمدردی

جب وہ چلا گیا تو حضرت والا کی یہ حالت تھی کہ کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ کبھی فرماتے خدا خیر کرے لڑکا بخیریت لوٹ آئے پھر فرماتے اس کا فکر تو تھا ہی اس سائیس کی حالت سے اور زیادہ رنج ہے کہاں تک اس کے پیچھے جائے گا۔ سڑک گورکھپور تک گئی ہے خدا جانے لڑکے کو کہیں خیال نہ ہو گھوڑا مارے چلا جائے وہ تو سواری پر ہے سائیس بیچارہ کس جرم میں پکڑا گیا۔

بے آب ودانہ کہاں تک دوڑے گا۔امراء میں رحم ؐنہیں ہوتا۔ بار بار پوچھتے کہیں پتہ ہے یا نہیں۔حتی کہ شاہپور پہنچ گئے اور نہ گھوڑے کا پتہ اور نہ سائیس کا۔حضرت والا کے چہرہ مبارک پر رنج اورغصہ کے نمایاں آثار تھے۔شاہپور کے نیچےایک ندی ہےاس کوبذریعہ کشتی عبور کر کے جانا ہوتا ہے جس گھاٹ پراترنا چاہیے تھا غلطی سے اس سے آگے دوسرے گھاٹ پر پہنچ گئے جس کی وجہ سے میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ بڑھ گیا۔آج گولا سے چلتے وقت اندازہ کیا گیا۔کہ ۱۱ بجے تک شاہپور پہنچ جائیں گے۔مگراس کے خلاف ہوا۔اورراستہ میں دیرزیادہ لگی۔ایک جگہ فرمایا یہ راستہ چھوٹا خیال کیا گیا تھا۔مگر بڑھ گیا۔مسکرا کرفرمایامعلوم ہوتا ہے کہ متبرک راستہ ہے کہ تھا چھوٹااور ہوگیا بڑااس میں برکت ہوگئی۔جب اس گھاٹ سے لوٹنا پڑااور گوشاہپور ندی کے پار سامنے موجود تھا۔مگر دوسرے گھاٹ پر جانے کا راستہ ندی کے کنارہ کنارہ چکر کھا کر گیا تھااوراس کے طے ہونے میں خلاف توقع دیر لگی اور گو یہ راستہ لب دریا ہونے کی وجہ سے نہایت تفریح کا موقعہ تھا۔لیکن منزل مقصود سامنے ہونے کی حالت میں دیر لگنے سے انتظار کی تکلیف خلاف طبع تھی تو مسکرا کرفرمایاراستہ تو ختم ہوگیامگرراستہ کاضمیمہ باقی ہے گویاوہ متن تھااور یہ حاشیہ ہے۔ راستہ میں گاڑی کے بیل چلتے چلتے دائیں بائیں ادھر کے کھیتوں میں منہ مارتے تھے۔گاڑی بان سے فرمایا اس کا خیال رکھو پرایا کھیت نہ کھانے دو۔گاڑی بان نے کہا یہ بیل کھیت نہیں کھاتے بلکہ کھیتوں کی اوس (شبنم) سے منہ دھوتے ہیں فرمایا عجیب ہے۔

۱۲بج کر ۵۵منٹ پرشاہپور پہنچے کھاناہمراہ تھا کھاتے جاتے تھےاورنرائن سائیس کی مصیبت کو یاد کرتے جاتے تھے۔کھانا کھاتے میں صاحب زادہ محمد علی گھوڑے پر سوار آ گئے ان کو سامنے بلا کر بہت ڈانٹااور کہااب تمھاری سزا یہ ہے کہ اس گھوڑے پر چڑھنا کبھی نہ ملے گا۔ میں بھائی سے کہہ دوں گا۔کہ ہرگز ہرگز ان کوسوار ہونے نہ دیا جائے۔اور پوچھا سائیس کہاں ہے عرض کیا مجھے وہ نہیں ملا مجھے تو ایک سادھومل گئے تھےانہوں نے یہ راستہ شاہپور کا بتایا جس سے میں یہاں پہنچ گیا۔یہ سن کر جو حالت حضرت کی ہوئی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔فرمایا کس قدر بے رحمی ہے وہ بھی تو تم ہی جیسا انسان ہے بھوک پیاس اس کو نہیں لگی ہوگی۔یااس کے پیرلوہے کے ہیں یا وہ تمھارازرخرید ہے کہ حیوانات کی طرح اس کو دوڑاتے ہو۔ بلکہ زرخرید غلام اورحیوان پر بھی رحم کرنا چاہئے۔اس طرح بیدردی کے ساتھ کام لینا ان سے بھی جائزنہیں۔ بہت دیر تک حضرت کا غصہ فرونہیں ہوا۔تھوڑی دیر کے بعدنرائن سائیس آ گیا تو بے

حد خوشی ہوئی۔ پوچھا کہاں تک گیا اور کیسے واپس آیا کہا میں گھوڑے کے نشان قدم پر چلا گیا۔ ایک جگہ راستہ مڑا نشان سے معلوم ہوا کہ گھوڑا ادھر ہی کو گیا ہے میں اسی پر چلا آیا حتی کہ یہاں تک پہنچ گیا۔ فرمایا الحمدللہ جاؤ آرام کرو۔ احقر سے فرمایا چار آنہ پیسے اس کو میری طرف سے دے آؤ کہ تو نے بہت محنت اٹھائی ہے اس کا دودھ پی لینا۔ وہ بے حد ممنون و مسرور ہوا۔ اور حضرت والا کا معتقد ہوگیا۔

رفقاء کا خیال رکھنا

قصبہ شاہپور کی آبادی سے قریب نصف میل کے فاصلہ پر ریاست کا بنگلہ بنا ہوا ہے اس میں قیام ہوا۔ اس میں ایک کمرہ بڑا اور ایک چھوٹا اور دو کوٹھریاں تھیں حضرت والا نے اپنے واسطے سب سے چھوٹی کوٹھری کو پسند فرمایا۔ اور دوسری برابر والی کوٹھری میں منیجر صاحب کے تینوں صاحبزادگان۔ حامد علی۔ محمود علی۔ و محمد علی ٹھہرے اور چھوٹے کمرہ میں ہم چاروں خدام یعنی احقر اور مولوی محمد اختر صاحب اور مفتی محمد یوسف صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب کی چارپائیاں بچھائی گئیں۔ نماز ظہر کے بعد عرض کیا گیا کہ حضرت کچھ دیر کو آرام فرمالیں۔ حضرت نے اول سب کی چارپائیاں وغیرہ بچشم خود ملاحظہ فرمالیں۔ بعد ازاں ذرا دیر استراحت فرمائی۔ اسی طرح رات کو ہمراہیان کے آرام کا پورا انتظام معاینہ فرما کر استراحت فرمائی یہ حضرت کی دائمی عادت ہے۔ کہ بغیر ہمراہیان کے آرام کے خود آرام نہیں فرماتے۔ بعد عصر ہوا خوری کے لئے ندی کے کنارہ کنارہ گئے اور مغرب کی نماز بنگلہ واپس آکر پڑھی۔ منشی اکبر علی صاحب بھی اس وقت گورکھپور سے تشریف لائے تھے انہوں نے اپنے قیام کے لئے ڈیرہ الگ لگوادیا تھا۔ کسی وقت آکر حضرت والا کے پاس بیٹھتے اور نماز میں شریک ہوتے اور باقی اوقات ڈیرہ میں رہتے۔

۲۵ صفر ۱۳۳۵ھ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ یوم جمعہ

شب جمعہ مغرب میں والعصر اور انا اعطینا پڑھی کیونکہ کسی قدر وقت تنگ ہوگیا تھا۔ اور نفلیں بیٹھ کر پڑھیں عشاء کی نماز میں والتین اور سورۃ ماعون پڑھی چونکہ دن کو کھانا دیر میں کھایا گیا تھا وہ پورے طور سے ہضم نہ ہوا۔ اور حضرت والا کو شب کے وقت اشتہاء صادق نہ ہوئی اس واسطے رات کو کھانا نہ کھایا۔

بلا اشتہاء صادق کھانا نہ کھانا چاہئے۔

اور فرمایا میرا معمول ہے کہ بلا اشتہاء صادق کھانا نہیں کھاتا ہوں گھر پر بھی جب ذرا پیٹ

میں تقل ہوتا ہے تو عزہ کر دیتا ہوں۔ بعض ملازم نے عرض کیا کہ بعد نماز عشاء یا جس وقت بھی طبیعت ہلکی معلوم ہو کھانا کھا لیجئے گا۔ فرمایا اب رات میں کچھ نہ کھاؤں گا۔ صبح کو سویرے کھچڑی پکا لینا میں وہ کھالوں گا۔ اور دیگر ہمراہیان اپنے وقت پر کھانا کھائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صبح نماز کے وقت کھچڑی تیار ہو گئی کچھ وہ اور کچھ رات کا باسی سالن اور روٹی نوش فرمائی۔

صحت جمعہ کے لئے آبادی کیسی ہونی چاہئے۔

رات کو ذکر ہوا کہ کل جمعہ کا دن ہے شاہپور میں جمعہ پڑھنے چلئے گا یا نہیں اور ضلع دار صاحب کورٹ نے آبادی کے حالات بیان کئے ان حالات کے سننے سے قابل اطمینان حالت نہ معلوم ہو سکی کہ شاہپور گاؤں میں داخل ہے یا قصبہ میں اور جمعہ صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ لہذا فرمایا یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صبح کو ہوا خوری کے لئے آبادی ہی کی طرف چلیں اور خود دیکھ کر حالت معلوم کر لیں۔ فجر کی نماز میں سورہ مدثر اور سورہ قیامہ پڑھی اور بعد نماز بستی کی طرف ہوا خوری کے لئے چلے۔

فرمایا تین چیزیں دیکھنا چاہئے بازار کیسا ہے اور مسجد کیسی ہے اور ڈاکخانہ ہے یا نہیں ان سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس آبادی کو قصبہ کہنا چاہئے یا گاؤں۔

ضلع دار صاحب کورٹ ہمراہ ہوئے اور آبادی میں ادھر ادھر لے گئے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکخانہ یہاں ہے اور وہ راستہ ہی میں تھا جب اس کے قریب پہنچے تو برانچ پوسٹ ماسٹر نے باوجود ہندو ہونے کے حضرت والا کو بڑے تپاک سے لیا اور تکیہ پر بٹھایا یہ مکان عالی شان پوسٹ ماسٹر ہی کا تھا۔ اس کی ایک کٹھری میں برانچ پوسٹ آفس رکھا تھا۔ غرض ڈاکخانہ بہت چھوٹا دیہات کا سا تھا۔ حضرت والا کو ایک منی آرڈر اور ایک رجسٹری روانہ کرنی تھی باوجود ضابطہ کا وقت نہ ہونے کے پوسٹ ماسٹر نے ان کو اسی وقت لے لیا۔

اس کے بعد جامع مسجد میں پہنچے یہ وہاں کی اکبر مساجد ہے اندر باہر دیکھ کر فرمایا مسجد تو کافی وسعت رکھتی ہے۔ احقر نے قدموں سے اس کی پیمائش کی یہ مساحت تھی دالان دہرا۔ طول ۷ اقدم اندر کے دالان کا تین صف اور عرض باہر کے دالان کا صف اور طول صحن کا ۷ اقدم اور عرض چار صف تھا فرمایا یہاں کے اعتبار سے مسجد اچھی وسیع ہے اس کے بعد بازار پر گذر ہوا۔ یوں دوکانیں آبادی میں متفرق طور سے بھی بہت تھیں۔ مگر یہ متصل بازار بھی تقریبا سو قسم لمبا تھا جو ہر روز لگتا ہے آبادی کی تعداد ضلع دار صاحب

سے پوچھی عرض کیا تقریباً ڈھائی ہزار ہے پہلے اس سے بہت زیادہ تھی۔ فرمایا اس کی حالت گڈھی ضلع مظفر نگر کی سی معلوم ہوتی ہے اور گڈھی میں جمعہ ہوتا ہے۔ مولوی محمد اختر صاحب نے عرض کیا سنا ہے کہ حضرت گنگوہی نے بھی گڈھی میں جمعہ پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں اور اس وقت میں وہاں کی آبادی بھی زیادہ تھی قصبہ لوہاری ضلع مظفر نگر بھی ایسا ہی ہے۔ طاعون میں بہت آدمی مر گئے۔ اب ڈھائی ہزار سے زیادہ آبادی نہیں رہی۔ عرض کیا گیا شاہپور بھی کسی وقت میں بڑا قصبہ تھا اور آبادی اس جگہ سے ہٹی ہوئی تھی جہاں اب ہے یہ عالمگیر سے قبل کا ذکر ہے اس وقت میں راجہ منجھولی نے کچھ سرکشی کی تھی اس کے انتظام کے لئے سید شاہ عبدالعزیز صاحب یہاں کے چکلہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ جن کا مزار قصبہ کے کنارہ پر لب دریا اب تک موجود ہے۔ اتفاق سے بازار وغیرہ دیکھنے کے بعد مزار مذکور کے قریب سے گذر ہوا فرمایا یہ تو پرانی عمارت معلوم ہوتی ہے پرانی عمارتوں میں ایک دل کشی ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا احاطہ کے اندر تشریف لے چلئے فرمایا بہت اچھا۔

طریقۂ زیارت قبور

جب احاطہ کے دروازہ پر پہنچے تو لوگوں نے کہا جوتی یہیں اتار دیجئے۔ چنانچہ سب نے جوتے اتار دیئے دروازہ گھستے ہی حضرت نے کہا السلام علیکم (کیونکہ اصل گنبد کے سوا احاطہ میں بھی چند قبریں تھیں) پھر گنبد کے اندر جا کر بھی کہا السلام علیکم اور سرہانے کی طرف قبلہ رخ کھڑے ہو کر تھوڑی دیر کچھ پڑھا اور بلا ہاتھ اٹھائے اور بلا فاتحہ مرجہ کے واپس ہوئے۔ لوگوں نے کہا آبادی سے پچھم کی طرف ایک شہید کا مزار اور ہے۔ مگر حضرت والا وہاں نہیں گئے (حضرت والا کو مزاروں پر جانے کا اتنا شغف نہیں جتنا آجکل کے لوگوں کو ہے ایک مرتبہ دہلی میں یہ جواب اس سوال کے کہ آپ مزاروں کا اتنا معتقد نہیں جتنے آجکل کے لوگ ہیں۔ میں تو زندوں کی خدمت کو مردوں کی خدمت سے زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ واقعہ شعبان ۴۳ھ کا ہے نیز سفر نامہ میں اس کے متعلق موجود ہے) اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دور ہے۔ واپس آ کر ہم خدام سے فرمایا بتاؤ شاہپور کی نسبت کیا رائے ہے قصبہ ہے یا گاؤں اور جمعہ یہاں ہو سکتا ہے یا نہیں۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا میرے نزدیک قصبہ ہے کیونکہ گاؤں میں بازار اتنا بڑا نہیں ہوتا۔ یہاں متصل چالیس دوکانیں ہیں اور یہ بازار ہر روز رہتا ہے اور پینٹھ علیحدہ لگتی ہے احقر نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ فرمایا اس کو بڑا گاؤں نہیں کہہ سکتے۔ پھر سوچ کر فرمایا اجاڑ قصبہ یا چھوٹا قصبہ ہے۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا ہم مسافر ہیں جمعہ ہم پر واجب نہیں اگر صحت میں کچھ شک ہے تو نہ پڑھنا بہتر ہے۔ فرمایا یہ تو جی نہیں چاہتا کہ جمعہ ہوتا ہو اور ہم شریک نہ ہوں۔ رہا شک سو اس کو مشورہ سے رفع کر لیا جائے۔ احقر نے عرض کیا ہمارا مشورہ کیا رائے حضرت کی ہے ذرا دیر میں فرمایا چلیں گے جمعہ پڑھنے ان شاء اللہ۔ فرمایا کئی دن کے بعد آج صبح کھانا کھا کر دل خوش ہوا کیونکہ رات کو کھانا نہ کھانے کی وجہ سے صبح رغبت صادق تھی۔

کھانے کے متعلق حضرت کا معمول

تیز میری ایک یہ بھی عادت ہے کہ مجمع کے ساتھ خواہ ایک ہی آدمی ہو کھانے کی مقدار کا اندازہ نہیں رہتا۔ اور تنہا خوب بے فکری سے کھاتا ہوں اور اندازہ سے زیادہ نہیں کھایا جاتا اور ایک یہ بھی میری عادت ہے کہ مجھے مختلف قسم کے کھانوں سے رغبت نہیں ایک چیز جو ہاتھ میں آ جائے اسی کو کھا لیتا ہوں اور اسی سے طبیعت خوش ہوتی ہے۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ سنت بھی یہی ہے۔

حضرت کی سلامت طبع

فرمایا یہ بات تو بڑوں کو نصیب ہوتی ہوگی کہ سنت سمجھ کر ایسا کریں۔ ہاں شکر ہے اور حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ طبیعت ہی ایسی دی ہے کہ اسی طریق کو پسند کرتی ہے جو موافق سنت ہو (یقول الجامع کفی بذلك فضلاً و سلامته للطبع و فی مثل ذلك قال تعالیٰ تتجافی جنوبھم عن المضاجع اسند التجا فی الی الجنوب لانھم اعتا دوه فکان ذلك من فعل جنوبھم۔

آجکل کا فلسفہ فلس سفہ ہے

فلسفہ کا ذکر ہوا اور متفرق اہل کمال مثل افلاطون اور فارابی وغیرہ کا ذکر ہوا تو فرمایا۔ اہل کمال ہمیشہ مستغنی رہے اور آجکل کا فلسفہ صرف کمائی کا نام ہے یہ فلسفہ کیا ہے فلس (فلس بمعنی پیسہ اور سفہ بمعنی کم عقلی ترکیب اضافی کے معنی ہوئے کم عقلی کی کمائی) سفہ ہے افلاطون لوگوں سے بالکل علیحدہ رہتا تھا۔ علی ہذا فارابی اور جتنے قدیم فلاسفر تھے سب ایسے ہی تھے۔

ہمعصری کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے

ذکر ہوا ہمعصری ایسی چیز ہے کہ کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے کیسا ہی کوئی صاحب کمال ہو مگر

ہمعصروں کی نظر اس پر وقعت کے ساتھ نہیں پڑتی۔ فرمایا ہاں اور ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے موت عجیب چیز ہے کہ مرتے ہی آدمی رحمۃ اللہ علیہ ہو جاتا ہے اور پچاس برس کے بعد قدس سرہ ہو جاتا ہے۔ غوث اعظم جیسے مسلم شخص کے ہمعصر بھی ابن الجوزی سخت مخالف تھے حتی کہ ایک کتاب تلبیس ابلیس نام لکھ ڈالی جس میں تعریض ہے اور مرے وہ غوث اعظم سے پہلے۔ لوگوں نے حضرت غوث پاک سے ان کے جنازہ کی نماز پڑھوائی اور ان کی خطا معاف کرائی۔ حضرت سفیان ثوریؒ جیسے زاہد و عالم امام صاحب پر طعن کرتے ہیں ان کے اقوال میں ہے۔ مایقول ھذا الشاب

مبتدی کو اولیاء کے تذکرہ سے ممانعت کی وجہ

غرض معاصرت ہے ہی ایسی چیز کہ کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے اسی واسطے بعض بزرگوں نے منع کیا ہے مبتدی کو اولیاء کے تذکرہ دیکھنے سے کیونکہ تذکرہ پڑھنے سے صاحب تذکرہ کے کمالات نظر میں آتے ہیں اور اپنے شیخ کے کمالات پر ہمعصری کا پردہ پڑا ہوا ہے تو خیال یہ ہوگا کہ کمالات تو انہیں لوگوں میں تھے۔ ہمارے شیخ میں یہ بات کہاں اس سے مناسبت پوری نہ رہے گی اور مناسبت موقوف علیہ ہے فیض کی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بعضوں کو زیارت قبور سے منع کیا کرتے تھے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لوگوں کو قبور اولیاء پر جانے سے منع کیا کرتے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا وجہ یہ ہے کہ وہاں جا کر ان کی نسبت محسوس ہوگی اور اس کے سامنے شیوخ موجودین کی نسبت ضعیف معلوم ہوگی پھر ان سے استفادہ نہ ہو سکے گا جو اولیاء گذر گئے وہ تو اب آنے کے نہیں طالبین کی ہدایت کے لئے اور موجودین سے فیض یوں گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فیض سے مطلق محرومی ہوگی۔

مناسبت اور عقیدت ہی مدار فیض ہے۔

مناسبت اور عقیدت ہی ایک چیز ہے جس سے فیض ہوتا ہے اگلے لوگ مریدوں کے بڑے بڑے امتحان کرتے تھے۔

فرمایا کیا کہئے خواجہ عزیز الحسن صاحب نہ ساتھ ہوئے اس سفر میں بڑا لطف رہتا۔ خواہ کیسے ہی محزون جلسہ میں بیٹھ جاؤ حزن مبدل بہ سرور ہو جائے اس قدر خوش طبع ہیں۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں وہ مقدمات میں مجھ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور شرعی حکم پوچھا کرتے تھے اور جزئیات پر گفتگو کرتے بلا

اس کے ان کا اطمینان نہ ہوتا۔ یہ کس قدر رحمت کی بات ہے۔ ہم تو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ کسی پر زیادتی نہ کرنا مگر وہ ایک جزئی پر بحث کرتے۔ اور جب بتلایا جاتا تو تاوقت تشفی ہونے کے وجوہات پوچھتے وہ اگر چہ عالم نہیں مگر بہت واقف ہیں اور بڑے محتاط ہیں ہم تو تاویل بھی کر لیتے ہیں اور وہ عزیمت ہی پر عمل کرتے ہیں۔

نکٹوں میں ناک والا نکو

ایک بجے کے قریب جمعہ کی نماز کے لئے چلے۔ منشی اکبر علی صاحب اور ضلع دار کورٹ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں منشی اکبر علی صاحب نے بیان فرمایا کہ اس علاقہ میں ایک قسم ہے زمین کی سفید رنگ جس میں نمی اس قدر ہے کہ آب پاشی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس زمین کا نام بھاٹ ہے وہاں کے لوگوں میں یہ عام مرض ہے کہ گلے سب کے پھولے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ وہاں حسن میں شمار ہوتا ہے حتی کہ جس کا گلا پھولا ہوا نہ ہو اس کا بیاہ شادی نہیں کرتے۔

اورنگ زیب کے غیر متعصب ہونے کے متعلق ایک کتاب

نیز منشی اکبر علی صاحب نے بیان فرمایا کہ یہاں مشہور ہے کہ عالمگیر نے راجہ منجھولی کو زبردستی مسلمان کر لیا تھا۔ لیکن راجہ منجھولی کے سمدھی راجہ پنڈورنا نے کتاب لکھی ہے جس میں بہت سے واقعات سے اورنگ زیب کا غیر متعصب ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس کی تغلیط کی ہے کہ راجہ منجھولی کو عالمگیر نے بالجبر مسلمان کیا اور وہ کتاب ان کے کتب خانہ میں مفت ملتی ہے۔

جامع مسجد میں پہنچے تو امام صاحب نے (یہ قصبہ کے قاضی بھی تھے) اصرار کر کے حضرت کو ہی امامت کے لئے کھڑا کیا۔ حضرت نے جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھی۔ جب بنگلہ سے جمعہ کی نماز کو چلے تھے تو راستہ میں منشی اکبر علی صاحب نے احقر سے پوچھا کہ آج وعظ ہوگا۔ (بعد نماز جمعہ) یا نہیں۔

میں نے عرض کیا میں کیا کہہ سکتا ہوں حضرت کی رائے پر ہے ہاں اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ اب تک کہیں وعظ نہیں فرمایا ہے۔ گورکھپور میں بھی درخواست کی گئی تھی تو جواب دیا کہ میں نے یہ سفر استراحت کے لئے کیا ہے طبیعت ضعیف ہے وعظ کے تعب کی متحمل نہیں بیان کرنے سے سفر کی غایت ہی فوت ہو

جائے گی۔ یہ سن کرمنشی اکبرعلی صاحب خاموش ہو گئے۔ بعد نماز جمعہ قاضی صاحب امام مسجد کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا کہ آپ لوگوں کو اگر شوق وعظ کا ہوتو مولانا صاحب سے عرض کیا جائے اس پر چند آدمیوں نے یکے بعد دیگرے شوق ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ سب نمازیوں نے اتفاق کیا کہ ہاں وعظ ضرور ہونا چاہئے۔ قاضی صاحب نے کہا حضرت کچھ بیان فرما دیجئے۔ فرمایا میں اس سے معذور ہوں۔ کیونکہ تھوڑے بیان سے لوگوں کی سیری نہ ہوگی اور زیادہ بیان کا میں متحمل نہیں ہوں۔

قاضی صاحب نے کہا ہم یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ تھوڑے سے تھوڑا بیان بھی ہماری تسلی کے لئے کافی ہوگا۔ دیکھئے قرآن شریف میں بڑی سورتیں بھی ہیں اور قل ہو اللہ بھی ہے فرمایا بس قل ہو اللہ پڑھ دوں تو آپ کافی سمجھیں گے کہا ہاں۔ چاہئے آپ صرف قل ہو اللہ ہی پڑھ دیں اور اس کا ترجمہ بھی نہ کریں اور یہ بات ہم صاف اور سچے دل سے کہتے ہیں اس پر حضرت والا بیان پر آمادہ ہو گئے اور بیان سے پہلے فرمایا میرا ارادہ اس سفر میں بیان کا بالکل نہ تھا۔ مگر اس وقت ایسے پیرایہ سے فرمائش کی گئی ہے جس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا ایسا کہ اصرار کرنے سے ہرگز نہ ہوتا۔ وہ یہ کہ وعظ کی مقدار کو میری رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے ترک اصرار میرے اوپر اصرار سے زیادہ موثر ہوا۔ لہذا بیان کرتا ہوں اور اس آیت کا بیان فرمایا اقیموا الصلوۃ و لا تکونوا من المشرکین۔

یہ وعظ بحمد اللہ قلم بند ہو گیا ہے اور تبیض بھی ہو گئی۔ خلاصہ بیان نماز کی تاکید اور عادات میں کفار کی مشابہت سے ممانعت تھا۔ ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ بیان ہوا نام اس کا ادب الاسلام اور لقب ذم شبہ اھل الاصنام تجویز فرمایا۔ بیان کے لہجہ سے ضعف مترشح ہوتا تھا۔ احقر اس بات سے تعجب کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نے درخواست کی اور اول دو چار آدمیوں نے اس سے اتفاق کیا پھر تمام مجمع نے۔ اس ترتیب سے مترشح ہوتا تھا کہ باہمی تجویز سے ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ منشی اکبر علی صاحب کی سکھائی ہوئی تدبیر تھی کہ اس طرح درخواست اور تائید کرنا اور کوئی اصرار نہ کرنا نہ مطلق وعظ پر نہ وعظ کی مقدار پر ۳ بج کر ۱۰ منٹ پر وعظ ختم ہوا اور حضرت والا بنگلہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک (اس کا نام مولوی محمد عثمان تھا اس کو ذکر پیچھے بھی ہوا ہے) شخص بعد وعظ مسجد ہی میں ملے اور عرض کیا میں کان پور سے آ رہا ہوں اول گورکھپور پہنچا پھر منجولی گیا اور وہاں سے پتہ پا کر زہر پور پہنچا اور وہاں سے گولا اور وہاں سے یہاں حاضر ہوا انہوں نے بیان کیا کہ کان پور میں ایک مہینہ سے مشہور ہے

کہ حضرت والا ۲۸ دسمبر کو کان پور پہنچیں گے۔ حضرت نے یہ سن کر نہایت تعجب کیا کہ اب تک بھی تاریخ معین نہیں ہوئی کہ کان پور کب پہنچیں گے اور مہینہ پہلے تو کچھ بھی پتہ نہ تھا یہ تعین تاریخ کیسا (یہ خبر بالکل صحیح ہوئی اور ٹھیک ۲۸ دسمبر ۱۹۱۶ء کو کان پور پہنچے۔ حالانکہ درمیان میں کئی جگہ تجاویز میں ردوبدل بھی ہوا۔

عامی کے سامنے دلیل نہ بیان کرنا چاہئے۔

ایک شخص جامع مسجد سے بنگلہ تک ساتھ آیا اور بیٹھتے ہی کہا مجھے ایک بات پوچھنی ہے فرمایا پوچھئے۔ کہا فاتحہ خلف الامام پڑھنا کیسا ہے فرمایا جائز نہیں۔ کہا وجہ کیا ہے فرمایا ہم جو کچھ بتادیں گے اس کا صحیح ہونا کیسے جانو گے۔ کہا ہم آپ کا اعتبار کریں گے فرمایا جواب اس کا مجھے بہت بعد میں دینا ہوگا وہ یہیں دیئے دیتا ہوں کہ جب ہمارا تمھیں اعتبار ہے اور ہمارے اعتبار پر دلیل کو صحیح مان لوگے تو ابھی سے جو بتلایا ہے اس کو صحیح مان لو اور اعتبار کرلو۔ اخیر میں جا کر بھی تو یہی کہنا پڑے گا اور میں پوچھتا ہوں کہ کوئی وجہ بتاؤ اعتبار کرنے کی۔ ایک پردیسی راہ چلتے آدمی کا اعتبار ایک دینی مسئلہ میں کیوں کرلو گے۔

کہا آپ معزز آدمی ہیں آپ خلاف نہیں کہیں گے۔ فرمایا معزز تو کلکٹر صاحب ہیں ان سے پوچھ لو اور یہ ظاہر ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اول تو ہم معزز نہیں کیا بات اعزاز کی دیکھی اور اگر ہوں بھی تو کلکٹر صاحب کی برابر تو معزز نہیں۔ بہرحال کلکٹر صاحب کے قول کو ہمارے قول پر ترجیح ہوگی۔ یہ سخت غلطی ہے کہ راستہ چلتے آدمی سے مسئلہ پوچھا جائے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ عمل کرنا نہیں ہے اور دین کی پرواہ نہیں ہے۔ دین سے محبت ہو تو کیا اس کے بارے میں راستہ چلتوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے کوئی اپنے گھربار کو بھی کسی راہگیر کی سپردگی میں دیدیتا ہے وہ شخص خاموش ہوا۔ مگر چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اور بھی کچھ سوال کرنا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا میں کام کی بات بتاتا ہوں۔ مجھے آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چھیڑ چھاڑ منظور ہے تحقیق منظور نہیں۔ ورنہ آپ کے عمل کے لئے اتنا ہی جواب کافی ہے کہ جائز نہیں وجہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہا ہماری بستی میں اور بہت لوگ اختلاف رکھتے ہیں۔ اگر وجہ معلوم ہو تو ہم ان کو سمجھا تو سکیں اور امید ہے کہ کسی کو ہدایت ہوجائے۔

جو شخص خود عالم نہ ہو اس کو دوسرے کی ہدایت ضروری نہیں ہے

فرمایا یہ مسئلہ بھی یاد رکھئے کہ جو شخص خود عالم نہ ہو اس کو دوسروں کی ہدایت ضروری نہیں۔ کسی

کے جھگڑے میں مت پڑو بس اپنی خبر لو جو کوئی پوچھے کہہ دو کسی مولوی سے پوچھو۔ اور اگر تم اس جھگڑے میں پڑو گے تو میں کہتا ہوں کہ اگر میں نے تمہیں دلیل سمجھا بھی دی اور سننے والے نے اس میں کوئی خدشہ کیا تو تم سے اس کا جواب نہیں آئے گا۔ پھر سوائے اس کے کہ لوگوں میں ذلیل ہو یا تم بھی اس کے ہم خیال بن جاؤ کچھ نتیجہ نہیں۔ اور خدشات کا حصہ تم سے ہو نہیں سکتا اس کی صورت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ طالب علمی کرو اور باقاعدہ پڑھو۔ سب دلیلیں معلوم ہو جائیں گی۔

اس وقت سمجھنے کی کیا صورت ہے اور اس تحقیق کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ تم اپنا بھی وقت خراب کرو اور میرا بھی۔ میں بھی بے اصول چلنے کا ہمیشہ مخالف ہوں۔

امام غزالی اور ان کے بھائی کا قصہ متعلق حضور قلب فی الصلوۃ

حکایت: بیان فرمائی کہ امام غزالی کے بھائی شیخ احمد اپنے بھائی (امام غزالی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے امام غزالی نے والدہ سے شکایت کی کہ بھائی میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے ان کو بلا کر ڈانٹا کہ یہ کیسی مخالفت ہے انہوں نے کہا بہت اچھا آپ کے حکم سے پڑھ لوں گا۔ جب وقت نماز کا آیا تو وہ شریک ہوئے امام غزالی اس زمانہ میں ایک کتاب لکھ رہے تھے اس روز اس کتاب میں حیض کا بیان تھا کوئی مسئلہ حیض کا لکھ رہے تھے اس میں مصروفیت تھی اس وقت نماز میں بھی اس کا خیال رہا۔ شیخ احمد کو منکشف ہو گیا بس نیت توڑ دی اور والدہ کے پاس پہنچے۔ اور مسئلہ پوچھا کہ اگر دم حیض کسی کے کپڑے میں سنا ہوا ہو تو نماز ہو سکتی ہے نہیں کہا نہیں۔ کہا جب کپڑا آلودہ ہونے سے نماز نہیں ہو سکتی ہے تو قلب اگر دم حیض میں آلودہ ہو تو کیسے ہو جائے گی۔

وہ اسی سے سمجھ گئیں اور کہا حیض نجاست ظاہری ہے اگر اس کی آلودگی سے نماز نہیں تو نجاست حقیقی یعنی گناہ کی آلودگی سے کیسے ہو جائے گی۔ وہ دم حیض کی طرف متوجہ تھے اور تم تجسس میں مبتلا تھے تمھاری حالت بدتر ہے یا ان کی۔ متوجہ الی اللہ تم دونوں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ دوسرے کی نماز پر تو اعتراض اور اپنی خبر نہیں کہ اس سے بھی بدتر ہے۔

ضروری چیز کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں۔

فرمایا یہ قاعدہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ جو ضرورت ہوتی ہے اس کے حق تعالی زیادہ پیدا

فرماتے ہیں۔ چنانچہ بن میں بارش زیادہ ہوتی ہےاور کسی کا تجربہ ہے کہ جب سے باغات کٹ گئے۔ بارشیں کم ہوگئیں۔

۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ یوم شنبہ

شب شنبہ مغرب میں سورہ ھمزہ اور سورہ فیل پڑھی اور عشاء میں والتین اور اریت الذی پڑھی اس رات میں یا اس سے قبل دن میں ایک مسن آدمی جو غالباً فتح پور ضلع اعظم گڈھ کے زمیندار تھے اور حضرت کے مرید یا معتقد تھے آ گئے یہ صاحب نہایت سمجھدار اور مخلص معلوم ہوتے تھے۔ ہر بات میں یہی کہتے تھے جو حضور کی رائے ہو اور یہ حضرت والا کو فتح پور لے جانے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے بہت اشتیاق ظاہر کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم حضور کی کسی مصلحت میں مخل ہونا نہیں چاہتے۔ اگر کسی صورت سے ممکن ہو تو فتح پور کے لئے وقت ضرور نکالئے خواہ کتنا ہی کم ہو اور اگر نہ ہو سکے تو ہم کو حضور کی مصلحت اور آرام اپنی خواہش کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے۔

رات کو تجویز ہوئی کہ کل صبح کو یہاں سے روانگی بجانب ڈوری گھاٹ براہ دریا ہو۔ جس کا فاصلہ ۲۸ میل ہے اور حتی الامکان سویرے چل دیں تا کہ ۴ بجے شام سے پہلے ڈوری گھاٹ پہونچ جائیں اور منو کی طرف روانہ ہو سکیں۔ چنانچہ کشتی کا انتظام رات کو کر لیا گیا، اور اسباب فجر کی نماز سے پہلے تیار کر دیا گیا۔ صبح کی نماز میں سورہ نجم اور سورہ دھر پڑھی ہمراہیوں نے ناشتہ کر لیا اور طلوع آفتاب سے پہلے گھاٹ کی طرف کشتی پر سوار ہونے کے لئے روانہ ہوئے منشی اکبر علی صاحب اور ان کے تینوں صاحبزادے بھی ساتھ تھے ایک ہندو صاحب سربراہ کار کورٹ اور ایک مسلمان صاحب ضلع دار کورٹ بھی ساتھ تھے۔ اور، اور چند آدمی بھی تھے۔ گھاٹ کے راستہ میں سربراہ کار صاحب نے آگے بڑھ کر حضرت والا کو کچھ نذر دینی چاہی۔

کسی کے دباؤ سے نذر لینا داخل رشوت ہے

فرمایا مجھے اس کے لینے میں کچھ تامل نہ ہوتا۔ مگر ایک عذر شرعی ہے وہ یہ کہ اس کی طرف سے میرا دل صاف نہیں ہے کہ اس ہدیہ میں بھائی اکبر علی کے تعلق کو دخل نہیں ہے۔ عرض کیا مجھے آپ سے خاص عقیدت ہو گئی ہے۔ مجھے آپ خاص نیاز مند تصور فرمائیں اور اس ہدیہ کو قبول فرمالیں۔ فرمایا آپ

ذرا غور سے کام لیں اور دل کوٹٹولیں اور دیکھیں کہ اگر بھائی اکبر علی یہاں کے منیجر نہ ہوتے اور میں گشتی واعظوں کی طرح یہاں آتا تب بھی آپ یہ ہدیہ دیتے یا نہیں۔ آپ اپنے اخلاق کی وجہ سے چاہے اس کو مان بھی لیں کہ جب بھی آپ ایسا کرتے مگر میرا قلب صاف نہیں ہوتا۔ اور یہ بات دل سے نہیں نکلتی۔ اوراس کے لینے میں بشاشت نہ ہوگی۔ اور جب بشاشت نہ ہوئی تو جو غرض ہے ہدیہ کی یعنی محبت پیدا ہونا وہ حاصل نہ ہوگی تو کیا نتیجہ ہوا کہ میں اس کو بالکل ناجائز سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جیسا بھائی اکبر علی کو ماتحتوں سے لینا جبر اور ظلم ہے۔ ایسا ہی ان کے توسط سے دوسرے کا لینا ہے بلکہ یہ اس سے اشد ہے اس پر سربراہ کار صاحب کچھ خاموش ہوئے تو فرمایا آپ تکلف نہ کریں لینے دینے ہی پر کچھ منحصر نہیں آپ کے اخلاق نے مجھ کو بہت گرویدہ کرلیا ہے اور اگر یہ مانع نہ ہوتا تو میں ضرور لے لیتا۔

سربراہ کار صاحب خاموش ہوئے اور وہ رقم جیب میں ڈال لی۔ ندی پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ کشتیاں دو قسم کی ایک چھوٹی اور ایک بڑی موجود ہیں۔ جس کو حضرت پسند فرمائیں۔ اس میں اسباب رکھ دیا جائے۔ حضرت والا نے رفقاء کی طرف دیکھا احقر نے عرض کیا میری رائے میں بڑی کشتی مناسب ہے، کیونکہ پانی کے تموج کا اثر اس پر کم ہوگا اور وقت ان شاء اللہ بہت کافی ہے اسی کو حضرت نے پسند فرمایا اور بڑی کشتی میں اسباب رکھا گیا۔ جب اسباب رکھ دیا گیا تو مسلمان ضلع دار صاحب کورٹ حضرت کو علیحدہ لے گئے۔ اور کچھ نذر دی ان سے بھی حضرت والا نے وہی عذر کیا جو سربراہ کار صاحب سے کیا تھا۔ اگر انہوں نے بے حد اصرار کیا یہاں تک کہ حضرت ناخوش ہوئے اور فرمایا مجھے مجبور نہ کیجئے میں اپنے اصول کو کسی کی خاطر بدل نہیں سکتا۔ انہوں نے منشی اکبر علی صاحب سے عرض کیا کہ آپ سفارش کردیں مجھے واپس لینے کا بڑا ملال ہوگا۔ منشی اکبر علی صاحب نے حضرت سے معمولی الفاظ میں کہا کیا حرج ہے قبول کر لیجئے۔ فرمایا آتی ہوئی چیز کس کو بری معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی معمولی عذر ہوتا تب بھی میں قبول کر لیتا۔ لیکن مانع شرعی موجود ہے۔ اصرار کی ضرورت نہیں۔ منشی اکبر علی صاحب نے ضلع دار صاحب سے فرمایا اصرار نہ کرو جو فرمادیں اس کو مان لو۔ طبیعت کو مکدر کرنے سے کیا فائدہ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

کشتی کی صورت یہ تھی کہ سطح کے اوپر کسی درخت کی لمبی لمبی شاخیں، دونوں طرف تمام کشتی کے عرض میں اس طرح لگائی گئی تھی جس سے کوہان پشت سائبان بن گیا تھا اور وہ اتنا اونچا تھا کہ اندر اس کے کھڑے ہوسکتے تھے۔ ان کشتیوں میں دھوپ کے وقت اس سائبان کے اندر بیٹھتے ہیں اور جب ہوا کھانی

ہوتو اوپر بیٹھ سکتے ہیں۔اس وقت صبح کا وقت تھا۔اس واسطے اوپر بیٹھنے کی تجویز ہوئی اس کو ہان پشت سائبان پر بہت سی گھاس ڈال دی گئی جس سے اس کی سطح برابر ہوگئی۔اور نہایت آرام کی جگہ بن گئی اسباب اندر رکھ دیا گیا۔اول سب رفقاء سوار ہوئے اور اخیر میں حضرت والا بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوئے اور تاختم سفر دریا کی سیر کرتے ہوئے اوپر ہی بیٹھے ہوئے چلے گئے۔ضلع دار صاحب اور سربراہ کار صاحب اور دیگر حاضرین مصافحہ کر کے نہایت آزردگی کے ساتھ رخصت ہوئے اور چونکہ گذر کشتی کا بنگلہ کی طرف کو ہونے والا تھا جس کا فاصلہ یہاں سے قریب ایک میل کے تھا اس واسطے منشی اکبر علی صاحب مع صاحبزادگان کشتی پر سوار ہو لئے کہ بنگلہ کے محاذات میں اتر جائیں گے۔محاذات میں پہنچ کر لوگوں نے کہا اتر لیجئے مگر منشی صاحب پر اور صاحبزادگان پر اس وقت مفارقت کا نمایاں اثر تھا۔فرمایا آگے جہاں ندی اور دریا کا میل ہے جو قریب نصف میل کے ہے اتر جائیں گے چنانچہ وہاں کشتی روکی گی۔اور منیجر صاحب مع صاحبزادگان کے بادل ناخواستہ رخصت ہوئے۔سات بج کر دس منٹ پر کشتی روانہ ہوئی۔منیجر صاحب نے ایک سپاہی اس واسطے ساتھ کر دیا تھا کہ ملاحوں کو تیز ہانکنے کے لئے تاکید کرتا رہے۔اور فرمایا کرایہ کا ڈیڑھ روپیہ ملاحوں کو دے دیا گیا ہے۔اور ناشتہ بھی ٹفن کیریر میں ساتھ کر دیا۔اور فرمادیا کہ برتن خالی ہونے کے بعد یہ چپراسی لیتا آئے گا۔منشی اکبر علی صاحب نے بھی ایک رقم حضرت کی خدمت میں پیش کرنی چاہی تھی۔لیکن اس وقت مصلحت نہ سمجھی اور سکوت کیا ہاں منشی محمد اختر صاحب کو مبلغ ۲۰ روپیہ دیئے اور فرمایا تم میرے چھوٹے ہو تم کو تو میں قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں انہوں نے قبول کئے۔اس وقت کشتی پر یہ اصحاب تھے۔حضرت والا۔احقر منشی محمد اختر صاحب۔مفتی محمد یوسف صاحب۔مولوی ابوالحسن صاحب،زمین دار صاحب فتح پور،شیر زماں نام چپراسی کورٹ،اور چار ملاح محمد عثمان صاحب آمدہ از کان پور راستہ میں بادبان کھول دیا گیا۔اور قدرے ہوا بھی چل پڑی جس سے کشتی کی چال بدرجہا اچھی رہی۔اس سفر میں عجیب تفریح کشتی ندی سے گھاگرا دریا کی شاخ میں پہنچی۔اور اس سے گھاگرا کی بیچ دھار میں آئی۔تقریباً چھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی رہی۔یہ رفتار کشتی کے لئے اوسط سے زیادہ ہے لطف یہ تھا کہ حرکت محسوس بھی نہ ہوتی تھی۔حضرت بھی فرماتے تھے یہ جز و سفر تو اس تمام سفر میں آرام کا ہوا۔

حقوق کی بیع نہیں ہو سکتی

کشتی پر بیٹھے ہوئے ذکر ہوا کہ بھنگی اپنے ٹھکانوں کو بیچتے اور رہن کرتے ہیں۔فرمایا یہ سب

جہالت ہے حقوق کے بیچ کے کوئی معنی ہی نہیں حق کوئی چیز متقوم نہیں۔ پھر فرمایا یہ قوم تو جاہل ہے ہی۔ ان سے کسی فعل پر بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ تعجب کے قابل ان کے افعال ہیں جو صاحب مذہب اور جاننے والے شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ جہالت مطوفوں میں بھی ہے۔

مطوفوں کا حجاج کو بیچنا

مکہ معظمہ میں بعض مطوف حاجیوں کو بیچتے ہیں۔ جس سے اپنے حلقہ کے حاجی نہ سنبھل سکے یا دوسرے مطوف نے معقول رقم دی اس نے فروخت کر دیئے۔ حجاج ان کی جاگیر ہیں۔

ہندوستان میں دینداری زیادہ ہونے کی تحقیق

اور فرمایا شرم آتی ہے کہتے ہوئے جتنی ہندوستان میں دین داری ہے اتنی وہاں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں حکومت کی طرف سے کوئی انتظام دین نہیں ہے مگر لوگ خود خیال رکھتے ہیں وہاں حکومت کی طرف سے انتظام نہیں اور خود لوگوں کو خیال نہیں پھر دین داری ہو تو کیسے ہو۔ یہاں کے لوگ دین کو اپنے سر سمجھتے ہیں۔ کہ ہم ہی کچھ کریں گے تو ہوگا کیونکہ سلطنت کی طرف سے یاس ہے کیونکہ سلطنت دوسرا مذہب رکھتی ہے۔ اس سے غایت سے غایۃ یہ ہوسکتا ہے کہ مخل فی المذھب نہ ہو۔ ترقی مذہب تو اپنے ہی کرنے سے ہوگی۔ اس واسطے دینی امور میں سرگرمی رکھتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ سلطنت خود مسلمان ہے اس واسطے اصلاح مذہبی بھی اسی کے ذمہ ہے اپنے ذمہ کو اس سے فارغ سمجھتے ہیں۔ اور سلطنت کچھ کرتی نہیں۔ اس نے سمجھ رکھا ہے ہر شخص اپنا ذمہ دار خود ہے تو یہ اس کے بھروسے رہے اور وہ ان کے اور دین برباد ہوگیا۔

مجھ سے ایک ترک شیخ خلیل پاشاہ ملے وہ بڑے سیاح تھے کہنے لگے جیسے متقی ہندوستان کے علما دیکھے ایسے کہیں کے نہیں دیکھئے۔ فرمایا حضرت والا نے یہاں مسلمانوں اور دیگر اقوام میں معاشرت میں امتیاز ہے کچھ تو یہ ہندوؤں سے سیکھا ہے یعنی جیسے وہ چھوت مانتے ہیں اور ذات و برادری میں بڑا امتیاز رکھتے ہیں ایسے ہی ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی کرنے لگے) اور کچھ غیر کا اثر ہے یہاں کے مسلمانوں میں حمیت قوی بہت ہے۔

ہندوستان میں حمیت قومی ہے

اور وہاں جدہ میں مثلاً ایک ہی جگہ مسلمان اور عیسائی اور یہودی سب ایک ہی جگہ چائے پیتے

ہیں۔قہوہ خانے ہر جگہ ہیں۔ برابر، برابر دس آدمی بیٹھے ہیں کوئی مسلمان ہے کوئی عیسائی کوئی یہودی اور قہوہ خانہ مسلمان کا ہے یا عیسائی کا یا یہودی کا بے تکلف کھا پی رہے ہیں۔اور ایک دوسرے کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے۔

کمینوں کو فصلانہ دینے کا حکم

سوال: (غالباً مفتی محمد یوسف صاحب نے پوچھا تھا) دستور ہے کہ کمینوں کو فصلانہ دیا جاتا ہے۔یہ کیسے جائز ہے کیونکہ عمل مجہول ہے فرمایا فقہاء نے اس کی نظیریں لکھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جہاز یسیرہ کا تحمل کیا جاسکتا ہے۔یسیرہ کی تفسیر میرے نزدیک یہ ہے کہ مفضی الی المنازعہ نہ ہو۔فرمایا معاملات میں عرف پر بہت مدار ہے جس بات میں ابتلاء عام ہو اس میں حتی الامکان سہولت کرنا چاہئے۔

زمیندار کو نرخ مقرر کرنا حرام ہے

سوال: قصائیوں وغیرہ کے لئے زمیندار اپنے دباؤ سے کوئی نرخ مقرر کردیتے ہیں۔یہ کیسا ہے۔ فرمایا حرام ہے۔

غلہ کی بار برداری بعض جگہ ذمہ بیع ہوتی ہے نہی عن بیع وشرط کا جواب

سوال: بعض جگہ رواج ہے کہ غلہ کی بار برداری بیع کے ذمہ مانی جاتی ہے اس کو قیمت جب دیتے ہیں جب کہ وہ مکان پر پہنچا دیویں۔فرمایا میرے نزدیک جائز ہے جیسے چمار سے گھاس خریدتے ہیں اور مکان تک پہنچاتا ہے چونکہ اس کا رواج ہے اس واسطے اسی کے ذمہ مانا جاتا ہے اس پر سوال کیا گیا کہ حدیث نہی عن بیع وشرط کا کیا جواب ہے۔فرمایا اس سے بعض شرائط مستثنیٰ بھی ہیں جن کے لئے جامع اصول یہ ہے کہ شرط سے مراد شرط ہے جس میں نفع احد المتعاقدین کی وجہ سے ضرر آخر ہو۔اور جو ضرر متحمل ہو اس میں تراضی ہے۔

ملازمت خفیہ پولیس اور ڈپٹی کلکٹری وغیرہ کا حکم

سوال: خفیہ پولیس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اس نیت سے جائز ہے کہ میں نقصان سے لوگوں بچاؤں گا۔ یا اس نیت سے دوسرا جو ضرر پہنچاتا اس سے کم پہنچے گا۔ اس پر پوچھا گیا تو کیا سب ملازمتوں کی یہی حالت ہے۔ جیسے ڈپٹی کلکٹر وغیرہ اس میں بھی تو یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو نقصان نہ پہنچے یا جتنا اور لوگ پہنچاتے اس سے کم پہنچے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے۔ فرمایا بعضے کام فی نفسہ ناجائز ہیں۔ اور ملازمت ضرر رسانی کی وجہ سے...... منع کی جاتی ہے۔ اور ضرر رسانی فعل اختیاری ہے ملازمت کا جزو نہیں ہے۔ اور ڈپٹی کلکٹری میں سود کی ڈگری وغیرہ سے بچنا غیر اختیاری ہے کیونکہ وہ جزو ملازمت ہے۔ دونوں میں یہ فرق ہے۔

ملاحوں نے یہ دیکھا تھا کہ حضرت والا کے سوار کرانے کے لئے منیجر صاحب خود تشریف لائے اور، اور چند آدمی بھی ہمراہ تھے اس سے ان کو گمان ہوا کہ حضرت ضرور کوئی بڑے آدمی ہیں۔ نیز اس قدرتی جلال سے جو حق تعالی نے حضرت کو عطا فرمایا ہے ملاحوں کو اس کا یقین ہو گیا۔ اور اپنی ایک فریاد حضرت کے سامنے پیش کرنا چاہی لیکن رعب مانع تھا۔ چونکہ یہ سفر دریا نہایت تفریح دہ ثابت ہوا اور حضرت والا کی طبیعت بشاش تھی۔ خدام سے ہنستے بولتے چلے جاتے تھے۔

حضرت والا کی خوش مزاجی دیکھ کر ملاحوں کو ہمت ہوئی اور اپنی فریاد پیش کی کہ ہمارے اوپر یہاں کے زمین دار بہت ظلم کرتے ہیں۔ زمیندار کے حقوق میں بگار بھی ہم سے ٹھیری ہوئی ہے اور ہم اس میں کچھ عذر نہیں کرتے۔ لیکن زمیندار شرکت کا ہے ایک شریک ہم سے بگار لیتا ہے اور قرارداد سے بہت زیادہ لیتا ہے دوسرے شریک کو یہ معلوم ہو جاتا ہے تو وہ ہم سے دوبارہ بگار لیتا ہے اور اس سے بھی زیادہ لیتا ہے اور اگر ہم عذر کرتے ہیں تو ہرگز نہیں سنتے۔ بلکہ گھر کا چکی چولہا تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بعض جگہ تین، تین اور چار، چار شریک ہیں اور آپس میں ان کے تنازیہ ہے سب ایک دوسرے کی ضد میں بگار زیادہ لیتے ہیں ہم کسی کا روزگا کے نہیں رہے فاقوں سے مرے جاتے ہیں اور کوئی رحم نہیں کرتا اور ظلم یہ ہے کہ منیجر صاحب تک ہماری رسائی نہیں ہونے دیتے اور اگر ہم کسی طرح منیجر صاحب تک پہونچ بھی جائیں تو ڈر لگتا ہے کہ پھر وہ لوگ ہم کو زیادہ تنگ کریں گے غریب آدمی کی مشکل ہے۔

دادرسی

حضرت والا نے بہت غور سے ان کی فریاد سنی اور بہت افسوس کیا اور پوچھا ان زمینداروں کا

کیا حال ہے۔کہاوہ بھی سب تباہ ہیں اسی پر ان کا بھی گذر رہ گیا ہے کہ ہم جیسوں کو ستایا اور لوٹا مارا جائے اور اپنا بھلا کر لیا۔

فرمایا ظلم کا انجام یہی ہے ظلم اصل ہے بربادی کی۔ اگر سلطنت کا دباؤ بھی نہ ہوتو لوگ ایک دوسرے کا کھا جائیں اور ملاحوں سے فرمایا میرے کرنے کا جو کام ہو وہ بتاؤ۔ انہوں نے کہا حضور منیجر صاحب کو ایک رقعہ لکھ دیں وہ اگر توجہ کریں گے تو ہم لوگ اس مصیبت سے چھوٹ جائیں گے۔فرمایا اچھا میں ڈوریگھاٹ پر پہنچ کر لکھ دوں گا تم میرا پرچہ منیجر صاحب کو دینا وہ ضرور خیال کریں گے۔اور خدا کرے مصیبت تمھاری جاتی رہے۔ یہ دیکھ کر اس چپراسی نے بھی جو ہمراہ بھیجا گیا تھا۔عرض کیا کہ اتنی سفارش میری بھی کر دیجئے کہ میرا تبادلہ خاص منجھولی کو کر دیا جائے کیونکہ میری تنخواہ بہت تھوڑی بال بچے منجھولی میں ہیں اور میں یہاں ہوں دوجگہ کا خرچ نہیں چل سکتا۔ چنانچہ ڈوری گھاٹ کے قریب پہنچ کر ایک پرچہ مختصر سا لکھا جس کا مضمون ص پیچھے موجود ہے

مصنفین کی ضرورت

ذکر فرمایا کہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں طالب علموں کو پڑھانے کے لئے آئے تھے مگر اب میں نے ان کو درس کے کام سے نکال کر تصنیف کے کام میں لگا دیا ہے اس کی آجکل سخت ضرورت مدرس تو بہت ہیں مصنف بھی ہونے چاہئیں یہ کام اگر علماء اپنے ہاتھ میں لے لیں تو غیر علماء کو مثل شبلی وغیرہ ہمت نہ ہو اور نہ کوئی ان کی تصانیف کے سامنے ان کی قدر کرے۔ میرا ارادہ اس صیغہ کو مستقل کر دینے کا ہے۔

لطیفہ: فرمایا میں ایک ایسے مولوی صاحب کو جو ماشاء اللہ جامع ہیں بحر العلوم کہا کرتا ہوں وجہ تشبیہ کثرت علم بھی ہے اور غیر منتفع ہونا بھی کیونکہ وہ خود بھی کچھ ہیں مگر دوسروں کو ان کے علم سے فائدہ نہیں پہنچتا۔اور میں کہا کرتا ہوں کہ بحر العلوم سے نہر العلوم ہی اچھے کہ ان سے آب پاشی ہوتی ہے اور ان کا پانی تھوڑا سہی مگر کار آمد تو ہے۔

ایک جگہ کئی آدمیوں کا قرآن آواز سے پڑھنا

سوال: کئی آدمیوں کا ایک جگہ بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے۔فرمایا حنفیہ کا اصل مذہب تو یہی

مشہور ہے کہ درست نہیں مگر بعض علماء حنفیہ نے جائز لکھا ہے۔

مولوی عثمان صاحب نے عرض کیا قاضی ثناء اللہ صاحب نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ (یعنی چند اشخاص ایک جگہ بآواز پڑھتے تھے نیز مسجد نبوی میں تراویح کئی جگہ ہوتی تھی) فرمایا ہاں یہ بخاری کی روایت اور یہ لفظ ہے اوزاع متفرقون اور میں بہت خوش ہوا کہ میرے خیال کی تائید ہوگئی مولوی محمد عثمان صاحب نے کہا قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اذا قری القران سے مراد قری للتبلیغ ھے نه که للتلاوة۔ فرمایا میں اس سے اور بھی خوش ہوا میں نے بھی یہی لکھا ہے۔

نھی فاتحه خلف الامام پر وَاِذَا قُرِئَ القرآن الآیه سے استدال صحیح نہیں۔

فرمایا اور میں نے تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیت واذاقریء القرآن سے قرات فاتحہ خلف الامام پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ جب قراءت للتبلیغ ٹھیری تو مقتدی کے لئے ممانعت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ قرائت للتبلیغ نہیں ہے اور اس سے نفس مسئلہ ممانعت قراءت فاتحہ خلف الامام کی مخالفت نہ سمجھی جائے کیونکہ انتفاء دلیل سے انتفاء مدلول لازم نہیں آتا۔ یہ دلیل اس مسئلہ کی نہیں ہے۔ دوسری ادلہ میں قراءۃ خلف الامام کی ممانعت احادیث سے ہے مجھے مخالفت مسئلہ سے نہیں بلکہ طرز استدلال سے ہے۔

سیاہ خضاب کا حکم

مولوی محمد عثمان صاحب نے بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب نے سیاہ رنگ کے خضاب کے جواز پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت صدیقؓ سے اور، اور صحابہ سے خضاب کرنا منقول ہے۔ فرمایا اسکی دلیل کیا ہے کہ ان کا خضاب سیاہ تھا بڑا استدلال لوگوں کا سیاہ خضاب کے جواز پر حدیث خیر ماغیرتم به الشیب الحناء والکتم سے ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ حناء وکتم سے سیاہی پیدا ہونا ضروری نہیں۔ ترکیب میں فرق ہے وزن کے فرق سے سیاہی بھی آسکتی ہے اور سیاہی نہیں بھی آتی۔ مفتی محمد یوسف صاحب نے عرض کیا مفتی سعد اللہ صاحب نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ کتم نیل کو کہتے ہی نہیں وہ رسالہ مفتی فضل اللہ صاحب کے پاس ہے۔

ابناء زبان کا مہالک میں گھس جانا شجاعت نہیں بلکہ اتکاء علی الاسباب ہے

ذکر ہوا کہ کشتی بھی عجیب چیز ہے مگر کشتی میں کیسا بےخطر سفر ہوتا ہے اور جو لوگ عادی ہیں کشتی

کی سواری کے وہ تو ایسے دلیر ہو جاتے ہیں کہ ذرا، ذرا سے ڈونگوں میں بھرے طوفان میں پھرتے ہیں اور اندھیرے اجالے کی بھی پرواہ نہیں کرتے کسی نے کہا یہ لوگ بڑے شجاع ہوتے ہیں موت سے انکو ڈر ہی نہیں لگتا۔ گنگا میں دیکھا ہے کہ اندھیری رات ہے اور گھٹا ہے ہاتھ سے ہاتھ نہیں سوجھتا اس حالت میں طوفان کا تماشا دیکھنے ذرا ذرا سی کشتیوں میں پھرتے ہیں۔ لالٹین جلالی اور بے دھڑک کشتی کو لئے پھرتے ہیں۔ فرمایا یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ شجاعت نہیں بلکہ اپنی تدبیر پر بھروسہ ہے جب آلات کو باقاعدہ بنا ہوا دیکھ لیتے ہیں تو ان کے اعتماد پر گھس پڑتے ہیں اور جہاں تدبیر کارگر نہیں ہوتی وہاں حد سے زیادہ بزدل ہیں۔

ایک بے ادب کا قصہ

ذکر ہوا ایک بے ادب نے حضرت امام اعظمؒ کی تاریخ لفظ سگ سے نکالی ہے فرمایا کیا حال ہوگا ایسے لوگوں کا کہ جو لفظ کسی عامی مسلمان کو بھی کہنا جائز نہیں۔ ایسے بڑے امام مقبول عندالمحققین والائمہ کی نسبت کہیں۔

بے ادب کا منہ قبلہ سے قبر میں پھر جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ مولوی عبداللہ صاحب مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے مولوی .... کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا۔ اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا میں نے یہ بات حضرت گنگوہی سے خود سنی ہے۔ حضرت کے یہ لفظ تھے جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے اس کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ منہ قبلہ سے پھر گیا یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ مولوی صاحب کے انتقال کی خبر آئی۔

خلفاء کی فہرست بنانے کی ضرورت۔

فرمایا میں اپنے خلفاء کی فہرست درج کرتا جاتا ہوں تاکہ بعد میں اور جگہ کی طرح جھوٹے مدعیان خلافت نہ کھڑے ہو جائیں۔ اس میں بہت سلامت معلوم ہوتی ہے اور یوں کوئی ان میں سے بھی بگڑ جائے تو میرا کیا اختیار ہے۔

عارف سے بھی گناہ ہوسکتا ہے۔

مولوی عثمان نے عرض کیا اس میں بھی احتمال ہے۔فرمایا قلوب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔
حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا۔ ایزنی العارف فاطرق راسه مليا ثم رفع راسه و قال و كان امر الله قدرا مقدورا ۔ اور جب جناب رسول اللہ ﷺ دعا مانگیں (ترجمہ کیا عارف شخص بھی زنا میں مبتلا ہوسکتا ہے تو حضرت جنید بغدادی تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے پھر سر اٹھایا اور فرمایا خدائے تعالیٰ کا حکم پہلے سے مقدار اور طے شدہ ہے) اللهم ثبت قلبي على دينك تو دوسرے کا کیا منہ ہے کہ بے خوف ہو جائے۔اور حضرت ابو ہریرہؓ نے جب اختصاء کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے فرمایا: جف القلم بما انت لاق فاختص على ذلك او ذر کیا خبر ہے کہ کسی کی نسبت کیا لکھا ہے گیا ہے۔

عذاب قبر پر ایک اشکال کا جواب

سوال: جب روحیں سجین میں چلی جاتی ہیں تو عذاب قبر کیا صرف جسم کو ہوتا ہے فرمایا قبر کہتے ہیں عالم برزخ کو سجین بھی قبر ہی میں داخل ہے اس سے بہت سے اشکال رفع ہو گئے۔

اب نقل خط حضرت والا بسفارش ملاحان و چپراسی جس کا ذکر صفحہ ۱۶۱ پر آ چکا ہے جب کشتی قریب ڈوری گھاٹ کے قریب پہنچی تو حسب وعدہ ایک سفارشی خط حضرت والا نے لکھا اور ملاحوں کو حوالہ کرنے سے پہلے احقر کو دکھلایا۔نقل اس کی بجنسہ یہ ہے۔

''برادرم عزم سلمہ'' السلام علیکم۔

میں منزل مقصود پر پہنچنے کی خبر تو گھاٹ پر اتر کر لکھوں گا ابھی تک دریا پر ہوں اس وقت دو باتیں دو غریبوں کی نسبت لکھتا ہوں وہ لوگ تو میرے لکھنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہم پر خفگی نہ ہو مگر میں نے اطمینان دلایا کہ خفگی نہ ہوگی گو یہ بھی ضروری نہیں کہ تمھاری مرضی کے موافق کام ہو جائے جو مناسب ہوگا وہی کیا جائے گا۔مگر میں اطلاعاً لکھے دیتا ہوں ایک تو یہ چپراسی چاہتا ہے کہ میری تعیناتی خاص منجھولی میں ہو جائے مصلحتیں طویل بیان کرتا ہے اگر پوچھا جائے گا زبانی کہے گا۔دوسرے یہ ملاح زمینداروں وغیرہ کے ظلم و تعدی سے بیگار کے متعلق بہت نالاں ہیں اگر ان دونوں کی فریاد قابل سماعت و ممکن الانتظام ہو تو توجہ میں ثواب ہوگا۔خط کی نقل ختم ہوئی''

آتشِ محبت سے کپڑوں میں آگ لگ جانا

مولوی محمد شفیع صاحب کا ذکر ہوا اور ان کے بھولے پن کی اور خوارق کی بہت سی حکایتیں حضرت نے بیان فرمائیں کسی نے کہا یہ بھی ہوا کہ بارہا ان کے کپڑوں میں آگ لگ گئی مگر حیرت ہے کہ ان کا ایک رواں بھی نہیں جلا۔ مولوی محمد عثمان صاحب نے پوچھا یہ آگ کیسے لگ جاتی تھی۔ فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محبت کی گرمی بڑھکر لگ جاتی تھی ایسا ہوتا ہے۔ فرمایا ان سے بہت کثرت سے خوارق ظاہر ہوتے تھے۔ سب سے پہلی کرامت ان کی یہ ہوئی کہ نماز میں سُوا ان کی ران میں گھس گیا اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ ایک شخص نے ان کو بہت بڑے بڑے القاب و آداب لکھے تو خط کو پڑھکر انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنون بھی تو نہیں ہو جاتا۔ وہ شخص عین اسی وقت باولا ہو گیا۔ اس کے گھر والوں کا خط آیا کہ خدا جانے کیا ہوا وہ دفعتہ باولے ہو گئے۔ مجھے یہ بات معلوم تھی میں نے مولوی محمد شفیع سے کہا میں دعا کر دوں اور تم آمین کہو۔ چنانچہ میں نے دعا کی اور انہوں نے آمین کہی پھر خط آیا کہ وہ اچھے ہو گئے غرض بہت کرامات ان سے ظاہر ہوئیں مجھ سے وہ کوئی بات نہیں چھپاتے تھے وہ مادرزاد ولی تھے۔

مولوی محمد شفیع صاحب کے خوارق

پھر ایک دفعہ مولوی محمد شفیع جاجمئو گئے وہاں ایک مخدوم صاحب کا مزار ہے وہاں ان کو انوار نظر آئے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا تو اس وقت دعا کی کہ اے اللہ اب میرا حال بہت کھل گیا۔ بس اس روز سے ایک خارق بھی نہیں ہوا۔

ایک بجے دن کے ڈوری گھاٹ پر پہنچے۔ دور سے دیکھا کہ مولوی عبدالغنی صاحب استقبال کے لئے کھڑے ہیں اور دس بیس آدمی اور بھی موجود ہیں حضرت والا نے ایک روپیہ ملاحوں کو اپنی طرف سے بطور انعام دیا۔ عین دریا کے کنارے ایک مسجد ہے جو نہایت خوش منظر جگہ ہے اس میں اترے۔ فرمایا مناسب ہے کہ اول نماز پڑھ لیں کیونکہ کھانا اول کھائیں گے تو نماز کو دیر زیادہ ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک مسجد میں جماعت بھی نہیں ہوئی تھی۔ سب نے استنجا اور وضو وغیرہ سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ حضرت والا نے اقامت کی۔

سلام پھیرتے ہی احقر نے گنا تو تیس مقتدی تھے ان میں سے کچھ لوگ بڑھل گنج کے تھے

کیونکہ اس پر دریا کے بڑھل گنج ہے اور اس پار ڈوری گھاٹ اور کچھ لوگ دیگر مواضع کے تھے۔ اس وقت حضرت والا نے سلام پھیرتے ہی دعا مانگی اور مقیم مقتدیوں کے راغ کا انتظار نہیں کیا جیسا کہ حضرت کی دائمی عادت ہے ابجے نماز سے فارغ ہوئے اور بعد نماز نفل نہیں پڑھی وجہ اس تمام عجلت کی غالبا رفقاء کے بھوکے ہونے کا خیال ہے۔ بعد نماز فورا کھانا کھایا۔ مچھلی حضرت کو بہت مرغوب ہے قدرت خدا کی ایک شخص نے ایک بڑی ہانڈی رومال میں بندھی ہوئی پیش کی کہ یہ مچھلی پکی ہوئی مولوی محمود صاحب نے پور وہ معروف گاؤں سے بھیجی ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے کھول کر دیکھا تو ہانڈی میں بڑی قسم کی ایک مچھلی سرخرنگ نہایت عمدہ پکی ہوئی ہے۔ اگر چہ اس مچھلی میں کانٹے بے حد تھے مگر بھیجنے والے نے ایسے اخلاص سے پکائی تھے کہ بہت لذیذ تھی احقر کو اس وقت بھوک نہ تھی کھانا نہ کھایا۔ اس مچھلی کو کانٹوں سے صاف کر کے حضرت کے سامنے پیش کرتا رہا۔

کسی سے دباؤ کے لہجہ میں چیز مانگنا فرعونیت ہے

کھانا کھاتے میں حضرت والا نے پانی مانگا تو شیر زماں چپراسی نے کسی سے ڈانٹ کر پانی مانگا۔ تو حضرت فرماتے ہیں۔ یہاں معمولی فرمائش بھی امر ہے اور امر بھی وجوب کا جو ڈانٹ کر کیا جاتا ہے یہاں چند روز کوئی رہے تو فرعون ضرور ہو جائے۔

کھانا کھانے کے بعد تجویز ہوئی کہ اسٹیشن پر چل بیٹھیں اگر چہ دیر ہے مگر اطمینان رہے گا۔ چنانچہ اسٹیشن پر پہنچ گئے اور ریل کے احاطہ کے باہر خدام نے چادر بچھادی۔ اس پر بیٹھ گئے۔ بیس پچیس آدمی اور بھی ہو گئے اور جب تک بیٹھے رہے برابر آدمی آتے رہے۔

بلا بلائے جانے کی خرابیاں

فرمایا بلا بلائے جانے میں بڑی خرابیاں ہیں صاحب خانہ فارغ ہو نہ ہو یا کہیں جانے والا ہو۔ یا مکان پر موجود نہ ہو یا اس وقت پہنچنا اس کی کسی مصلحت کے خلاف ہو یا جانے اور کسی مصلحت کے خلاف ہو جائے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی مخالف یا ایسا شخص موجود ہوتا ہے جس سے یہ ملنا نہیں چاہتا وغیرہ۔ چنانچہ مجھے اتفاق ہوا کہ ایک شخص مجھے ایک گاؤں میں کئی دفعہ بلا چکا تھا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر رہتا تھا۔ اس کا اخلاص دیکھ کر ایک دن موقعہ پا کر میں از خود چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس مکان میں وہ مجھ

کو ٹھیرانے والا تھا وہ اس کے چچا کا تھا۔ اور اس روز اس میں ایک بارات ٹھیری ہوئی تھی جس میں رنڈیاں بھی تھیں وہ شخص بہت تنگ ہوا۔ اور میں بھی اس قدر محجوب ہوا کہ آنکھ نہیں اٹھتی تھی نہ اس وقت لوٹ سکتا تھا نہ ٹھیرنے کو دل چاہتا تھا۔ میزبان کو ایسی صورت میں بڑی تنگی پیش آتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ میرے یہاں مہمان آئے اور میں اسباب باندھ چکا تھا۔ اس وقت کچھ نہیں ہو سکا۔ سوائے اس کے کہ چپکے سے نوکر سے کہہ دیا کہ اسباب کھول ڈالو اپنا سارا نظام سفر غلط ہو گیا۔ اس واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ اطلاع کر کے آیا کرو۔ اور بعض جگہ بے قدری بھی ہوتی ہے۔

بے قدری سے بچنا چاہئے

مولوی...... صاحب کلکتہ میں ایک امیر شخص سے ملنے گئے اور ایک غریب مسافر کو ساتھ لے جا کر اس کی سفارش کرنے گئے وہ شخص اس وقت ہوا خوری کے لئے جانے کو تیار تھے مولوی صاحب سے کہا معاف کیجئے میں اس وقت سوار ہو رہا ہوں۔ مولوی صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے آئے میں بدون بلائے جانے سے بہت عار رکھتا ہوں۔

امراء کے یہاں جانے میں شرطیں لگانا

اور نئی جگہ خصوصاً امراء کے یہاں جانے میں سخت شرطیں لگاتا ہوں جن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مجھ پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جا سکے اور آزادی میں فرق نہ آئے اس سے دینی نفع یہ ہے کہ مداہنت کا موقع نہیں آنے پاتا اور یہ شرائط سب جگہ یکساں نہیں ہوتیں حسب موقعہ و محل تجویز کر لیتا ہوں۔

شرائط کر کے جانے میں دینی و دنیاوی مصالح ہیں

چنانچہ جب وفد دیوبند نے مجھے ڈھاکہ لے چلنے کا اصرار کیا تو میں نے شرط کی کہ میں کرایہ نہ نوابصاحب سے لوں گا نہ ان سے جو لے جانا چاہتے ہیں (یعنی وفد دیوبند سے) اور میں نواب صاحب کے یہاں ٹھیروں گا بھی نہیں۔ ایک موذن کے یہاں ٹھیروں گا نواب صاحب ملنا چاہیں تو وہاں آ کر مل لیں

سفر ڈھاکہ کا قصہ

وفد کے ساتھ جاتے ہوئے کلکتہ پہنچے نواب صاحب کی کوٹھی میں قیام ہوا ایک شخص نواب

صاحب کی کوٹھی میں قیام ہوا ایک شخص نواب صاحب کے معتمد آئے ناشتہ بھی لایا گیا میں اس میں شریک نہیں ہوا (الحمد اللہ کہ نواب صاحب کا نمک نہ کھایا تھا۔ کیونکہ ان کے منیجر صاحب سے لڑائی ہونے والی تھی)وہ صاحب کہنے لگے بڑی خوشی ہوئی آپ کے آنے کی خصوصا جبکہ نواب صاحب مایوسی ظاہر کر چکے تھے کہ آپ نے ایسی شرطیں لگائی ہیں کہ جن پر عمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے پوچھا نواب صاحب نے وہ شرط بھی بیان کی تھی۔ کہاہاں میں نے کہا کیا شرط بیان کی کہنے لگے وہ شرط یہ کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جائے میں نے کہا جناب یہ شرط تو آسان تھی (یعنی کچھ نہ دینا) یہ شرط سخت کس طرح ہے کہنے لگے آسان کیسے ہے محبوب کی خدمت کو تو جی چاہتا ہی ہے محبت نے تقاضا کیا تو نواب صاحب نے اتنی دور سے جناب کو تکلیف دی ہے یہ کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے کہ کچھ خدمت نہ کی جائے۔

امراء علماء کو پیاسا اور خود کو کنواں سمجھتے ہیں

میں نے کہا کہ خدمت کا تو یہ بھی طریقہ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ دینا ہو گھر بھیج دیا جائے۔ دروازہ پر بلا کر خدمت کرنا کیا ضرورت ہے تو کیا کہتے ہیں کہ جناب گستاخی معاف پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ مجھے یہ لفظ سخت ناگوار ہوا میں نے کہا آپ اپنے آپ کو کنواں اور ہم کو پیاسا سمجھتے ہیں حالانکہ واقع میں اس کا عکس ہے دلیل یہ ہے کہ ہمارے پاس دین ہے جس کی تم کو بھی حاجت ہے اور تمھارے پاس دینا ہے جس کی ہم کو حاجت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ ہمارے پاس تو بقدر ضرورت دینا موجود ہے جس سے ہم تمام عمر تم سے مستغنی رہ سکتے ہیں۔ اور تمھارے پاس دین بقدر ضرورت بھی موجود نہیں اس لئے تم ہم سے کسی طرح مستغنی نہیں رہ سکتے اور یہ آپ کی بے حسی ہوگی اگر دین کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ بس چپ رہ گئے اور سر نہ اٹھایا۔ چونکہ بات ہی ان کے منہ سے بہت بے جا نکلی تھی۔ اس واسطے شرمندہ ہوئے اور غصہ نہ آیا تو دیکھئے اگر میں ان کا طالب بن کر گیا ہوتا تو کیا اس طرح گفتگو کرنا ممکن ہوتا۔ اس صورت میں ایسی گفتگو پر ان کو غصہ آیا اور اب خاموش اور دم بخود تھے۔ غریب غربا میرے اور ان کے اس واقعہ سے بڑے خوش ہوئے اور کہتے تھے اس متکبر کا تکبر کبھی نہ ٹوٹا تھا۔ آج اسی نے توڑا ہے پھر تو وہ جہاں ملتے جھک کر سلام کرتے تھے پھر مجھے ایسا انقباض ہوا کہ نواب صاحب کے پاس بھی کیوں جاؤں اور میں اس کی کوٹھی میں ٹھیرا بھی نہیں۔

حافظ اسمٰعیل خورجوی ایک مسجد کے امام تھے میں نے ان سے کہا کہ میں تمھاری مسجد میں

ٹھیروں گا تم حافظ احمد صاحب کے پاس جاؤ اوران سے پوچھ آؤ کہ وہ آرام کرنے کے لئے میری مسجد میں جاتے ہیں انہوں نے اجازت دیدی بس میں اسباب لے اوران کے حجرہ میں جا ٹھیرا۔ پھر حافظ احمد صاحب کوالتواءعزم کی خبر ہوگئی خود آئے اور مجھے ہر چند سمجھایا مگر میں نے عذر کردیا۔ وہاں نواب کوخبر ہوئی کہ وہ نہیں آئے گا میں لوٹنے کو تیار ہو چکا تھا۔ کہ نواب صاحب کا تار پہنچا کہ ضرور آئیں مگر میں الہ آباد چل دیا اور وہاں پہنچ کر میں نے جواب دیا کہ جب تار پہنچا تو میں تیار ہو چکا تھا۔ لہذا مجبور رہا۔

بلاضرورت احسان نہ لے

جب میں وطن پہنچا تو بعض ان لوگوں کے جو دینداروں میں سے نہیں بلکہ اہل دنیا ہی میں شمار کئے جاتے ہیں خط آئے کہ آپ کا نہ جانا بڑا اچھا ہوا۔ ہمیں یہ خبر سن کر کہ آپ جارہے ہیں بڑا قلق تھا بات یہ ہے کہ جب آدمی لاگ لپیٹ رکھے تب ہی اس کو لپنا پڑتا ہے اور جب لاگ لپیٹ نہ ہو تو پھر لپنے کی کیا ضرورت ہے۔ چاہیے کہ بلاضرورت آدمی کسی کا احسان نہ لے ورنہ دبنا ضرور پڑتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی اصول رہا ہے کہ بات صاف رکھتے چھوٹا ہو یا بڑا کسی کا احسان بلاوجہ نہ لیتے۔

قصہ مولانا محمد قاسم صاحب ومناظرہ روڑکی

مولانا محمد قاسم صاحب روڑکی دیابند سے مناظرہ کے لئے گئے اور بھی چند آدمی ساتھ ہو گئے تھے سنا ہے کہ مولانا ایک جگہ ٹھیرے اور ساتھ والوں سے کہہ دیا کھانا بازار سے کھائیں۔ مجسٹریٹ کوخبر پہنچی تو اول وہ سمجھا کہ یہی دعوت خورے آئے ہوں گے۔ مگر جب واقعی بات کی خبر ہوئی کہ وہ اس طرح کے لوگ ہیں تو اس کے دل میں بڑی قدر ہوئی اور اس نے مولانا کو بلایا اوراشتیاق ظاہر کیا مولانا کی عادت تھی۔ کہ کبھی بڑے آدمی سے نہ ملتے تھے

۱۰

قصہ مولانا محمد قاسم صاحب رام پور

ایک دفعہ رام پور گئے نواب صاحب کوخبر ہوئی تو مولانا کو بلایا مگر مولانا نہیں گئے۔ اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں۔ آداب شاہی سے واقف نہیں خدا جانے کیا بے ادبی ہو جائے نواب صاحب نے کہا آپ کو آداب وغیرہ سب معاف ہیں۔ آپ تشریف لائیے ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے مولانا نے جوابدیا کہ تعجب کی بات ہے ملنے کا اشتیاق تو آپ کو ہو اور آؤں میں غرض نہ گئے۔ باوجود ایسی آزادی

کے روڑ کی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہ کیا۔ کیونکہ اس سے ملنے میں دینی مصلحت تھی۔

گناہ سبب ہے کمی بارش کا

اس نے مولانا سے بارش کی کمی کی وجہ پوچھی تو مولانا نے دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیا کہ گناہ سبب ہیں کمی بارش کے وہ بہت ہی محظوظ ہوا اور مولانا کے علم کا قائل ہو گیا۔ اور بہت ہی اچھی طرح پیش آیا۔ پھر مولانا سے روڑ کی آنے کی وجہ پوچھی فرمایا دیانند سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ مگر وہ پہلے مناظرہ کی دعوت دیتا پھرتا تھا۔ اب جو میں آ گیا تو پیچھے ہٹتا ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا ہم اس کو بلاتے ہیں چنانچہ بلایا اور پوچھا کیوں مناظرہ نہیں کرتے کہا فساد کا خوف ہے مجسٹریٹ نے کہا فساد کے ہم ذمہ دار ہیں۔ دیانند نے کہا میں اس ارادہ سے یہاں نہیں آیا ہوں۔

نہ تذلل چاہئے نہ تکبر

مولانا نے کہا ارادہ فعل اختیاری ہے اب کر لیجئے مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ آخر بھاگ گیا۔ یہ شان ہے علماء کی نہ تذلل کہ خواہ مخواہ نواب سے ملیں اور نہ تکبر کہ مجسٹریٹ سے بھی نہ ملیں۔ ضرورت دین کی وجہ سے ملے اور دنیا کی ضرورت کے لئے کبھی کسی بڑے سے بڑے کو بھی نظر میں نہ لائے۔

عصر کا وقت شروع ہوتے ہی تجویز ہوئی کہ ریل کے آنے سے پہلے نماز عصر سے فراغت کر لیں۔ مجمع اس وقت اچھا تھا لوگ اپنے اپنے برتن لے کر وضو کے لئے دوڑے ان میں ایک لوٹا پیتل کا بھی تھا۔ احقر نے پوچھا پیتل کے برتن کا کیا حکم ہے۔

پیتل کے برتن اور زیور کا حکم

فرمایا جو برتن ہنود کے ساتھ خاص نہ ہوں جن کے استعمال سے تشبہ نہ لازم آئے جائز ہیں جیسے ٹونٹی دار لوٹا کہ ہندو اس کو استعمال نہیں کرتے۔ ہاں ہندوؤں کی سی لٹیا کا استعمال نہیں چاہئے اور زیور بھی پیتل کا جائز ہے۔ سوائے انگوٹھی کے کیونکہ اس کے بارہ میں نص اجد منك ريح الاصنام۔ آئی ہے۔ قیاسا تو سب زیور جائز ہونا چاہئیں مگر نص کی وجہ سے انگوٹھی کے بارہ میں قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

متبعین سنت سے محبت ہونی چاہئے۔

عصر کی نماز میں تقریباً ساٹھ آدمی فتح پور ضلع اعظم گڈھ اور کوپا مئو اور پورہ معروف وغیرہ کے

تھے۔لوگوں نے عرض کیا حضور اس طرف کے لوگوں کی سیری نہیں ہوئی۔فرمایا میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس نواح کے لوگوں کی محبت اسی قسم کی ہے جیسے اپنے نواح کے لوگوں کی۔کیونکہ یہ لوگ خوش عقیدہ ہیں اور متبع سنت ہیں۔بڑی بات یہ ہے کہ مخلص ہیں تمام دیہات کے لوگوں نے اصرار کیا ایک ایک دن کو ہمارے یہاں چلئے۔فرمایا اس وقت تو بالکل ہی گنجائش نہیں الہ آباد پہنچنا ضرور ہے۔اب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ الہ آباد سے پھر لوٹ آوں مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ سب لوگ مل کر ایک شخص کو وکیل کردیں اور وہ ایسا ہو کہ سب جگہ مجھے لے جاسکے۔وہ شخص الہ آباد میرے ساتھ چلے وہاں سے لوٹ کر ہر جگہ میرے ساتھ رہے دوسری یہ کہ جو لوگ الہ آباد میں آئے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے مجھ کو جانا ہے ان سے مشورہ کرکے گنجائش نکالوں گا۔اور اگر کوئی مانع ہوا۔اور ان کا مشورہ لوٹنے کا نہ ہوسکا تو مجبوری رہے گی اس وقت کوئی یہ نہ کہے کہ وعدہ خلاف کیا میں وعدہ نہیں کرتا ہوں وعدہ الہ آباد پہنچ کر ہوگا۔

سلف اصلاح اخلاق بہت کرتے تھے

ذکر ہوا کہ پہلے بزرگوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں۔فرمایا ہاں پہلے مشائخ کو اصلاح اخلاق کی طرف بہت توجہ تھی اور اس کے لئے بڑی بڑی ریاضات شاقہ کرتے تھے کسی نے مدتوں حمام جھونکا ہے اور کسی نے مدتیں جنگل میں گذاری ہیں وعلی ہذا ذکر شغل کی طرف اس وقت زیادہ توجہ نہ تھی ہمتیں بہت تھیں سخت سے سخت محنتیں گوارا کر لیتے تھے۔اور ذکر شغل کی یہ حالت تھی کہ بارہ تسبیح کو بہت بڑا سمجھتے تھے جو آجکل ابتدائی تعلیم ہے۔

مجتہدین فن نے تصوف کو سہل کردیا ہے

بات یہ ہے کہ اب نہ وہ قوی ہیں نہ وہ ہمتیں ہیں۔اس ضعف کو دیکھ کر مجتہدین فن نے سہولتیں کردی ہیں۔اور مجتہدین نے کیا کردی ہیں۔حق تعالیٰ نے ان کے قلوب میں القاء فرمایا ہے۔پہلے لوگوں کی تو جانچ کے بھی آجکل کے لوگ متحمل نہیں ہوسکتے۔

بے انتظام آدمی کو بیعت نہ کرنا

مولانا محمد یعقوب صاحب ایک بزرگ کی اہل حکایت بیان فرماتے ہیں کہ جب کوئی طالب ان کے یہاں آتا تو اس کو مہمان کرتے اور کھانا ایک خوراک سے ذرا زائد بھیجتے جو کھانا بچ جاتا۔اس کو

دیکھتے کہ سب چیز تناسب کے ساتھ بچی ہے یا نہیں مثلا ایک روٹی بچی تو سالن بھی ایک ہی روٹی کے قابل بچا ہے یا کم زیادہ ہے اگر تناسب کے ساتھ نہیں بچا تو اس کو بیعت نہ کرتے اور کہتے تمھاری طبیعت میں انتظام نہیں تم سے کام کرنے کی کچھ امید نہیں ۔لوگ اہل اللہ کو بے وقوف اور بے حس سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دماغ بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت گنگوہی کی لطافت حس اور باوجود اسکے تحمل

حضرت گنگوہی کو دیکھئے مولانا نہایت درجہ نفیس مزاج تھے حتی کہ خدام کو حکم تھا کہ چراغ جلانے کے لئے مسجد میں دیا سلائی نہ گھسو۔ چراغ کو باہر لے جا کر جلا کر لا رکھ دیا کرو۔ گندھک کی بدبو گوارا نہ تھی ۔اور ذکی الحس ایسے تھے کہ ایک روز مسجد میں عشاء کے لئے آئے اور عشاء دیر میں ہوتی تھی آتے ہی فرمایا آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت کسی نے دیا سلائی جلائی تھی ۔ اللہ اکبر اس حس کو دیکھئے کہ دیا سلائی جلنے سے جتنی گندھک ہوا میں مل جاتی ہے اتنی دیر میں اس کا بقیہ کا اثر رہا ہوگا۔ اس سے تو اس قدر نفرت اور ساتھ ہی اس کے تحمل اس قدر کہ ایک خارشتی طالب علم حدیث کے دورہ میں شریک تھا وہ گندھک مل کو سبق پڑھنے بیٹھتا اور کبھی مولانا چیں بہ جبیں نہ ہوئے اور کسی وضع سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ مولانا کو تکلیف ہوتی ہے۔طلبہ کا اسقدر احترام کرتے تھے ۔دونوں واقعوں کے سننے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ بے حس ہوتے ہیں ۔ بے حس ہوتے نہیں ۔ ہاں ۔ بے حس بن جاتے ہیں جہاں ان کو بے حس بننے کا حکم ہوتا ہے شوروغل نہیں مچاتے کسی کی شکوہ و شکایت غیبت نہیں کرتے۔اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بات کو سمجھتے ہی نہیں عقل اور حس ہی نہیں رکھتے ۔

حالانکہ یہ بات نہیں حس و عقل تو دنیا سے زیادہ رکھتے ہیں مگر انہوں نے رسی اپنی ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے ادھر لے جاتا ہے۔ خواہ ان کی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف ۔موافقت و مخالفت دونوں حالتوں میں یکساں رہتے ہیں کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ کہ کون چیز ان کی طبیعت کے موافق ہے اور کون مخالف اپنی طبیعت ہی نہیں رکھتے ۔

مرزا جان جاناں کی نزاکت اور تحمل

حضرت مرزا جان جاناںؒ کو دیکھئے یہ سب سے زیادہ نازک مزاج مشہور ہیں ۔ کسی عورت

نے رضائی میں ڈورے جلدی میں ٹیڑھے ڈال دیئے تھے۔ تو مرزا صاحب کو رات بھر نیند نہیں آئی اور اس نزاکت پر دوسری حالت سنیئے کہ بیوی سخت بدمزاج تھیں۔ وہ ان کو بے تکی سناتی تھیں اور کبھی ان کو کچھ نہیں کہا کوئی پوچھتا تو فرماتے وہ میری بڑی محسن ہے۔ میرے اخلاق کی اصلاح اسی نے کی ہے۔ یہ فرق ہے اللہ والوں اور دنیا والوں میں۔ اس کے بعد ریل آ گئی۔ اور ڈوری گھاٹ سے مئو کو روانہ ہوئے اس وقت یہ اصحاب ساتھ تھے۔ منشی محمد اختر صاحب مفتی صاحب (محمد یوسف) مولوی ابوالحسن صاحب۔ مولوی عثمان صاحب۔ حافظ خدا بخش صاحب (احقر محمد مصطفیٰ۔ مولوی عبدالغنی صاحب۔ اس وقت اہل بڑہل گنج اور دیگر زائرین اور چپراسی کورٹ بادل ناخواستہ رخصت ہوئے ڈوری گھاٹ سے اگلے اسٹیشن پر تخمینا پچاس آدمی ملنے کو آئے

ریل گاڑی مکان واحد ہے۔

ریل گاڑی میں پوچھا گیا کہ امام اور مقتدی کا مکان ایک ہونا شرط ہے تو اگر ریل کے ایک درجہ میں امام ہو اور دوسرے درجہ میں مقتدی تو اقتدا صحیح ہوگی یا نہیں۔ فرمایا مکان کا واحد ہونا عرف سے معلوم ہوسکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ گاڑی میں سب درجے آپس میں ایسے ہیں جیسے کسی مسجد میں کئی درجے ہوں کوئی اندر کے دالان میں کھڑا ہو۔ اور کوئی باہر کے دالان میں اور کوئی صحن میں تو اس کو جداگانہ مکان نہیں سمجھا جاتا ہے ایسے ہی ایک گاڑی کے درجوں کو الگ الگ مکان نہ کہا جائے گا اور اقتداء صحیح ہوگی۔

ریل میں نماز بیٹھ کر ہوسکتی ہے یا نہیں۔

پوچھا گیا۔ ریل میں نماز بیٹھ کر بھی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ فرمایا ہوسکتی ہے جب کہ کھڑا نہ ہو سکے اور یہ قضیہ کے مقدم کو واقع ہوتے کبھی نہیں دیکھا میرے نزدیک ریل میں کبھی یہ ضرورت پیش نہیں آئی کہ نماز بلا بیٹھے نہ پڑھی جا سکے۔ میں نے بہت لمبے لمبے سفر کئے ہیں اور مجمع بھی بہت زیادہ رہا ہے مگر ہمیشہ نماز کھڑے ہو کر پڑھی ہے۔

نماز ایسی چیز ہے جس کو لا پروائی سے ادا کیا جائے آدمی کی طبیعت میں ذرا سا اہتمام اور پروا ہو تو کچھ دقت پیش نہیں آتی خصوصا ہندوستان کے سفروں میں تو کچھ بھی وقت نہیں ہوتی۔ اور جب آدمی ارادہ ہی نہ کرے تو سینکڑوں بہانے موجود ہیں۔ کاش مسلمان سب کے سب نماز کے لئے مستعد ہوتے

گویا ان کے شعار میں سے ہوتا کہ نماز ضرور پڑھتے تو دیکھئے کہ کتنی سہولتیں ہوئیں دوسری قومیں بعض ایسی باتوں کی پابند ہیں جو نہایت ہی دشوار ہیں۔ مگر چونکہ ایک قوم کی قوم ان کی پابند ہے اس واسطے ہر جگہ ان کے انتظامات ہیں اور بری بھلی پابندی کر ہی لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی عبادات میں تو بہت زیادہ توسع ہے اور اس صورت میں دیگر اقوام پر نماز کو دیکھ کر بڑا اثر ہوتا۔

ایک انگریز کی کتاب فضائل اسلام میں

ندوہ سے ایک پرچہ نکلتا تھا اس میں ایک انگریز کے رسالہ کا ترجمہ ہوتا تھا وہ رسالہ فضائل اسلام میں اس انگریز نے لکھا ہے اور اس کی ابتداء ایک واقعہ سے ہوئی وہ یہ کہ وہ انگریز عرب گیا تھا وہاں اس نے بدوؤں کو نوکر رکھے جو اس کے ساتھ بطور اردلی۔ چلا کرتے تھے آگے آگے یہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ اور پیچھے وہ بدو سوار ہوتے تھے ایک دفعہ سب جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ ان بدوؤں نے بلا اس کی اطلاع کے ایک دم گھوڑے روک لئے۔ اور اتر کر نماز پڑھنے لگے۔ اس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو گھوڑے کھڑے ہیں اور سوار صف باندھے نماز پڑھ رہے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ میں جس وقت ان بدوؤں کے آگے چلا کرتا تھا تو معلوم یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ فوج کے ساتھ جا رہا ہے مگر اس وقت ان کی صف سے الگ کھڑا ہوا ایسا ذلیل معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک کتا کھڑا ہے اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی صف میں شامل ہو جاؤں۔ اسی دن اسلام کی محبت دل میں آئی اور بعد از ان فضائل اسلام میں وہ کتاب لکھی۔

ایک انگریز کا قول ہے کہ جماعت سے نماز اصول مساوات ہے

فرمایا ایک انگریز کا قصہ ہے کہ اس نے علی گڈھ میں نماز ہوتے دیکھی تو کہا یہ ہے اصول مساوات ہے کہ ادنی اور اعلی میں کچھ تفریق نہیں سب ایک حالت میں ہیں اور ایک امام کے حکم میں ہیں اس سے مذہب اسلام کا صدق ثابت ہوتا ہے۔

نواب ٹونک کا قصہ

ایک دین دار نواب ٹونک کا قصہ ہے کہ یہ پابند جماعت تھے ایک دفعہ مسجد میں پہنچے تو ایک غریب آدمی کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے وہ بچارا نواب صاحب کو دیکھ کر بھنچا اور ایسا گھبرایا کہ سلام

پھیرتے ہی بھاگا۔ فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب نے اس کو بلایا تو وہ ڈرا کہ خدا جانے نواب صاحب کیا کریں۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ڈرنا مت اور کوئی دنیا کا عذر مت کرنا۔ دین دار بننا۔ چنانچہ اس سے نواب صاحب نے پوچھا کہ کیوں بھاگا تھا تو کہا اس واسطے بھاگا تھا کہ نماز کام ہے دین کا اور آپ دنیادار میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تو خیال ہوا کہ کہیں دنیا مجھ کو بھی نہ لگ جائے اس واسطے بچ بچ کر کھڑا ہوا۔ اور پھر جلدی چلا گیا۔ یہ کلمہ کس قدر سخت تھا مگر یہ اثر ہوا نواب صاحب پر کہ سب حاضرین سے کہا یہ شخص بڑا اللہ والا ہے اس سے مصافحہ کرو اور اس کا دس بیس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا۔

۲۷ صفر ۱۳۳۵ھ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء روز یک شنبہ

شب یک شنبہ مغرب کے وقت گاڑی کو پامئو کے اسٹیشن پر پہنچی پچیس تیس آدمی زیارت کے لئے حاضر تھے انہوں نے مصافحہ کرنا چاہا تو فرمایا نماز پڑھ لیں وقت ہو گیا ہے سب کی جگہ گاڑی میں نہیں ہے ہم لوگ گاڑی کے اندر پڑھتے ہیں آپ باہر پڑھ لیں لوگوں نے کہا ہم تو آپ کے ساتھ ہی پڑھیں گے۔ گاڑی سے اتر آئیے پلیٹ فارم پر جماعت کر لیں فرمایا چھوٹا اسٹیشن ہے ریل کم ٹھہرتی ہوگی۔ ایک دو منٹ گذار بھی لئے ہیں پلیٹ فارم پر پڑھنے میں بے اطمینانی رہے گی۔ لوگوں نے کہ ہم گارڈ سے کہے دیتے ہیں تاوقتیکہ ہم نماز پڑھ لیں گاڑی نہ چھوڑی جائے گی چنانچہ گارڈ سے کہہ دیا اور نماز شروع کر دی گئی۔ اطمینان سے نماز پڑھی۔ فرض پڑھ کر حضرت والا نے دیکھا کہ گارڈ منتظر کھڑا ہے چاہا کہ سنتیں بھی پڑھ لیں لیکن لوگوں نے کہا سنتیں بھی پڑھ لیجئے۔ گاڑی نہیں جا سکتی۔ گارڈ تمام اسٹیشن والے دیکھتے تھے کہ یہ کون بزرگ ہیں اطمینان سے سنتیں پڑھ کر ریل میں سوار ہوئے اور سب لوگوں نے مصافحہ کیا تب ریل چھوٹی۔ ان زائرین میں سے دس آدمی اسٹیشن انڈارا جنکشن تک ریل میں بھی ساتھ رہے۔ اسٹیشن انڈارا پر گاڑی تبدیل ہوئی۔ گاڑی کے آنے میں قریب ایک گھنٹہ کے دیر تھی خدام اسباب اتارنے میں مصروف تھے دیکھا کہ حضرت والا کو لوگ ویٹنگ روم میں لے گئے۔ جس کو پہلے سے کھلوا رکھا تھا۔ ایک میز کے آس پاس چار کرسیاں پڑیں تھی۔ ایک کرسی پر حضرت والا بیٹھ گئے اور دیگر کرسیوں پر ایک ایک آدمی اور بیٹھ گیا۔ اور زائرین نے پروانہ وار ہجوم کرنا شروع کیا دس آدمی وہ تھے جو کو پامئو سے ہمراہ آئے تھے اور کچھ لوگ مئو سے آئے ہوئے تھے۔ اور ایک گاڑی مئو سے اسی وقت اور آئی اس میں بہت آدمی اور تھے۔ غرض ویٹنگ روم میں بہت بھیڑ ہوگئی۔

رفقائے سفر اسباب کو تقسیم کرلیں تو موجب سہولت ہے

ہم ہمراہی خدام ویٹنگ روم میں باہر کھڑے تھے اور یہ مشورہ کر رہے تھے کہ اسباب کے اعداد زیادہ ہیں مناسب ہے، کہ تینوں خدام ان کو تقسیم کرلیں۔ اور اپنے اپنے حصہ کے ذمہ دار بن جائیں۔ تاکہ اٹھانے بٹھانے اور حفاظت میں سہولت ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اسباب میں تین بستر تھے اور دو صندوق تھے اور ایک زنبیل اور دو چمڑے کے بیگ اور دو عدد ناشتہ دان کے اور لوٹا وغیرہ متفرق اعداد تھے بسترے تینوں مفتی صاحب نے لئے اور دونوں صندوق اور چمڑے کے دونوں بیگ مولوی محمد اختر صاحب نے اور زنبیل وغیرہ متفرقات احقر کے حصہ میں آئے یہ تقسیم کر ہی رہے تھے کہ محسوس ہوا کہ ویٹنگ روم کے اندر حضرت بلند آواز سے کچھ فرمارہے ہیں۔ احقر جلدی سے اندر پہنچا اور کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ایک تقریر شروع ہوگئی ہے احقر نے کوشش کی کہ لیمپ کے قریب اچھی روشنی میں پہنچ جائے تاکہ لکھنے میں سہولت ہو مگر زائرین کے ہجوم کی وجہ سے ممکن نہ ہوا۔ بالآخر ایک طرف دیوار سے لگ کر زمین ہی میں بیٹھ گیا۔ اور لکھنا شروع کیا۔ وہاں روشنی صرف اتنی تھی کہ کاغذ پر سطریں دکھائی دیتی تھیں۔ فوت ہوجانے کے اندیشے سے اسی حالت میں لکھنا شروع کیا۔

اور الحمدللہ کہ وہ تقریر اچھی طرح ضبط میں آ گئی اس کو اتنا امتداد ہوا کہ جب تک گاڑی نہیں آئی برابر جاری رہی۔ کل وقت اس کا پون گھنٹہ تھا۔ خلاصہ اس تقریر کا تکلفات کی تردید اور حقوق معاشرت کی نگہداشت کا ہونا ضروری تھا۔ شروع کا کچھ تو تھوڑا حصہ اس کا سننے سے رہ گیا مگر مقصود بحمداللہ پوری طرح مضبط ہوگیا۔

تقریر ادب العشیر

جب ریل میں سوار ہوکر انڈارا سے چل دیئے تو احقر نے عرض کیا۔ اس تقریر کا نام بھی علیحدہ ہونا چاہئے کیونکہ ماشاء اللہ بسیط اور جامع مضمون ہے۔ حضرت والا نے اس کا نام ''ادب العشیر'' تجویز فرمایا۔ (یہ تقریر صاف ہوچکی بلکہ دو تقریریں اسی موضوع پر اس سفر میں اور بھی ہوئیں۔ ان کو بھی اس میں شامل کردیا گیا۔ حجم ''ادب العشیر'' کا ۳۲ صفحہ ۴۰۵ سطر ہوا۔)

جب مئو کے اسٹیشن پر پہنچے تو زائرین کا مجمع بہت زیادہ تھا۔ حضرت والا کو گاڑی میں سے نکلنا

مشکل ہو گیا۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی اسباب خود اٹھائے۔ اسباب اس صورت سے اٹھا لیا گیا کہ پتہ نہ چلا کہ کہاں تھا اور کون لے گیا۔ احقر نے پکار کر کہا۔ اسباب کوئی نہ لے جائے بلکہ پلیٹ فارم پر جمع کر لیں۔ جب سب اسباب جمع ہو گیا تو احقر نے کہا ہم کسی کو اٹھانے نہ دیں گے تاوقتیکہ ایک صاحب سب کے ذمہ دار نہ ہو جائیں۔ اور وہ اٹھانے والوں کو پہچاننے والے ہونے چاہئیں تلاش کیا گیا کہ یہاں حضرت کا داعی کون ہے وہی یہ بھی کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک حکیم صاحب ہیں۔ چنانچہ وہ سامنے آئے اور پوچھا اسباب کے کل اعداد کتنے ہیں۔

احقر نے عرض کیا کہ سترہ ہیں۔ حکیم صاحب نے سترہ آدمی پیش کئے کہ یہ سب جانے پہچانے ہیں ایک ایک عدد ہر آدمی کو دیدیا جائے چنانچہ اسی طرح لے گئے۔ ادھر حضرت والا پر زائرین کا وہ ہجوم ہوا کہ ہم خدام کو پتہ بھی نہ چلا کہ حضرت کدھر ہیں۔

ہمراہیان کی آسائش کی اپنی آسائش پر تقدیم

تھوڑی دیر میں مولوی ابوالحسن صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور ہم خدام سے کہا آپ لوگ جلدی چلیں اور سواری میں بیٹھ کر روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ حضرت والا پالکی میں سوار ہو چکے۔ لیکن فرمایا ہے کہ پالکی روانہ اس وقت ہو گی جب کہ میں اپنی آنکھ سے ہمراہیان کو روانہ ہوتا دیکھ لوں گا بلکہ اتفاق سے اس وقت اسٹیشن پر ایک ہی تھا اور خدام چار تھے۔ جیسے تیسے اس میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

پالکی کیساتھ دوڑنے سے ممانعت

مولوی ابوالحسن صاحب پیادہ پا چل دیئے۔ حضرت والا کی پالکی کے ساتھ بہت ہجوم تھا۔ اور لوگ پالکی کا پایا پکڑ کر دوڑنے لگے حضرت نے بہ تاکید فرمایا کہ پالکی کے ساتھ نہ دوڑو آگے چلو یا پیچھے مجھے اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے اور فرمایا اس قسم کی شان بنانا متکبرین کا کام ہے اور تصنع ہے۔

قصبہ میں قیامگاہ پر ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی جماعت ہو چکی تھی اسباب شمار ہو جانے اور ملنے ملانے کے بعد فرمایا اسباب اندر کمرہ میں ایک جگہ رکھ دیا جائے اور کمرہ کا دروازہ بند کر لیا جائے تاکہ مجمع نہ ہو پھر فرمایا ہم اور ہمارے ساتھی نماز اس کمرہ میں پڑھیں گے اور لوگ مسجد میں پڑھ لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کمرہ کا عرض چونکہ دو صف کے قابل نہ تھا اس واسطے حضرت والا وسط صف میں کھڑے ہوئے اور نماز میں سورہ

الم نشرح اور والتین پڑھی۔

بعد نماز کھانا کھایا ایک قصہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان صاحب سربراہ کار ریاست منجھولی کے اسٹیشن انڈارا کے بعد اس اسٹیشن پر ملے اور بہت اشتیاق ظاہر کیا اور عرض کیا مجھے جانا تو اپنے کام پر تھا مگر حضرت سے الگ ہونے کو دل نہیں چاہتا۔ مئو تک چلوں گا۔ اور رات کو حضرت ہی کے ساتھ رہوں گا۔ اس پر حضرت نے سکوت فرمایا۔ مئو کے دیگر اشخاص جو اسٹیشن انڈارا سے ہمراہ ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بولا کہ ضرور تشریف لے چلئے رات کو مئو میں آرام کیجئے اور صبح کو منجھولی لوٹ آیئے گا۔ چنانچہ وہ ساتھ رہے۔

رفیق اور غیر رفیق میں فرق کرنا۔

حضرت والا جب مئو میں قیام گاہ پر پہنچ گئے اور ملنے ملانے سے فراغت ہوگئی تو پوچھا کہ سربراہ کار صاحب کہاں ہیں مگر اس وقت ان کا پتہ نہ چلا۔ جب کھانا کھانے کی تیاری ہوئی تو مولوی ابوالحسن صاحب سے پوچھا کہ سربراہ صاحب کہاں ہیں ان سے کسی نے ریل میں کہا تھا کہ آپ بھی چلئے۔ پھر اس نے ان کی خبر بھی نہ لی اور وہ کہنے والا کون تھا۔ تفتیش کی گئی۔ مگر پتہ نہ چلا۔ کہ وہ کہنے والا کون تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ سربراہ کار صاحب کمرہ میں باہر مجمع میں موجود ہیں فرمایا اچھا ہوا معلوم ہو گیا کہ وہ آ گئے۔ پس تحقیق سے یہ غرض تھی وہ ہمارے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں۔ لہذا ہمارا ان کا ساتھ کھانے میں اور سونے میں بھی نہ ہوگا۔ اور اس کہنے سے یہ غرض نہیں کہ ہم کو پہلے کھلایا جائے۔ چاہے ہم کو دیگر مہمانوں کے بعد کھلایا جائے تاخیر کا مضائقہ نہیں مگر معیت نہیں چاہتے۔ اور اٹھنے اور بیٹھنے میں بھی شناسا سے .... تکلف کرنا پڑتا ہے اس واسطے ہمراہیان کے کمرہ میں کوئی نہ رہے۔ فرمایا کھانے والوں کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت ہماری اور ایک دیگر مہمانوں کی لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو دفعہ کر کے کھلایا جائے۔ اول دیگر مہمانان کو کھلایا جائے بعد میں ہم کو۔

صاحب خانہ کے عرض کیا انتظام کے لئے آدمی کافی موجود ہیں۔ دونوں جماعتوں کو ایک دم کھلائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد کھانا کھانے کے پھر پوچھا کہ سربراہ کار صاحب کو کھانا کھلا دیا گیا یا نہیں۔ معلوم ہوا کھلا دیا گیا کھانا کھاتے ہی فرمایا رات زیادہ ہوگئی ہے۔ اب لیٹ جانا چاہئے کیونکہ صبح کو سفر کرنا ہے۔

تقویٰ اور فہم بڑی چیز ہے صحابہ کی فضیلت اسی سے ہے

ایک صاحب مولوی عبد الرحمٰن نامی کھانے میں بھی شریک تھے (یہ حضرت کے شاگرد ہیں مدرسہ جامع العلوم کان پور سے سند فراغ حاصل کی تھی۔) انہوں نے عرض کیا میں رات کو یہیں رہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت نے ان کو اجازت دی۔ حسب معمول سحر کو اٹھے قبل نماز فرمایا دو چیزیں جس میں ہوں وہ مجھے بہت محبوب ہے۔ تقویٰ اور فہم صحابہ میں بھی یہ دو چیزیں تھیں جن سے وہ کامل مکمل تھے۔ ورنہ سب کے سب پڑھے لکھے بھی نہ تھے۔

فجر کی نماز مسجد میں پڑھی اور سورہ الحاقہ۔ اور مدثر پڑھی۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جگہ کا ملنا مشکل تھا۔ بعد نماز فوراً اسباب نہایت عجلت کے ساتھ تیار کیا گیا۔ اور حضرت والا پالکی میں اور رفقاء مع اسباب کے دو یکوں میں بقصد سرائے میر روانہ ہوئے۔ اور یہ قرارداد ہوئی کہ آج دن بھر سرائے میر میں رہ کر رات کو چل کر ۲ بجے شب کو پھر مئو آ جائیں۔ حضرت والا درمیان کے ایک اسٹیشن سے اتر کر موضع فتح پور وغیرہ ہو آئیں اور رفقاء مئو میں ٹھیریں۔

وعدہ کی پابندی

جس وقت سے اسٹیشن انڈارا سے چلے تھے برابر لوگوں کا اصرار تھا۔ اور مئو میں بھی برابر اس پر گفتگو رہی ہر شخص یہ کہتا تھا کہ ہمارے یہاں چلئے کوئی ایک دن رہنے کی فرمائش کرتا تھا۔ اور کوئی آدھے دن کی۔ اور کوئی اسی پر راضی تھا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے ہی تشریف لے چلئے۔ غرض اس قدر اصرار تھا کہ جواب دیتے دیتے تھک گئے بالآخر حضرت نے فرمایا کہ مجھے انکار نہ تھا مگر پہلے سے قرارداد ہو چکی ہے کہ ایک صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب) الہ آباد آئیں گے منگل کے دن مجھے وہاں پہنچنا ضروری ہے مجھے آپ لوگوں کی فرمائشیں پورا نہ کرنے کا از حد قلق ہے مگر ان سے چونکہ وعدہ ہو چکا ہے اس واسطے مجبوری ہے اب صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ منگل کے دن الہ آباد پہنچ جاؤں اور ان سے ساری حالت ظاہر کی جائے اور وہ اجازت دیں اور جو تجویزیں انہوں نے مجھے آگے لے جانے کی کر رکھی ہے ان کو ملتوی کریں۔ تو میں پھر الہ آباد سے یہاں لوٹ آؤں۔ اور آپ کی موافق جگہ چلوں مگر اس میں کئی شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ خواجہ صاحب پر کسی قسم کا زور نہیں دوں گا۔ میرے ساتھ یہاں کا ایک ایک وکیل ہو گا۔ چلے وہ ان سے

گفتگو کرے۔ اور ان کو راضی کر لے اور جو بات طے ہو جائے گی میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ دوسری یہ کہ صرف ایک دو جگہ کے واسطے میں اتنی تکلیف نہ اٹھاؤں گا۔ کم از کم پانچ جگہ کی فرمائشیں بھی ہو جائے گی۔ اور وہ لوگ اپنے اپنے وکلاء کا انتظام کر لیں گے۔ تو میں چلا آؤں گا۔

تار سے پیچیدہ باتیں طے نہیں ہوتی ہیں

لوگوں نے کہا ہم کو یہ شرطیں بھی منظور ہیں۔ مگر سہولت اس میں ہے کہ خواجہ صاحب کو تار دیدیں۔ تاکہ ان کو ان تجویزوں کی اطلاع ہو جائے۔ اور وہ اجازت دیدیں۔ فرمایا کہ ایسی باتیں تار سے طے نہیں ہو سکتی ہیں۔ تار کے قصہ بہت دیکھے ہیں یہ باتیں بالمشافہ بھی گھنٹوں میں طے ہوتی ہیں۔ تاروں سے کام نہیں چل سکتا ہے۔ نیز میری عادت ہے کہ میں کسی پر ذرا بھی بار نہیں ڈالتا۔ اور کسی کو مقید کرنا نہیں چاہتا۔ جو لوگ میرے ساتھ ہیں اس وقت کے میرے قیام سے وہ مقید ہو جائیں گے۔ خدا جانے کسی کو کیا کیا ضرورتیں درپیش ہوں۔ اور مقید ہو جانے سے کیا کیا مصلحتیں ان کی فوت ہو جائیں۔ اس واسطے ضرورت ہے اور مصلحت اسی میں ہے کہ اس وقت الہ آباد چلا جاؤں۔ اور اگر بات طے ہو جائے تو لوٹ آؤں۔ لوگوں نے کہا ہم کو یہ سب منظور ہے اور ہم مشورہ کر کے وکلاء کو بھی تجویز کرتے ہیں۔ جو حضرت کے ساتھ جائیں گے۔ فرمایا اتنی بات میں دوبارہ گوش گذار کئے دیتا ہوں کہ اس گفتگو کو وعدہ نہ سمجھا جائے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ الہ آباد سے لوٹ ہی آؤں گا۔

بلکہ جو بات وکلاء اور خواجہ صاحب سے طے ہوگی۔ اس پر غور کر کے عمل کروں گا۔ ممکن ہے لوٹنا نہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ نہ کہا جائے کہ وکلاء کو ناحق دق کیا۔ اور خرچ کرایا اور یہ سب خرچ اور دقتیں یقینی امید پر نہیں ہیں۔ بلکہ امید موہوم پر گوارا کی جائیں۔ لوگوں نے کہا یہ سب کچھ منظور ہے اور چار جگہ کے نام لوگوں نے اسی وقت لکھوا دیئے۔ وہ چار جگہ یہ تھی۔ ہمی پور۔ پورہ معروف۔ مبارک پور۔ بہادر گنج وغیرہ

بلانے والے کو ساتھ لے لینا

جب حضرت والا مئو سے روانہ ہو کر ریل میں بیٹھ گئے تو پوچھا جو لوگ بلانا چاہتے تھے نہ معلوم انہوں نے وکیلوں کے بھیجنے کا کیا انتظام کیا خدام نے عرض کیا۔ صحیح تو معلوم نہیں غالب یہ ہے کہ سست ہو گئے کیونکہ ان کو امید نہیں رہی کہ خواجہ صاحب ہماری تجویز کو منظور کریں گے۔ فرمایا بس جوش ختم ہو گیا۔

تقریر ادب الاعتدال

پھر فرمایا میں جب کسی کا بلایا ہوا جاتا ہوں تو اس کے آدمی کو ساتھ لے لیتا ہوں۔ فرمائش کرنا بہت سہل ہے مگر یہ مشکل ہوتا ہے انتظام" کارے دارد" بہت سے فائدے ہیں اس میں۔ پھر اس مضمون پر پونے دو گھنٹہ تک تقریر رہی۔ یہ تقریر مستقل طور سے ضبط کی گئی۔ خلاصہ اس کا اعتدال عادات وافعال ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام حضرت نے "ادب اعتدال" تجویز فرمایا (یہ تقریر ۲۳ صفحہ ۲۹۱ سطر پر صاف ہوئی)

ایک مخالف کا قصہ

فرمایا ایک شخص جو ہمارے مجمع کے سخت مخالف ہیں بلکہ راس المخالفین ہیں۔ اتفاق سے مجھے ایک اسٹیشن پر ملے۔ انہوں نے مجھ کو پہچانا نہیں کوئی معزز آدمی سمجھ کر کئی دفعہ فرشی سلام کئے۔ میں دوسری طرف متوجہ تھا۔ اس واسطے اس کو کئی مرتبہ سلام کرنا پڑا۔ اس کے بعد کسی نے ان کو خبر دی کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان کو اس قدر غیظ آیا کہ پلیٹ فارم سے بھی باہر چلے گئے۔ جب ریل میں ہم بیٹھے تو ایک آدمی ان کے مجمع کا بھی ہمارے درجہ میں بیٹھ گیا۔ مجھے بڑی کدورت ہوئی۔ اور میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ یہ یہاں سے چلا جائے خدا کی قدرت کہ ایک آدمی آیا کہ چلو تمہیں اعلیٰ حضرت بلاتے ہیں (یہ اعلیٰ انا ربکم الاعلیٰ میں کا ہے) کسی نے اس پر خوب اعتراض کیا جب ان کے واسطے تو اعلیٰ حضرت کا لفظ بولا جاتا ہے تو حضور ﷺ کے لیئے کون سا لفظ بولا جائے گا۔ (یہ بے ادبی رسول) میں کسی کو برا بھلا نہیں کہا کرتا ہوں۔ مگر ان کے واسطے میرے دل سے برا نکلتا ہے اس کی صورت ہی عالموں کی سی نہیں ہے۔ مجموعی ہیئت سے بھانڈ معلوم ہوتا ہے۔

کفار اتنے مسخ نہیں ہوتے جتنے اہل بدعت

یہ عجیب بات ہے کہ خالص کفار اتنے ممسوخ نہیں ہوتے جتنے یہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ میں نے بطور لطیفہ کہ ایک دفعہ کہا تھا کہ کفر فعل باطن ہے اور سب وشتم فعل ظاہر۔

سبِ سلف کا اثر صورت پر ظاہر ہوتا ہے۔

فعل باطن کا اثر باطن تک محدود رہتا ہے۔ اور فعل ظاہر کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ طبرائی

کہ صورت سے پہچانا جاتا ہے ان کے علماء دیکھے جیسے کہ بالکل مخنث۔ انگریزی خواں لوگ حالانکہ دین سے مس بہت ہی کم کہتے ہیں۔ اور ان پر اسلامی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن ظاہری شان تو ہوتی ہے۔ ان میں وہ بھی نہیں ہوتی۔ اہل اللہ کا سب وشتم بہت ہی بری چیز ہے خدا بچائے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد
چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند درعیب معیوباں نفس

اسٹیشن اعظم گڈھ پر کچھ لوگ زیارت کے لئے آئے منجملہ ان کے مولوی فاروق صاحب شاعر چڑیا کوٹی کے صاحبزادے محمد مبین صاحب ایڈیٹر رسالہ "العلم" بھی تھے ایک شخص ریل میں حضرت والا کے پیر دباتا رہا۔ یہ حضرت سے بیعت تھا۔ ایک جگہ ریل کا میل ہوا۔ ایک صاحب کان پور سے آرہے تھے نہ معلوم ان کو کس طرح خبر ہوگئی کہ ریل میں حضرت والا جارہے ہیں۔ وہ بڑی عقیدت کے ساتھ آکر ملے

ایک موقعہ پر فرمایا کہ بھائی اکبر علی سے کلکٹر نے پوچھا تمھارا بھائی کس خیال کا آدمی ہے۔ جواب دیا اس کا معلوم کرنا بہت آسان ہے ان کے وعظ بکثرت قلم بند ہوئے ہیں ان کو دیکھ لیجئے اس سے بالکل صحیح حال معلوم ہو جائے گا۔

استقبال کے ہجوم میں بہت مفاسد ہیں

فرمایا میں استقبال میں ہجوم کرنے سے بہت گھبراتا ہوں اور اس میں اخلاق اور دینی اور دیناوی بہت مصلحتیں ہیں جیسا استقبال لوگوں نے مئو کے اسٹیشن پر کیا مجھے یہ پسند نہیں۔ اس طرح تو چند روز میں آدمی فرعون بن جائے اور اس کے اخلاق بھی بہت ہی تباہ ہو جائیں اور اس میں زیادہ قصور گشتی علماء کا اور فقراء کا ہے کہ وہ دھوم دھام اور اژدھام کو پسند کرتے ہیں۔ بس لوگ اسی کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور داعی کا آدمی ساتھ لینے میں ایک یہ بھی مصلحت ہے کہ پھر استقبال میں اتنا مجمع نہیں ہوتا کیونکہ وہاں پہلے سے اطلاع بھی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اترتے وقت سب اہتمام اسی آدمی کے سپرد ہو تو مجھ کو کسی طرح فکر نہیں ہوتی۔

حکام کا ادب ضروری ہے

معاملہ مع الحکام کا ذکر ہوا تو فرمایا حکام کا ادب میں ضروری سمجھتا ہوں ۔ ترک ادب کام کی بات نہیں بلکہ اس میں شرارت نفس یعنی شیخی ہے کہ ہم ایسے ہیں حاکم سے بھی نہیں دبتے نہ دبنا کیا معنی جب اس کو خدا تعالیٰ ہی نے حاکم بنایا ہے ۔ یوں نہ دبو گے تو دبائے جاؤ گے اور رعایا ہو کر نہ دبنے سے کیا کوئی عقلمند یہ کہہ دے گا کہ رعایا ہونے سے نکل گئے رعایا مخالف ہوں خصوصا علماء کے لئے کہ یہ ان کی وضع کے بالکل خلاف علماء کو تو گوشہ نشین ہونا چاہئے ۔

لیکن اگر ملنا ہو یا کوئی کام پڑ جائے تو ادب کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ اور بے ادبی اور منہ زوری کی شرارت نفس سمجھتا ہوں ۔

بریلی کا ایک قصہ حکام سے ملنے نہ جانے میں تکبر ہے

میں بریلی گیا تھا صاحب جنٹ علم دوست آدمی تھے انہوں نے سنا تھا کہ میں نے تفسیر لکھی ہے مجھ سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا ایسی بات ہے میں نے کہا ٹال دیجئے ہاں اگر ئی دفعہ کہیں اور اصرار کریں تو کیا مضائقہ ہے ۔ انہوں نے پھر اشتیاق ظاہر کیا اور اس کے لئے بھی تیار تھے کہ مجھ سے خود آ کر ملیں ۔ میں نے کہا میں خود ملوں گا ۔ اگرچہ یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ان کے آنے میں علم کی وقعت ہے ۔ مگر سمجھ میں آیا کہ یہ صرف نفس کی تاویل ہے اور اصل اس کی شہرت اور عجب ہے ۔

مہمان کا اکرام اسکے مذاق کے مطابق ہونا چاہئے

نیز خیال ہوا کہ اگر وہ آئیں گے تو وہ مہمان ہوں گے ۔ اور مہمان کا اکرام اس کے مذاق کے مطابق ہونا چاہئے اور ان کے مذاق سے میں واقف نہیں تو سوائے اس کے مجھے خلجان ہو اور مہمان کو بھی انبساط نہ ہوگا پھر ہم لوگ طالب علم ہیں ہماری کوئی شان نہیں ۔ جس کے خلاف ہونے سے تکلیف ہو ۔ چنانچہ میں اور بھائی اکبر علی گئے بنگلہ پر پہنچے معلوم ہوا کہ غسل کر رہے ہیں ۔

نماز کی پابندی

نماز کا وقت ہو گیا ہم نے وہیں رومال بچھا کر نماز پڑھی اتنے میں وہ بھی غسل سے فارغ ہو گئے پھر کمرہ میں آئے اور بڑے اکرام سے پیش آئے ۔ خاص اپنی چوکی پر جو بڑے تکلف کی تھی مجھے

بٹھایا۔مختلف باتیں کرتے رہے۔ پوچھا ہم نے سنا ہے کہ آپ نے قرآن کی تفسیر لکھی ہے میں نے کہا ایک پیسہ بھی نہیں کہا۔ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے سے کیا فائدہ میں نے کہا دو فائدے ہیں۔ ہمدردی قومی یعنی مسلمانوں کو دینی نفع پہنچا جو کہ دنیا میں ایک نفع ہے۔اور خوشنودی احکم الحاکمین جو کہ نفع آخرت ہے انہوں نے بہت تعجب کیا کیونکہ یورپ کے مذاق کے یہ بات بالکل خلاف ہے۔

حکام کی بے ادبی سے دنیا وآخرت دونوں کے نقصان ہیں

فرمایا ترک تعظیم حکام میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ دنیا کا تو ظاہر ہے اور آخرت کا یہ کہ حکام سے بگاڑ کر آدمی بس صرف اس کام کا رہ جاتا ہے۔ کہ ہر وقت اس سے بچنے کی تدبیر کرتا رہے۔ قانون دیکھا کرے اور تیری میری خوشامدیں کرتا پھرے کیونکہ حاکم سے سربر ہونا بڑا مشکل ہے اگر حاکم قانون کے اندر بھی اتنی گنجائشیں ملتی ہیں کہ گرفت سے بچنا مشکل ہے جو لوگ بڑے دلیر کہلاتے ہیں۔

مشوش قلب کوئی کام نہ کرنا چاہئے

اور جنھوں نے حکام سے مقابلے کئے قلب ان کا بھی فارغ نہیں رہتا۔ گو وہ اپنی تشویشات کو ظاہر نہ کریں مگر رہتے ہیں بڑے فکر میں ایسی حالت میں دین بھی کیا درست رہتا ہے آدمی ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے قلب کو مشغولی بغیر حق ہو۔ ہر وقت قلب کو مہیار کھے۔توجہ الی الحق کے لئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت کے بال اس عرصہ دو سال میں سفید ہو گئے۔ فرمایا ہاں مجھے ایک طاعونی بخار آیا تھا یہ اس کا اثر ہے وہ ایسا بخار تھا کہ الامان۔ میں سترہ روز بیہوش رہا۔ بالکل بیہوشی نہ تھی بدحواسی تھی۔ اور بدن ایسا بے قابو ہو گیا تھا۔ کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ مگر نماز برابر کھڑے ہو کر ہی پڑھی۔ دو آدمی کھڑا کر دیتے تھے۔ بس جب نیت باندھ لیتا تھا تو ضعف بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مگر احتیاطا ایک آدمی قریب کھڑا رہتا تھا۔ کہ اگر گروں تو وہ سنبھال لے۔ مگر یہ نوبت کبھی نہیں آئی۔

مرض میں حضرت والا کا استقلال فی الدین

دوسرے یہ کہ اس بدحواسی میں آنے والوں کے ساتھ کسی مناسب برتاؤ میں فرق نہیں آیا گویا حواس میں غلطی نہیں آئی ایک شخص کا بیان تو یہ ہے۔ (مجھے تو بعد افاقہ کے یہ یاد نہیں کہ یہ واقعہ ہوا تھا۔) کہ

میرا حقہ آپ نے چھڑایا۔ میں مزاج پرسی کے لئے آیا تھا۔ آپ کے قریب بیٹھا تھا آپ نے بہت خفگی سے کہا منہ میں بو آتی ہے الگ ہٹ کر بیٹھو۔ اس وقت سے میں نے قطعی حقہ چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حالت میں آخرت سے غفلت نہ ہوئی اس سے یہ امید ہے کہ ان شاء اللہ خاتمہ کے وقت بھی خیال رہے گا۔ ذکر کی طرف بھی بقدر ضرورت توجہ رہی اس سے بھی حسن خاتمہ کی امید ہے۔ چوتھے یہ کہ نامناسب کوئی بات منہ سے نہیں (یہ روایت خواجہ عزیز الحسن صاحب کی ہے) نکلی۔ کھانا تو ان دنوں میں بالکل نہیں کھایا۔ مگر دونوں وقت یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ پیٹ بھر جاتا ہے جانے کون کھلا دیتا تھا۔

اسٹیشن فراہری پر ایک صاحب مولوی ابوبکر نامی مع آٹھ دس آدمیوں کے زیارت کے لئے آئے جب اسٹیشن سرائے میر پہنچے تو دیکھا کہ بڑا مجمع استقبال کے لئے موجود ہے۔ تخمیناً دو سو سے کم نہ ہوگا اور خواجہ عزیز الحسن صاحب بھی الہ آباد سے آگئے ہیں۔ حضرت والا سے خواجہ صاحب کی یہ قرارداد ہوئی تھی کہ منگل کے دن حضرت الہ آباد پہنچیں۔ چنانچہ اسکی کوشش کی جارہی تھی۔ خواجہ صاحب الہ آباد سینچر کو پہنچ گئے۔ اور ابھی حضرت کے تشریف لانے میں دو روز باقی تھے۔ ان سے صبر نہ ہوا اور سرائے میر میں آملے۔ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب ساکن بکھرا ضلع اعظم گڈھ بھی اسی وقت سرائے میر پہنچے اور اسٹیشن پر ملے یہ بزرگ تھوڑے عرصہ سے تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ اجازت وخلافت ملنے کے بعد اب گھر کو جارہے تھے راستہ میں حضرت کی سرائے میر تشریف آوری کی خبر سن کر یہیں رہ گئے اسباب قصبہ کو روانہ کر دیا گیا۔ اور حضرت کو پالکی میں لے گئے۔ قصبہ چونکہ قریب تھا ہم خدام نے سواری کا انتظام نہ کیا۔ کیونکہ اس وقت سواری موجود نہ تھی اور قصبہ سے آنے میں دیر لگتی۔ پیادہ پا قصبہ گئے۔ پالکی کی چال تیز ہوتی ہے وہ پہلے پہنچ گئی۔ اور ہم خدام ذرا دیر میں پہنچے۔ راستہ میں زائرین اسقدر تھے کہ راستہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی جیسے عید کا راستہ چلتا ہے اس طرح راستہ چل رہا تھا۔ بعض جگہ بازاروں سے پوچھنے کا اتفاق ہوا۔ تو یہ جواب ملا کہ بارات اسی طرف کو گئی ہے تمام قصبہ میں غل تھا۔ بنئے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی بارات آئی ہے ہم خدام جب قیام گاہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک مسجد کے آگے شامیانہ لگایا گیا ہے۔ اور فرش بچھا ہوا ہے۔ اور شمال میں کھپریل پوش مکان کے برآمدے میں کیسر بچھی ہوئی ہے۔ وہ حضرت والا کے بیٹھنے کے لئے ہے اور شامیانہ زائرین کے لئے ہے اور تمام محلّہ میں وہ خوشی ہے کہ گویا شادی ہے۔

۱۱

رفقاء کا خیال رکھنا

حضرت والا خدام سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ پہنچتے ہی رفقاء کے لئے چھوٹا سا کمرہ جو اس برامدہ

کے برابر میں تھا۔ مخصوص کرا دیا جس وقت احقر پہنچا تو اس قدر مجمع تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت والا کے قریب پہنچنا مشکل تھا۔ حضرت والا نے دیکھ پایا فرمایا اندر آ جاؤ۔ یہ کمرہ آپ ہی بزرگوں کے لئے ہے۔ صاحب خانہ نے اس کمرہ میں حضرت والا کی چارپائی بچھائی تھی۔ اور اس کمرہ میں نیچے کیسر بچھی ہوئی تھی۔ اور اس کے اوپر فرش تھا۔ ہم خدام اس کمرہ میں نہایت آزادی کے ساتھ رہے۔ مجمع کی حالت قابل دیکھنے کے تھی۔ لوگ پروانہ وار حضرت پر گرتے تھے۔ اور جوق در جوق چار طرف سے چلے آتے تھے۔ مجمع میں ایک نوجوان مجذوب بھی تھے۔ وہ اسٹیشن پر بھی استقبال کے لئے گئے تھے۔ یہ صاحب عرصہ سے حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں اور رونا ان پر غالب ہے۔ اسٹیشن پر حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔ دیکھو رونا مت۔ بس یہ کہنا تھا اور زار زار رونے لگے۔ ع

''چھیڑنا مت کہ بھرے بیٹھے ہیں''

پھر برابر حضرت کے پاس جب تک بیٹھے رہے روتے رہے۔ ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ ان کو بخار ہے۔ فرمایا ان کو ایک بخار نہیں دو بخار ہیں۔ ایک فصلی اور ایک وصلی (یعنی متعلقین کی وجہ سے کہ ان سے ان کو بڑا رنج پہنچتا ہے۔ اور مرض میں زیادتی ہو جاتی ہے۔)

زائرین کے ہجوم نے حضرت کو بہت خستہ کر دیا تھا اس واسطے تقریباً دو گھنٹہ کے بعد برآمدہ میں سے حضرت والا اس کمرہ میں آ گئے جس میں خدام تھے اور اس میں چارپائی حضرت کی بچھی ہوئی تھی۔ اور دروازہ بند کر لیا خدام نے عرض کیا چارپائی پر لیٹ جایئے۔ اور خدام بدن دبا دیں تاکہ کچھ تکان رفع ہو۔ جگہ کی تنگی دیکھ کر فرمایا۔ چارپائی کھڑی کر دیں تو اچھا ہے۔ فرش پر لیٹ رہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدام بدن دباتے رہے۔

شامیانہ کی وجہ تسمیہ

ذکر ہوا کہ شامیانہ کو شامیانہ کیونکہ کہتے ہیں فرمایا یہ اہل شام کی ایجاد ہے اس واسطے انہیں کی طرف منسوب ہے۔

☆☆--------------☆☆
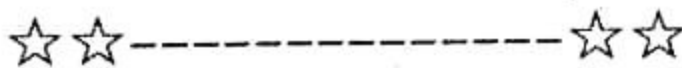
کھانے کے وقت مہمان کو بالکل آزادی دینا چاہئے سوائے رفقاء کے اور کوئی پاس نہ ہو

کھانے کا وقت ہوا تو فرمایا ہمارے رفقاء کے سوا کوئی نہ ہو حتی کہ صاحب خانہ بھی یہاں موجود نہ ہوں کیونکہ ہم آزادی سے نہ کھا سکیں گے چنانچہ کھانا آنے کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا۔ کھانے میں روٹیاں میدہ کی تنوری تھی۔ جو حضرت والا کی عادت کے بالکل خلاف تھی چند لقمے کھا کر فرمایا ان کے ہضم کے لئے تو یہیں کے لوگوں کا معدہ چاہئے ان کو نہ کھاؤ مگر خاموش رہو۔ صاحب خانہ سنے گا کہ روٹیاں پسند نہ آئیں۔ تو اس کو ملال ہوگا۔ اس نے نہ معلوم کس جوش اور خلوص سے کھانا پکایا ہے۔ چنانچہ سب نے چاول وغیرہ زیادہ تر کھائے (سفر میں ایسے موقعے بہت جگہ پیش آئے۔ مگر حضرت والا نے قولاً وفعلاً کسی طرح ظاہر ہونے نہیں دیا کہ یہ چیز خلاف طبع ہے۔) دوسرے وقت صاحب خانہ سے فرمایا کہ دن میں روٹیاں سخت تھیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ میدہ کی تھیں۔ اس وقت بغیر چھنے آٹے کی پکائی جائیں تو اچھا ہے۔

مسجد کو بالکل چھوڑ دینا جائز نہیں

ظہر کے وقت اس قدر مجمع تھا کہ تمام شامیانے کے نیچے صفیں تھیں۔ اور برآمدہ اور کمرہ سب میں نماز پڑھی گئی۔ قبل نماز لوگوں نے عرض کہ یہ مسجد بہت ذرا سی ہے جامع مسجد میں تشریف لے چلئے وہاں جگہ فراخ ہے اور لوگ وہاں منتظر بھی ہیں فرمایا مسجد کو بالکل چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں یہاں بالکل جماعت نہ ہوگی۔ حالانکہ مسجد محلہ کا حق ہے مناسب ہے کہ کچھ لوگ یہاں پڑھیں اور کچھ وہاں۔

خارج مسجد میں نماز مثل گھر میں پڑھنے کے ہے

لوگوں نے کہا کہ حضور کے پیچھے نماز کے پڑھنے کے بہت لوگ خواہش مند تھے۔ اسی خیال سے وہ وہاں گئے ہیں کہ حضور وہاں جائیں گے اب ان کو یہیں بلالیں۔ فرمایا یہ بھی مناسب نہیں کیونکہ وہاں پڑھیں گے تو مسجد میں پڑھیں گے اور یہاں مسجد میں جگہ نہیں مسجد کے باہر کھڑا ہونا ہوگا۔ مسجد کی فضلیت فوت ہو جائے گی۔

کسی پر اصرار خلاف طبع نہ چاہئے

لوگوں نے وعظ کے لئے اصرار کیا تو فرمایا طبیعت متحمل نہیں یہ سفر اسی غرض سے کیا گیا ہے کہ آرام ملے۔ لوگوں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا تجی بات کی قدر نہیں یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نخرہ کرتے ہیں وعظ تو ہمارا فرض منصبی ہے۔ یہ کام تو ہم کو بلا آپ کو خواہش کے بھی کرنا چاہئے۔ اور خوشامد کرانے کی کبھی عادت نہیں ہوئی مگر عذر بے کیا کیا جائے اصرار کی عادت بری ہے ہمیشہ خیال رکھئے کہ فرمائش کر کے واعظ کی رائے معلوم کر کے پھر اصرار نہ چاہئے۔

مہمان کے لئے کھانا اس کے مذاق کے موافق ہونا چاہئے

کھانا کھاتے میں فرمایا خدا جانے یہ کیا رواج ہے کہ مہمان کے لئے کھانا اپنے مذاق اور خواہش کے موافق پکاتے ہیں۔ حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ جب اس سے خوش کرنا مہمان کو مقصود ہے تو اس کے مذاق کے موافق ہونا چاہئے ورنہ اس کی خوشی تو نہ ہوئی۔ اپنی خوشی ہوئی۔ اس کو تابع بنایا اور خود متبوع بنے کھانے میں کھانے والے کے معمول کو دیکھنا چاہئے۔ اگر ذوق شوق نہ مانے تو اس کے پورا کرنے کی صورت یہ بھی تو ہے کہ اپنے خوشی کے کھانے بھی پکائے جائیں۔ مگر اس کے مذاق کا کھانا بھی ضرور ہونا چاہئے ورنہ بعض وقت وہ بالکل معذور رہتا ہے۔ فرض کرو کہ کسی کو چاول نقصان دیتے ہیں تو یہ کیا انسانیت ہے کہ چاول بھی اس کو ضرور کھلائے جائیں۔ اگر اس کو چاولوں سے نقصان ہوا تو کیا مہمانی ہوئی۔ مگر رسوم ایسے غالب ہوئے ہیں کہ اس کی کچھ پرواہ نہیں میرے نزدیک مہمان کو وہی چیز کھلانا چاہئے۔ جو اس کو مرغوب ہو۔ لیکن کہیں ایسا نہیں کیا جاتا ہے۔

رواج کے پیچھے خلاف طبع کیوں اختیار کیا جائے

بس نہ عقل سے بحث رہی نہ آسائش سے۔ رواج ایک چیز رہ گیا ہے کہ اسی پر سب مرتے ہیں۔ دیکھئے گھروں میں بھی جہاں اپنا اختیار ہے کچھ تکلیف وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ وہاں بھی آسائش پر اور طبیعت پر رواج ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً رواج ہے کہ دو وقت ایک ہی چیز نہیں پکاتے۔ بعض دفعہ گھر میں مجھ سے پوچھتی ہیں کیا پکائیں اور میں جو چیز مرغوب ہوتی ہے بتاتا ہوں۔ تو کہتی ہیں صبح تو یہ پکائی ہی تھی۔ دونوں وقت ایک چیز بھی کوئی پکاتا ہوگا۔ یہ کیا خرافات ہے۔ جس چیز کو طبیعت چاہی کھا پکالی۔

رواج کے پیچھے طبیعت کے خلاف کیوں کوئی چیز اختیار کی جائے۔ اصل یہ ہے کہ تکلفات عادت کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ اور طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں۔ کھانے پینے کا بھی قاعدہ وقانون بن گیا ہے صحابہ کے طریق کو چھوڑ دیا ہے وہ بالکل سادہ زندگی کو پسند کرتے تھے۔ جو کا آٹا بے چھنا کھاتے تھے۔ اتنا نہ ہو تو کچھ تو مشابہت ہو۔ سادگی چاہئے آجکل مشغلہ علم دین سب سے اچھا ہے۔ فرمایا دین کی تعلیم سے بہتر آجکل کوئی خدمت نہیں جس کو خدائے تعالیٰ علم دے تو اس کے لئے اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں اس کی آجکل سخت ضرورت ہے۔ اور فضیلت بھی اس کی اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے عمل کی ہو جب تک تعلیم کا سلسلہ چلا جائیگا۔ قیامت تک نامہ اعمال میں ثواب بڑھتا جائے گا۔

مناسبت سے اصلاح جلد ہوتی ہے۔

اصلاح باطن کا ذکر ہوا تو فرمایا اس طریق میں زیادہ نفع مناسبت سے ہوتا ہے۔ طبعی مناسبت ہو۔ یا مناسبت پیدا کر لی جائے تب نفع ہوتا ہے۔ اس واسطے میں طالب علم کو پاس رکھتا ہوں۔ بعض ناسمجھ لوگ اس کو بڑی سخت شرط سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔ اور اس سے اتنی جلدی کام ہوتا ہے کہ ویسے نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک مناسبت نہ ہو تو ہزار مجاہدہ در یاضت کرے نفع نہیں ہوتا۔ سفر الہ آباد کے لئے تجویزیں ہوئیں معلوم ہوا کئی لائنیں جاتی ہیں جس میں راستہ مختصر ہو اور وقت کم صرف ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ فرمایا ایسے موقعوں پر جغرافیہ کے جاننے کی ضرورت ہے جس سے طالب علم کم آشنا ہیں پھر فرمایا مگر جغرافیہ کے نہ جاننے سے کبھی بحمد اللہ نقصان نہیں ہوا۔ اگر چہ لوگ علماء کو اس وجہ سے بے وقوف کہتے ہیں (حالانکہ ضروریات میں باہم حفظ مراتب نہ کرنے سے بے وقوف خود ہیں۔ زادہ الجامع)

اچھا کھائے تو اچھا کام بھی کرے

فرمایا اچھا کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ کام بھی اچھا کرے۔ ایک شخص مجاہدہ اس طرح کرتے تھے کہ نفس نے پلاؤ کی خواہش کی انہوں نے کہا اچھا پلاؤ ہی ملے گا۔ اور پلاؤ پکایا اور نفس سے کہا دس رکعت نفل پڑھ تو یہ ملے گا جب دس پڑھ لیں تو کہا آٹھ اور پڑھو تب ملے گا۔ جب آٹھ اور پڑھ لی تو پلاؤ کھلا دیا۔ اور وعدہ پورا اس واسطے کرتے کہ اگر نہ کرتے تو پھر وہ کام کر کے نہ دیتا۔

ذاکر کا خاتمہ بہت صاف ستھرا ہوتا ہے۔

فرمایا ذکر اللہ میں جی لگے نہ لگے نبھائے جائے۔ ذکر اللہ عجیب چیز ہے اس کی قدر مرتے وقت معلوم ہوگی۔ جن کے قلب میں ذکر رچ جاتا ہے ان کا خاتمہ بہت پاک صاف وستھرا ہوتا ہے۔

ذاکرین کو اور کوئی مشغلہ نہ چاہئے

فرمایا میں ہر شخص سے وہ کام لیتا ہوں جس کے واسطے وہ میرے پاس آیا ہو۔ حتی کہ ذاکرین اگر کسی کا خط لاتے ہیں یا استفتا لکھا ہوا دیتے ہیں تو میں واپس کر دیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں کہ تم اپنے کام میں لگو۔ یہاں دوسروں کے کام کے لئے نہیں آئے ہو۔ ایسا نہ کروں تو وہ اپنے کام سے رہ جائیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اپنے شیخ کے پاس جائے تو کسی کا سلام تک نہ پہنچائے۔

توفیق دوام علامت قبول ہے

فرمایا آدمی تھوڑا سا لگاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرلے پھر دیکھے کیا کیا رحمتیں ہوتی ہیں۔ فرمایا حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کسی عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کی علامت ہے اور اس کی مثال ہے کہ آنے والے کو دوبارہ اجازت جب دیتے ہیں جبکہ اس سے ناخوش نہ ہوں۔ بعض وقت اعمال صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔

ایک غلام اور آقا کی حکایت

اور اس پر حکایت بیان فرمائی کہ ایک آقا بے نماز تھے اور غلام نمازی تھا ایک دفعہ چلے جارہے تھے۔ غلام مسجد میں گیا۔ غلام کو دیر ہوئی۔ تو آقا نے آواز دی۔ غلام نے کہا آتا ہوں۔ مگر پھر دیر ہوئی۔ تو آقا نے آواز دی جواب دیا آنے نہیں دیتا کہا۔ کون نہیں دیتا۔ کہا وہ جو تجھ کو اندر آنے نہیں دیتا۔

فرمایا اب وحی تو نازل ہونے سے رہی اب اگر عمل کا مقبول ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔ تو صرف علامات سے ہوسکتا ہے ان نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے والا مردود نہیں ہے۔

عورتوں کا مکر شیطان سے بھی بڑا ہے

لطیفہ: فرمایا ایک دوست نے عجیب نکتہ بیان کیا۔ کہ عورتیں شیطان سے مکر میں زیادہ ہیں کیونکہ حق

تعالی نے شیطان کے مکر کی نسبت فرمایا ہے ان کید الشیطان کان ضعیفاً اور عورتوں کے مکر کی نسبت فرمایا ان کیدکن عظیم ۔ پھر فرمایا یہ صرف لطیفہ ہے ورنہ قرآن شریف کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ مکر شیطان کو ضعیف فرمایا ہے بمقابلہ حمایت حق کے اور عورتوں کے مکر کو عظیم فرمایا بمقابلہ مردوں کے اور حقیقت میں مکر شیطان ہی کا بڑھا ہوا ہے کیونکہ عورتوں کو بھی مکر شیطان ہی سکھلاتا (حسن العزیز میں عورتوں کے چالاک اور مکار ہونے پر ناقص العقل ہونے سے شبہ کا جواب مذکور ہے) ہے۔

شاہ گنج ضلع اعظم گڈھ سے کچھ لوگ حضرت والا کو لینے کے لئے آئے تھے مگر حضرت والا نے عذر کیا کہ وقت بالکل نہیں عصر کی نماز میں تقریباً ۲۰۰ آدمی تھے۔

تبرک کے لئے آسان طریقہ

تبرک کا ذکر ہوا تو فرمایا تبرک کہاں تک کوئی تقسیم کرے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ جو چیز تبرک کا لینی ہو وہ لاکر دیدے اور بعد چندے استعمال کے لئے اس کو لے لے۔ عرب میں یہی طریقہ ہے تبرک کا کہ اپنے پاس سے کوئی چیز لائے کہ اس کو استعمال کیجئے۔ پھر ہمیں دیدیجئے۔ اس پر بھی حضرت حاجی صاحب کی گھڑی ایام حج میں خالی ہو جاتی تھی۔

مجمع میں سے کسی نے حضرت والا سے پوچھا کہ اپنی چیز لاکر دیدینے اور واپس لینے سے وہ تبرک تو نہ ہوا جس کو لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اپنی کوئی چیز دیں۔ یہ تو جب ہی ہوسکتا ہے۔ جب اپنی ملک میں سے کوئی چیز دیں۔ فرمایا وہ تو بہت سہل بات ہے ترکیب یہ ہے کہ وہ چیز ان کی ملک کردے۔

کپڑے کو دھونے سے کیا برکت جاتی رہتی ہے

کسی نے سوال کیا کہ جو کپڑا تبرکاً لیا گیا۔ اس کو دھوڈالے تو کیا برکت جاتی رہے گی۔ فرمایا برکت کیا جاتی۔ مگر اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ دھوئے اس کو ویسا ہی رہنے دے۔ اور اس کو کبھی کبھی پہن لیا کرے۔

تبرکات کا اثر

کہنے کی بات نہیں مجھے بھی شبہ تھا کہ تبرکات میں کیا اثر ہوگا۔ مگر یہ قصہ پیش آیا کہ کرانہ میں ایک بزرگ تھے قوم کے وہ گوجر تھے۔ انہوں نے مجھ کو ایک چوغہ بنا کر بھیجا۔ میری عادت چوغہ پہننے کی نہیں ہے۔ مگر تبرکاً رات کو پہن لیتا تھا۔ کئی دن کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک وہ چوغہ بدن پر رہتا

وسوسہ معصیت کا نہ آتا تھا۔فرمایا مگر باوجود اس کے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں۔تبرکات سے حضرت حاجی صاحب کے تبرکات سب میں نے بانٹ دیئے۔میں نے ان کو اس طرح نہ رکھا جیسے لوگ رکھتے ہیں۔ اعمال سے بھی زیادہ ان کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔اصل چیز اعمال ہیں ان کا اہتمام چاہئے۔

حضرت حاجی صاحب نے چلتے وقت کچھ کتابیں مجھ کو دینا چاہیں۔میں نے عرض کیا حضرت کچھ سینے سے دلوایئے۔ان کتابوں میں رکھا ہے حضرت بہت خوش ہوئے پھر کچھ بھیجنے بھاجنے کا اہتمام چھوڑ دیا۔میرے بعد حضرت نے حکم دیا خادم کو کہ کتابیں میرے لئے جہاز پر روانہ کردیں۔بعض حاسدوں کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔اورانہوں نے یہ ترکیب کی کہ ان پر وقف لکھ کر حضرت کی مہر کردی ۔اور کہہ دیا حضرت یہ تو وقف ہو چکی ہیں۔حضرت کو اس قصہ سے رنج ہوا۔حضرت کے مذاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ اہتمام پسند نہ تھا ربط قلوب چاہئے۔اس سے کام ہوتا ہے۔نہ یہ کہ نماز نہ روزہ پس موئے مبارک لے کر بیٹھ گئے۔

القاب آداب میں افراط وتفریط

غلو کسی کام میں بھی اچھا نہیں کسی نے حضرت حاجی صاحب کو القاب میں ''رب المشرقین ورب المغربین'' لکھا تھا حضرت نے سنا تو فرمایا جہل بھی کیا بری چیز ہے۔

بزرگوں کے یہاں ہر قسم کے آدمی آتے ہیں۔چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں رب المشرقین والا خط آیا اور اس کے مقابل ایک صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب کی شان جلال و جمال دیکھ کر فرماتے ہیں۔سبحان اللہ کیا بزرگ ہیں۔بس فرعون بے سامان ہیں۔(استغفر اللہ) سیدھا آدمی تھا کہیں یہ لفظ کتاب میں لکھا ہوگا۔اور یہ دیکھا نہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں اور کس موقعہ و محل کا یہ لفظ ہے بس یہ سمجھے کہ تعظیم کا کلمہ ہے اور کیا اچھے موقعہ پر اس کو استعمال کیا۔بزرگوں کے یہاں فہم کی بڑی قدر ہے۔ سرائے سیر جلسہ میں حضرت یہ باتیں کر رہے تھے اس جلسہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب (خلفیہ حضرت) کے والد بھی موجود تھے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کی بابت فرمایا کہ ان کی نسبت اچھی ہے۔

خدام کی قدر اور حضرت حاجی صاحب کی تواضع

فرمایا حضرت والا نے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں خدام کی بڑی قدر تھی حضرت میں

انکسار اور تواضع اس قدر تھی کہ چھوٹا تو کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی نے ایک عمامہ بھیجا تو حضرت نے اس کو سر پر رکھ لیا اور وطن سے تو اس قدر تعلق تھا کہ مولوی معین الدین صاحب نے ایک ہرن تھانہ بھون سے شکار کیا تھا۔ اس کی کھال حضرت کے یہاں بھیجی تو فرمایا اس میں بوئے وطن آتی ہے کہا گیا یہ کھال تھانہ بھون کے ہرن کی ہے فرمایا ہاں یہی وجہ ہے ایک شخص نہایت مسخرہ اور بے باک تھانہ بھون کے رہنے والے جن کو حضرت نے دیکھا بھی نہ تھا۔ حضرت کے یہاں گئے اور زیادہ مجمع کی وجہ سے ایک طرف چپکے بیٹھ گئے۔ حالانکہ وہ کچھ دین دار اور حضرت کے مذاق کے نہ تھے مگر بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا اس مجلس میں کوئی شخص وطن کا ہے وہ پیچھے کو بیٹھے ہوئے تھے عرض کیا حضرت میں ہوں تھانہ بھون کا حضرت کو وطن سے اسقدر محبت تھی کہ تھانہ بھون کے حالات مفصل پوچھا کرتے تھے۔ در و دیوار کو الگ پوچھتے پوچھا کرتے کہ اگر میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھیروں۔

خلوت از اغیار نہ از یار

ایک دفعہ مولانا فتح محمد صاحب خلوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ان سے باتیں کرتے رہے وقت زیادہ صرف ہو گیا۔ مولانا نے بطور معذرت عرض کیا۔ حضرت کے اوراد اور عبارت میں آج حرج ہوا۔ فرمایا احباب کی اور اہل دل کی دل جوئی کرنا کیا عبادت نہیں۔ غرض حضرت کو شفقت بہت زیادہ تھی اس کی وجہ سے حضرت سے نفع زیادہ ہوا۔ اس واسطے کہا ہے ؎

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است

زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ایسی شفقت کسی شیخ میں دیکھی ہی نہیں۔ نا ارضی میں بھی کبھی کسی کو نہیں نکالا۔ ایک شخص شاعرانہ مذاق کے تھے مدحیہ قصائد لکھا کرتے تھے ایک دفعہ ایک قصدہ مدحیہ لے گئے اور حضرت سے اجازت تک نہ لی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ سنت حضرت کی طبیعت میں داخل تھی مدح سے طبعاً نفرت تھی اور یہی مقتضائے سنت ہے اور وہ حضرت ایک طرف کو دھیان کئے ہوئے سناتے ہی رہے اور بعد ختم کے داد کے منتظر رہے۔ داد سنئے کیا ملی۔ حضرت فرماتے ہیں بھائی کیوں جوتیاں مارا کرتے ہو۔ نہ نکالنا نہ چلانا تر دد تو جانتے ہی نہ تھے۔ داد، دی مگر کیسی سخت داد جس میں تواضع بھی باقی رہی اور وہ شرمندہ ہو گیا۔

وعظ کے لئے حضرت سے درخواست کی گئی فرمایا طبیعت متحمل نہیں مجھے طبیبوں نے دو مہینہ تک دماغی کام سے منع کر دیا ہے اور سفر میں نے اس واسطے کیا ہے دماغی کاموں سے فراغ ملے کیونکہ وطن میں رہ کر کام بند نہیں ہو سکتے۔

حکایت مہمان نوازی

بیان فرمایا کہ امام شافعی ایک شخص کے مہمان ہوئے میزبان کی عادت تھی کہ غلام کو کھانوں کی فہرست لکھوا دیتے کہ اس وقت یہ پکے گا امام شافعی نے ایک دفعہ وہ فہرست غلام سے لے کر ایک کھانا وہ جوان کو مرغوب تھا اور بڑھا دیا۔ غلام نے وہ کھانا بھی تیار کیا جب کھانا آیا تو میزبان نے نیا کھانا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیوں پکایا گیا۔ ہم نے تو یہ نہیں لکھا تھا۔ اس نے کہا یہ کھانا مہمان صاحب نے بڑھا دیا ہے۔ میزبان بہت خوش ہوئے حتی کہ اس صلہ میں کہ اس نے مہمان کے حکم کی تعمیل کی اس کو آزاد کر دیا۔ مہمان کے ساتھ اہل اللہ یہ برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے دستر خوان پر ایک دیہاتی تھا۔ اس نے لقمہ ذرا بڑا لیا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا بھائی اتنا بڑا لقمہ نہ لینا چاہئے وہ فورا کھڑا ہو گیا۔ اور کہا تم تو کریم نہیں ہو تم مہمان کے لقمے گنتے ہو تمھارے ساتھ کھانا نہ کھانا چاہئے۔ مہمان کو آزادی دینا چاہئے تا کہ اپنی طبیعت کے موافق سیر ہو کر کھا سکے۔

ایک رکابی میں کئی آدمیوں کا شریک ہونا

فرمایا مجھے پنجابیوں کا طرز پسند آیا کہ دو، دو کے سامنے ایک ایک رکابی رکھتے ہیں۔ بلکہ بڑی رکابی میں کئی کئی شریک کر دیتے ہیں۔ اس میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ کوئی کسی مصلحت سے کم کھاتا ہے اور کسی کی خوراک زیادہ ہوتی ہے۔ تو شریک ہونے سے بات کھلتی نہیں۔

چوکی پر کھانا رکھ کر کھانا تشبہ ہے۔

سوال: عرب میں رسم ہے کہ چوکیاں سامنے رکھ کر ان پر کھانا رکھ کر کھلاتے ہیں۔ اور یہاں اس کو بھی تشبہ کہتے ہیں فرمایا ہاں وہاں کی رسم تو عادت ہے اور یہاں جو ایسا کیا جاتا ہے میز کی نقل بنانے کے لئے چوکی میز کی مشابہ ہے۔

تشبہ ناقص سے بھی بچنا چاہئے

مشابہت تام نہ سہی ناقص سہی غور کر کے دیکھ لیجئے کہ یہاں کیا غرض ہوتی ہے ضرور یہی ہوتی ہے کہ میز سے کچھ مشابہت ہو جائے پوری مشابہت سے اس واسطے بچتے ہیں کہ لوگ اعتراض کریں گے کہ یہ بھی برا یہ ایسا ہے جیسے زنانے کپڑے پہننا کوئی مرد پسند نہیں کرتا۔ اب اگر کوئی یوں کرے کہ کپڑے تو مرادنے ہوں۔ عمامہ ٹوپی اور اچکن وغیرہ اور صرف پائجامہ زنانہ غرارہ دار گوٹہ لگا ہوا پہن لے اور دل کو سمجھا لے کہ یہ تشبہ بالنساء نہیں ہوا۔ کیونکہ پوری وضع زنانی نہیں ہے تو آپ کیا اس کی تاویل کو کافی سمجھیں گے تپائیاں میز کے مشابہ ہیں اور میز کی مشابہت کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ اگرچہ اتنا فرق ہے کہ پائے چھوٹے ہیں جیسا کہ اس شخص کو زنانہ ہی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ صرف ایک پائجامہ ہی زنانہ ہے۔ اور فرمایا اصل میں چوکی کھانے کے اکرام کے لئے ایجاد ہوئی ہوگی۔ اور اب اپنا مقصود ہے کہ جھکنا نہ پڑے کیونکہ جھکنا شان کے خلاف ہے۔ یہ کبر ہے۔ پنجاب میں ایک جگہ مجھے اتفاق ہوا کہ کھانا چوکیوں پر رکھا گیا۔ اور اس مجمع میں ایک مولوی صاحب بھی تھے وہ کچھ نہ بولے اور مجھے ناگوار ہوا۔ لیکن فتوی کا رنگ تو مناسب نہ تھا۔ کیونکہ ان مولوی صاحب کو خفت ہوتی اور وہ اس کے مٹانے کے لئے بحث کرنے لگتے آخر یہ کیا کہ میں نے کہا اس طرح کھانے میں مجھے لطف نہ آئے گا اور سیری نہ ہوگی۔

میں اپنی عادت کے موافق کھانا کھاؤں گا۔ میں اپنی عادت کو بے ضرورت کیوں بدلوں اور یہ کیا کہ ان چوکیوں کو ملا کر بچھا لیا۔ وہ تخت کی طرح ہوگئی۔ اور ان کے اوپر بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ اصل وجہ چوکی کی تشبہ ہی ہے۔ تاویل کوئی چاہئے کچھ کر لے۔

کسی کام کے جواز کے لئے متعدد علماء سے پوچھنا

اور اگر کسی ایک کی نیت اکرام طعام کی ہوئی بھی تو کیا اور اس سے تو جب بھی خالی نہیں کہ تائید ہوئی ایک رسم کی تشبہ ہی ہے دل لوگوں کے خود کھٹکتے ہیں مگر کھینچ کھینچ کر جائز کرتے ہیں میں تو یہ کرتا ہوں کہ جب کسی نے مسئلہ پوچھا۔ اور یہ بتانے کے بعد کہا کہ آپ ناجائز کہتے ہیں اور فلانے تو اس کو جائز کہتے ہیں تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ایمان سے کہو کہ میرے بتانے پر تم نے مجھ سے تو کہا کہ فلانے جائز کہتے ہیں کبھی ان سے بھی کہا کہ تم جائز کہتے ہو۔ فلانا تو جائز کہتا ہے ناجائز کہنے پر تو استعجاب اور اشکال کیا اور

جائز کہنے پر نہیں کیا اس کی وجہ کیا ہے بجز اس کے کہ نا جائز طبیعت کے خلاف ہے اور منظور ہے طبیعت کے موافق کرنا بس جائز کرنا منظور ہے اس واسطے پوچھتے ہیں۔

صاحب ملفوظ بنو نہ حافظ ملفوظ

فرمایا ایک بزرگ کا قول ہے کہ بجائے ملفوظات جمع کرنے کے صاحب ملفوظ ہو جاؤ وہ بات پیدا کرو جس سے تمھاری زبان پر وہی ملفوظات جاری ہونے لگیں۔ صاحب ملفوظ بنو حافظ ملفوظ ہونے سے کیا فائدہ ہے۔

وظیفہ یا شیخ عبدالقادر پر اعتراض

فرمایا ایک شخص نے کہا یا شیخ عبدالقادرؒ کا وظیفہ کرنے میں بڑی برکت ہے۔ میں نے کہا جی ہاں ان کو پکارتے ہو وہ بھی برکت کے لئے اسی کو پڑھا کرتے ہوں گے اور ان سے پہلے لوگ برکت کے لئے کیا پڑھتے ہوں گے۔ برکت کے لئے وہی چیز کیوں نہ اختیار کرو جس سے وہ خود اور ان سے اگلے لوگ برکت حاصل کرتے تھے اور وہ وظائف اور دعائیں ہیں جو حدیث وقرآن میں موجود ہیں۔

اہل دنیا علماء سے خط و کتابت رکھیں

فرمایا اہل دنیا اگر علماء سے خط و کتابت رکھیں تو رفتہ رفتہ مناسبت ہو جاتی ہے اور دین سے وحشت نہیں رہتی۔ آخر ہیں تو مسلمان ہی مسلمانوں کو تنبہ تو ہوتا ہی ہے۔

لطیفہ کسی کی لگی کو کوئی کیا جانے

غالباً ذکر ہوا کہ اہل دنیا دین داروں کو دیکھ کر کہتے ہیں جانے کس چیز پر یہ مست ہیں۔ ان کو کیا حاصل ہوتا ہے کسی نے کہا کسی کی لگی کو کوئی کیا جانے۔ فرمایا حضرت والا نے کسی کی لگی پر یاد آیا۔ ایک مرتبہ حاجی صاحب پانی پت کو جا رہے تھے دیکھا کہ ایک شخص دردنامہ غمناک پڑھ رہا ہے اور اس پر بڑا اثر ہے۔ فرمایا کیا پڑھ رہا ہے اس نے کہا جا کام کر تو کیا جانے۔

حضرت گذرتے چلے گئے۔ پھر وہ شخص بھی پانی پت پہنچا اور خبر ملی کہ دردنامۂ غمناک کے مصنف یہ ہی ہیں۔ بہت خفیف ہوا۔ اور حضرت سے معافی مانگنے لگا کہ حضرت بڑی گستاخی ہوئی۔ فرمایا

نہیں بھائی تو نے تو سچ کہا تھا تیری لگی کو میں کیا جانوں ۔ فرمایا حضرت والا نے حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہونے کے بعد جو تغیر ہو جاتا ہے اس سے لوگ تعجب کرتے ہیں ۔ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ایک مخلوق کی محبت میں پڑ جانے سے کیا تغیر ہو جاتا ہے دراصل لوگ معذور ہیں ۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانیکہ شمشیر بلاء برسر خورند

تصنع اور لایعنیت آجکل داخل عادت ہے

غالباً تصنع اور لایعنیت کا ذکر ہوا تو فرمایا یہ عادتیں ایسی داخل ہوئی ہیں کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب پر ''البشیر'' اخبار نے کچھ اعتراض کئے تھے اس کے جواب ''البرید'' اخبار نے دیئے ۔ اور ایک پرچہ میرے پاس بھی تھانہ بھون بھیجا تو میں نے لکھا کہ میرے پاس یہ پرچہ بھیجنے میں کیا مصلحت ہے بس جواب ندارد آجکل یہ عقلیں رہ گئیں ہیں ۔ اور ان عقلوں سے دین کا تراجم کرنا چاہتے ہیں ۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ سفر سے وطن میں آئے تھے ۔ وطن میں بھی نماز قصر پڑھی اور لطف یہ کہ مقیم امام کیساتھ دو رکعت پر امام کے قبل سلام پھیر دیا اور بڑے شخص تھے کوئی معمولی آدمی نہ تھے مگر دین سے ایسی اجنبیت ہوئی ہے کہ روزمرہ کے مسائل بھی معلوم نہیں اور پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے پھر ایسے لوگ دین کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لئے کچھ بھی احتیاط کی ضرورت ہو ۔ جس طرح بھی کرلیں دین ہی ہو جاتا ہے ۔ دین کے تمام اجزا کے لئے عقل کو کافی سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ فنون منقولہ میں رائے کیسے کام دے سکتی ہے ۔ دنیا کے تو کسی کام میں دخل نہیں دیتے زراعت کے متعلق کوئی ان سے رائے لے تو صاف کہہ دینگے بھائی یہ کام جس کا ہے وہی رائے دے سکتا ہے ۔ کسی کاشت کار سے پوچھو پھر نہ معلوم دین کیوں سب کا تختہ مشق ہو گیا ہے ۔

عقل نہ بالکل قابل ترک ہے نہ بالکل قابل اعتبار اصول دین معقول ہیں اور فروع منقول

میں کہا کرتا ہوں کہ نہ تو بالکل قطع نظر چاہئے عقل سے اور نہ بالکل مدار عقل پر چاہئے صحیح طریق یہ ہے کہ دین کے اصول تو ہیں معقول وہ پورے طور سے عقلاً ثابت ہیں چنانچہ ان ابحاث سے علم کی کتابیں بھری پڑی ہیں ۔ اور ان کے ثبوت کے بعد فروع ہیں ۔ منقول ان میں عقل کو دخل دینا غلطی

ہے اور یہ طریقہ دین ہی کے ساتھ خاص نہیں دنیا میں بھی دیکھئے کہ ایک تو ہے جارج پنجم کی حکومت کا ماننا اس کے لئے تو دلیل عقلی کی ضرورت ہے اور بعد ثابت ہو جانے حکومت کے ہر ایک حکم کی علت یا حکمت کسی کو پوچھنے کی اجازت نہیں اگر کوئی عدالت میں پوچھے کہ فلاں قانون کی کیا وجہ ہے تو گستاخی میں لے کر چالان کر دیا جائے اور کون ایسا کرتا ہے۔

قانون کے کسی حکم کی نسبت شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے کہ جس چیز کی وقعت ذہن میں ہوتی ہے اس میں شبہات پیدا نہیں ہوتے۔ شریعت اور خدائے تعالیٰ کی وقعت قلوب میں نہیں ہے اس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کارڈ کے ایجادات کے تغیرات میں بھی کسی نے تفتیش مصلحت نہیں کی۔ بلکہ اس میں کوئی بحث کرے تو کہہ دیتے ہیں ''رموز مملکت خویش خسروان دانند''

کسی خادم کو مخصوص بنانے کے مفاسد

فرمایا اپنے کسی دوست کو مقرب و مخصوص بنانے میں علاوہ اور نقصانات کے خود اس شخص کو بھی دنیاوی اور دینی دونوں قسم کے نقصان پہنچتے ہیں۔ دنیوی تو یہ کہ محسود ہو جاتا ہے اور دوسرے آدمی اس کی چغلیاں کھانے لگتے ہیں۔ اور چغلی کا اثر جب کہ بار بار ہو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے اور اس کی خصوصیت وغیرہ ندارد ہو جاتی ہے اور دینی یہ کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

حدیث یوضع لہ القبول میں ایک نکتہ

فرمایا حدیث یوضع له القبول فی الارض میں مقبولیت کی ترتیب حق تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تدریج فرمائی ہے۔ یعنی اول بندہ کو حق تعالیٰ مقبول فرماتے ہیں۔ پھر سموات کے فرشتوں کو بترتیب حکم ہوتا ہے کہ زمین میں ندا کرو کہ سب اس سے محبت رکھیں۔

ہمارے بزرگوں کی طرف اور علماء کی رجوعات رہی ہیں

پس جس طرح اہل سموات نے بڑے فرشتوں میں اول اور ان کے بعد نیچے درجہ والے فرشتوں میں ان کے بعد اسی طرح اہل ارض میں اول خواص میں اس کی محبت ہوتی ہے پھر عوام میں اس سے ترتیب مقبولان الٰہی کی شناخت معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ ان کی طرف اول خاص واہل فہم لوگوں کا رجوع ہو۔ پھر عوام کا اور آجکل لوگوں نے اس کا عکس سمجھ رکھا ہے۔ کامل اس کو سمجھتے ہیں جس کی طرف عوام و دنیا

دار امراء بلکہ بازاری لوگوں کی رجوعات ہو یا درکھنا چاہیئے۔ کہ قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس جن کی طرف بازاری لوگوں اور عوام کی رجوعات ہو ضرور ان میں اور ان میں کوئی مجانست ہے۔ یعنی وہ خود بھی بازاری اور عوام میں سے ہیں خواص میں سے نہیں ہیں۔

ہمارے بزرگوں کی طرف صلحاء اور علماء اور خواص ہی کی رجوعات زیادہ رہی ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی تواضع

حضرت حاجی صاحب سے بڑے بڑے کملا کو فیض ہوا ہے۔ مگر اللہ رے تواضع کہ اس پر بھی اپنی طرف کبھی نظر بھلائی کے ساتھ نہیں پڑتی تھی۔ بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اہل نظر اور اہل کشف سے بھی ہمارے عیوب کو مخفی رکھا ہے۔

مولانا گنگوہی کی تواضع

مولانا گنگوہی سے پوچھا آپ تسخیر جانتے ہیں۔ فرمایا ہاں جب ہی تو مولوی عبد الرحیم صاحب جیسے لوگ میرے یہاں ہیں دیکھئے کیا تواضع کہ اپنے خادموں کی نسبت ایسا کہتے ہیں۔

حضرت والا کی تواضع

فرمایا حضرت والا نے مجھے واللہ کبھی وسوسہ بھی نہیں آتا کہ مجھے کچھ آتا ہے۔ اور کوئی فن بھی آتا ہے۔ میں طالب علموں کو بھی اپنے سامنے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وعظ کہنے بیٹھتا ہوں تو یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بات غلط نہ بیان ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں محض بلا تصنع کہتا ہوں۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمت دین کی مجھ سے ہو سکے اس کی توفیق دے۔ اور اسی میں عمر ختم ہو جائے۔

مولانا عبد الرحیم صاحب بڑے صاحب کشف ہیں

فرمایا میں چاہتا ہوں کہ بنا پڑ جائے ہر کام کی پھر تکمیل کرنے والے کرتے رہیں گے۔ فرمایا مولانا عبد الرحیم صاحب بڑے نورانی قلب شخص ہیں میں ان کے پاس بیٹھنے سے بہت ڈرتا ہوں کہ میرے عیوب نہ منکشف ہو جائیں۔

حضرت والا کی مجددیت

فرمایا چاند شاہ صاحب مرید ہیں ابوالحسن صاحب نصیر آبادی کے جو مرید تھے مولانا مراد اللہ

صاحب کے اور مولانا ہم عصر ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کے۔

چاند شاہ صاحب کے ایک خلیفہ مولوی اسماعیل صاحب مجمع میں تھے انہوں نے حضرت والا سے کہا آپ مجدد ہیں۔فرمایا اگر ہوں بھی تو یہ ایک سرکاری خدمت ہے حق تعالیٰ کام لے لیں تو زہے قسمت۔

مشاجرت اصحاب پر حدیث من سب اصحابی سے شبہ اور اس کا جواب

فرمایا ایک شخص منشی صفدر حسین تھے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق شبہ کیا۔ کہ حدیث میں وارد ہے۔من سب اصحابی فقد سبنی ۔اور حضرت معاویہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایسا کرتے تھے۔پس یہ وعید ان پر ضرور عائد ہوتی ہے۔ میں نے کہا یہ وعید غیر اصحاب کے لئے ہے۔اس کی نظیر ہمارے محاوروں میں یہ ہے کہ کہتے ہیں جو کوئی میری اولاد کو نگاہ بھر کر دیکھے گا میں اس کو سمجھوں گا تو اس سے مراد غیر اولاد ہوتا ہے انھوں نے کھسیانہ ہو کر کہا یہ تو ذہانت کے جواب ہیں۔ میں نے کہا اور کیا غباوت کے جواب چاہئیں۔

عصر کی نماز سرائے میر میں پڑھی اس وقت مجمع ظہر سے بھی زیادہ تھا۔مصافحہ میں لوگوں کو وہ شغف تھا کہ بیان سے باہر ہے یہ بھی خواہش تھی کہ امامت حضرت کریں گے۔مگر مصلے تک پہنچنا بوجہ مصافحوں کے دشوار تھا اور بعد فراغ نماز وہاں سے نکلنا مشکل تھا۔اور اطراف سے لوگ چلے آتے تھے نئے لوگ جب مصافحہ کرتے تو پہلے لوگ بھی مصافحہ کرتے ایسے ہی ایک موقع پر حضرت والا بعد نماز وظیفہ میں مشغول تھے۔ایک صاحب نے ہاتھ بڑھائے اور کہا (بدصورت اور جواب میں بھی لفظ بدصورت بطور جواب ترکی بترکی)مصافحا حضرت نے فرمایا وظیفا۔

بعض لوگ کندھا پکڑ پکڑ کر کھینچتے۔بعضے کپڑے پکڑ پکڑ کر کھینچتے۔غرض ہر نقل و حرکت کے بعد مصافحہ کی تجدید اور کتنا ہی کہا جاتا مگر کون سنتا ہے۔

۲۸ صفر ۱۳۳۵ھ یوم دوشنبہ

آداب مصافحہ مع ثبوت از حدیث

شب دوشنبہ نماز مغرب سرائے میر میں ہوئی۔یہ تجویز ہوئی کہ رات کو ایک بجے کی ریل سے مئو روانہ ہوں اور حضرت والا درمیان کے ایک اسٹیشن سے اتر کر موضع فتح پور تال نرجا کو تشریف لے

جائیں۔ اور خدام سیدھے مئو کو چلے جائیں اور دوپہر کے قریب حضرت والا موضع مذکور سے مئو براہ راست تشریف لے آئیں۔ چنانچہ ایک بجے گاڑی سے روانہ ہونے کے لئے اسٹیشن کو روانہ ہوئے مشایعت کنندگان کا مجمع بہت تھا۔ اول سرائے میر میں مصافحہ ہوا۔ پھر اسٹیشن پر پہنچ کر دوبارہ مصافحہ کے لئے کشا کشی ہوئی تب حضرت والا نے پکار کر کہا کہ صاحبو۔ ایک قصہ سن لو اور ایک مسئلہ سن لو۔

تھانہ بھون کا قصہ

تھانہ بھون کا ایک قصہ لڑکوں کا بیان فرمایا:

جس کا حاصل یہ تھا کہ کسی زمانہ میں شریر لڑکوں نے ایک کمیٹی قائم کی کہ شہر کا انتظام ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے اور اس تنظیم کو باہم تقسیم کرلیا۔ اور ایک باہر سے آئے ہوئے میانجی کی خوب گت بنائی اور وہ گت یہ تھی کہ ایک لڑکا ان پر مسلط ہوا اور قدم قدم پر ان کو سلام کرتا۔ آخران کو نکال کر چھوڑا (مسکرا کر فرمایا کہ اس طرح اگر تم لوگوں کو مجھے نکالنا مقصود ہے تو مصافحہ کر کے کیوں تنگ کرتے ہو میں ویسے ہی نکل جاؤں گا اور مسئلہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے ان من تمام تحیاتکم المصافحه ۔یعنی مصافحہ متمم سلام ہے تو جیسا کہ سلام کے لئے کچھ قواعد مقرر ہیں۔ مصافحہ کے لئے بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مشغولی کے وقت سلام و مصافحہ نہ کرو۔ اور نہ اتنا اس میں غلو کرو کہ باعث ایذا ہو جائے اس قصہ اور مسئلہ کو بہت مشرح بیان فرمایا اور اس کے ضمن میں اور بھی آداب معاشرت بیان فرمائے۔ غرض اسوقت ایک مبسوط تقریر ہوئی۔

احقر نے اس کو بہ مناسبت مضمون اس تقریر کے ساتھ شامل کر دیا جو اسٹیشن انڈارا پر شب یک شنبہ ۲۷ صفر ۱۳۳۵ھ میں ہوئی تھی اور نام اس کا ادب العشیر ہے۔ ایک بجے رات کے سرائے میر سے روانہ ہوئے راستہ میں اسٹیشن کھر ہٹ پر حضرت والا اتر پڑے۔ فرمایا ایک گھڑی میرے پاس ہونی چاہئے تا کہ وقت کا اندازہ رہے اور ظہر تک مئو پہنچ جاؤں۔

احقر نے گھڑی دیدی۔ اہل فتح پور نے پالکی تیار کر رکھی تھی اس میں سوار کر کے لے گئے۔ فتح پور وہاں سے دس میل کے فاصلہ پر تھا اور جملہ خدام مع اسباب مئو کو روانہ ہوئے۔ حضرت والا ایک بجے دن کے فتح پور سے مئو میں تشریف لے آئے۔ آتے ہی پوچھا ظہر کی نماز تو نہیں ہوئی۔ عرض کیا گیا نہیں۔ کہا الحمدللہ اچھے وقت آ گیا۔ یہی میں نے تخمینہ کیا تھا کہ ایک بجے کے قریب پہنچ لوں گا۔ مصافحہ کی یہاں بھی بھر مار ہوئی۔ حتیٰ کہ جب پالکی آ کر رکھی گئی تو کھڑکی کے سامنے اس قدر اژدحام ہو گیا کہ پالکی میں

۱۲

سے نکلنا بھی دشوار رہوا۔ فرمایا دم تو آنے دو ہوا تو بند نہ کرو باہر آ جاؤں تب مصافحہ کرنا بمشکل قیام گاہ کے کمرہ تک پہنچے ذرا دم لے کر ظہر کی نماز کی تیاری ہوئی۔ کمرہ میں سے نکلتے ہی مصافحہ کا پھر زور ہوا۔ خیریت ہوئی کہ وضو کمرہ کے اندر ہی کرلیا تھا۔ بمشکل مسجد کے اندر پہنچے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابھی وظیفہ ہی میں تھے کہ پھر مصافحوں کا پل ٹوٹا حضرت تنگ آ آ جاتے مگر ہاتھ نہ کھینچتے جب تنگ ہوتے تو نیچے کو سر کر کے وظیفہ میں مشغول ہو جاتے۔ مگر مصافحہ کرنے والے کب مانتے تھے کپڑے پکڑ پکڑ کر کھینچتے۔ حضرت فرماتے وظیفہ کی حالت میں مصافحہ نہ کروں گا۔ تب ذرا کو امن ہوتا۔

مشائخ زمان گرم بازاری کی کوشش کرتے ہیں

غرض وہ طوفان بدتمیزی رہا کہ باعث کلفت تھا۔ حضرت فرماتے کہ یہاں کا مصافحہ کیا ہے ایک بلا ہے اور یہ خرابی ہمارے ہی ابنائے جنس یعنی علماء کی ہے کہ آتے ہیں اور ازدیاد مجمع کی کوششیں کرتے ہیں۔ وہ اس مصافحہ کو منع تو کیوں ہی کرنے لگے اس کے اور زیادہ ہونے کی کوششیں کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے گرم بازاری ہوتی ہے۔ اور نام اس کا تعظیم دین رکھا ہے پھر فرماتے مصافحہ کنندگان کی طرف سے تو اس کا منشاء محبت اور تعظیم و تکریم ہی ہے مگر کوئی حد بھی تو ہونا چاہئے ہر چیز کے لئے حد ہوتی ہے اور جس کی تعظیم کی جاتی ہے اس کے لئے یہ ایک فتنہ ہے اور بالکل اس کو ہلاک کرنا ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت والا کو استنجے کی ضرورت ہوئی اسوقت مجمع کی یہ حالت تھی کہ تمام صحن بھرا ہوا تھا۔ بیت الخلاء تک پہنچنا دشوار تھا۔ ایک شخص حضرت کے آگے ہوا تا کہ لوگوں کو ہٹایا جائے اور لوگوں نے پھر مصافحہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ بیت الخلاء کے دروازہ تک اس سے فرصت نہ دی ایک شخص نے کہا ابتو ذرا ٹھیر جاؤ استنجے کے لئے جارہے ہیں۔ حضرت مسکرا کر فرماتے کیوں منع کرتے ہو آنے دو یہ تو میرے ساتھ پائخانہ کے اندر ہی جائیں گے۔ مجھے استنجا کرتے دیکھیں گے۔ آخر استنجے کی کیفیت بھی کسی طرح سیکھیں۔ باہر نکلتے ہی پھر وہی دور مصافحہ کا شروع ہو گیا۔ غرض ضلع اعظم گڈھ کا مصافحہ اس سفر کے عجائبات میں سے ہے۔

سفر خرچ کس سے لیا جائے

مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ اسٹیشن کھر ہٹ سے فتح پور جانا اہل فتح پور کی استدعا

سے ہوا ہے اور فتح پور سے مئو آنا ہم لوگوں کی درخواست سے ہے۔ لہذا پالکی کا صرفہ.......... فتح پور سے مئو تک کا مجھ سے لے لیا جائے۔ فرمایا میں فتح پور سے مئو آپ کے بلانے کی وجہ سے نہیں آیا۔ بلکہ الہ آباد جانے کیلئے آیا ہوں۔ لہذا جنھوں نے درمیان میں یہ سفر کرایا ایک جزو یعنی لے جانے کے بھی وہی ذمہ دار ہیں۔ اور دوسرے جزو یعنی مئو پہنچانے کے بھی وہی ذمہ دار ہیں۔ ایک شخص مئو میں حضرت والا کو اعظم گڈھ لے جانے کیلئے آئے اور بالحاح درخواست کی مگر حضرت نے عذر کر دیا کہ الہ آباد کل کو پہنچنا ضرور ہے۔ اب انتظامات کا پلٹنا دشوار ہے۔

اباحت تیمّم کیلئے اپنا تجربہ یا طبیب کی رائے کافی ہے مگر بڑی احتیاط چاہئے

سوال: مریض (احقر کو یاد آتا ہے کہ مریض معمولی زکام و حرارت کا مریض تھا) کو ایک دو دفعہ تجربہ ہو چکا ہے کہ جب وضو کرتا ہے تو سردی آجاتی ہے تو اس صورت میں تیمم درست ہے، یا نہیں فرمایا ہاں اباحت تیمم کے لئے اپنا تجربہ یا حکیم حاذق کی رائے کافی ہے پھر فرمایا یہ ضابطہ کا جواب ہے، اور تجربہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نام پر اگر ہمت کر لی اور وضو کیا تو کچھ ضرر نہیں ہوا۔ لوگ ذرا، ذرا سے مرض کیلئے گنجائش نکالتے ہیں اور ذرا ذرا سے عذر سے تیمم کر لیتے ہیں۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے نماز نہ ہوئی تو کس قدر خراب بات ہے۔

قصہ شخصے احتلام وریل

پھر یہ حکایت بیان کی کہ ایک شخص کو ریل میں احتلام ہوا۔ اور سردی کا وقت تھا۔ اور اسٹیشن پر گرم پانی کہاں۔ اس نے ہمت باندھ کر ٹھنڈے پانی سے غسل کر ہی ڈالا اور نماز قضاء نہ کی وہ کہتا ہے کہ وہ لذت آئی نماز میں کہ سلطنت بھی اس کے سامنے کیا چیز ہے۔

قصہ حضرت والا

میرا قصہ ہے کہ ابتدائے بلوغ میں مجھے احتلام ہوا۔ اور اس روز اپنے پھوپا صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ مارے شرم کے کسی کے سامنے نہانہ سکا۔ مسجد تلاش کرتا پھرا کہ کوئی خالی مل جائے تو نہا

لوں آخرایک مسجد ملی اور جب مسجد ویران تھی تو گرم پانی اس میں کہاں ہوتا۔ غسل خانہ میں ایک گھڑے میں بے حد سرد کچھ پانی موجود تھا اور موسم بھی سرد تھا۔ اگر چہ سردی خوب تھی مگر ہمت کر کے نہا ہی لیا۔ آدھے گھڑے سے نہایا مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ وضواور غسل میں ہر طرح کا اتفاق ہوا ہے۔ اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوا یہ صرف کاہلی ہے کہ ذرا، ذراسی بات پر تیمم کے جواز کا فتویٰ لیا جاتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اتنی سستی نہ کرے اور خدا پر بھروسہ رکھے۔ اس پر چند آدمیوں نے کہا واقعی جب آدمی ہمت کرے تو کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ خدا کے نام کی بھی برکت ہوتی ہے۔

کیا توکل سے اسباب غیر موثر ہو جاتے ہیں۔

اس پر ایک شخص نے کہا خدا پر جب بھروسہ کر لے تو ہوتا تو یہی ہے۔ مگر سوال یہی ہے کہ کیا متوکل کے لئے ظاہری اسباب میں سے اثر جاتا رہتا ہے۔ فرمایا یہ سب غلط ہے اسباب واقعیہ میں سے اثر نہیں جاتا۔ مذکورہ صورتوں میں یہ نہیں ہوا کہ پانی میں سے سردی کا اثر خدا پر بھروسہ کرنے سے جاتا رہا۔ بلکہ اس میں اتنا اثر تھا ہی نہیں۔ جس سے نقصان پہنچتا یہ قوت خیالیہ کا اثر ہوتا جو کم ہمتی کی وجہ سے غالب آ جاتی۔ قوت خیالیہ کو حق تعالیٰ نے بڑا اثر دیا ہے۔ دیکھئے آدمی اونچی دیوار پر چل نہیں سکتا۔ اور اتنے ہی چوڑے راستہ پر بلکہ اس سے بھی کم پر چل سکتا ہے۔

حضرت سید المتوکلین کے لئے بھی اسباب واقعیہ میں سے اثر نہ گیا

تصوف ...... نسبت خاصہ بحق کا نام ہے

اور اگر متوکل کے واسطے آثار واقعیہ جاتے رہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ بشر نہ رہا۔ سید المتوکلین جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے تو ایسا ہوا ہی نہیں۔ حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا۔ چاہئے تھا کہ پتھر میں سے یہ اثر سلب ہو جاتا۔ کہ وہ دانت کو توڑے تصوف آجکل مجموعہ عجیب مسائل کا ہے نئی نئی باتیں بیان کی جائیں اور زمین وآسمان کے قلابے ملائے جائیں اسی کا نام تصوف ہے۔

حالانکہ تصوف نام ہے نسبت خاصہ بحق تعالیٰ کا بعد تکمیل ان مقامات کے بھی صاحب تصوف ویسا ہی رہتا ہے جیسا پہلے تھا۔ اسباب میں جیسے اثر پہلے تھا اب بھی رہے گا اور بطور خرق عادت اسباب کا غیر موثر ہو جانا اور بات ہے اس میں تخصیص متوکل اور غیر متوکل کی اور مبتدی اور منتہی کی نہیں ہے۔ زادہ الجامع

نام اچھا رکھنا

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کا نام تجویز فرمائیں۔ پوچھا کوئی اور اس کی بہن ہے اور اس کا نام کیا ہے کہا ہے اور اس کا نام رفیع النساء ہے فرمایا اس کا نام بدیع النساء مناسب معلوم ہوتا ہے۔ احقر کو یہ خیال ہوا کہ ناموں میں قافیہ بندی اور غور وخوص گونہ تکلف سے خالی نہیں۔

شرف باسم شرف مسمی کی دلیل ہے

فرمایا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے آیت لم نجعل له من قبل سمیاً سے استدلال کیا ہے اس پر شرف اسم شرف مسمی کی دلیل ہے ورنہ امتنان کیوں کر ہوگا کہ آدمی نام اچھا رکھے۔ ہاں ایسے نام نہ رکھے جن میں طرفہ اور تکبر پایا جائے۔ جیسے آج کل بعض لوگ سوچ سوچ کر ایسے نام رکھتے ہیں۔ جیسے برجیس قدر، رفیع الشان وغیرہ۔

الف لام کی پانچویں قسم الف لام نیچریت

ذکر ہوا کہ آجکل الف لام کا بہت چرچا ہو رہا ہے عجمی الفاظ پر بھی اس کو لگایا جاتا ہے۔ فرمایا مولانا عبدالعلی صاحب کا اس پر ایک لطیفہ ہے کہ پہلے تو الف لام کی چار قسمیں تھی۔ اور اب ایک پانچویں پیدا ہوئی ہے۔ جس میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ عربی لفظ پر لگایا جائے۔ یہ نیچریت کا الف لام ہے اس پر خواجہ عزیز الحسن صاحب نے کہا کہ الرشید (یہ تین اسلامی رسالوں کے نام ہیں۔ الرشید اور القاسم دیوبند سے نکلتے ہیں اور الامداد تھانہ بھون سے) اور القاسم اور الامداد میں الف لام ہے فرمایا سب اسی لطیفہ میں داخل ہے اور تعجب نہ کیجئے۔ کہ علماء کے یہاں یہ کیسے آیا۔ حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ربوا کی نسبت یہ وارد ہے تو اور معمولی باتوں کا کیا پوچھنا ہے۔ آجکل معاشرت میں کوئی نہ کوئی جزو نیچریت کا اور طرز جدید کا ضرور شامل ہے۔

الف لام دخانی ودکانی وزمانی

احقر نے عرض کیا تو یہ لفظ الف لام دخان نیچریت ہے۔ لہذا الف لام دخانی کہنا چاہئے۔ مسکرا کر فرمایا ہاں یا اس کو (یعنی الف لام نیا چرہ) چکو (دکانی) یعنی ذریعہ تجارت کہا جائے۔ کیونکہ تجارتی اشیاء کے ناموں پر لگایا جاتا ہے) اور اس کو (یعنی علماء کے اس الف لام لگانے کو) زمانی کہا جائے۔ (یعنی

صرف نقل زمانہ)

بلا خاص شناسائی کے خدمت نہ لینا

ایک شخص آ کر ملا اور خاص طور سے مصافحہ کیا اور بہت ہی عقیدت ظاہر کی۔ حضرت نے فرمایا میں نے پہچانا نہیں مولوی ابوالحسن صاحب نے اس کا نام ونشان وغیرہ بتایا اور کہا کہ یہ حضور سے بیعت بھی ہیں۔ حضرت خاموش ہو رہے۔ پھر اس شخص نے پاؤں دبانا چاہئے تو منع فرمادیا۔ اور باوجود اصرار کے منظور نہیں کیا۔

مرید کو تعلق اور ربط پیدا کرنا چاہئے

پھر فرمایا جانتے ہو کیوں منع کیا؟ وجہ یہ ہے کہ تم نے مجھ سے ذرا بھی تعلق پیدا نہیں کیا۔ آپ ایسے بیعت ہیں کہ میں نے پہچانا بھی نہیں۔ مولوی صاحب کے بتانے سے معلوم ہوا کہ آپ بیعت ہیں بھلے مانس کبھی خط بھی نہیں لکھا یا پاس آنے میں تو یہ عذر ہوتا ہے کہ وسعت نہیں۔ خط لکھنے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ بس یہ بیعت صرف نام کی ہے بس ایک رسم ہے کہ ادا کی جاتی ہے۔ اس نے شرمندگی کے ساتھ پھر پاؤں دبانا چاہئے فرمایا خدمت کا شوق ہے تو ربط پیدا کیجئے۔ جب اجنبیت جاتی رہے تب خدمت کا بھی مضائقہ نہیں اس کے متعلق کچھ دیر تک تقریر فرماتے رہے۔ اس شخص پر مگر کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔ فرمایا صحبت نہ ہونے کی خرابی ہے کہ اتنی باتیں سنیں مگر ایک دفعہ بھی منہ سے نہ نکلا کہ آئندہ تعلق پیدا کروں گا۔

وتر کے بعد نفل کھڑے ہو کر پڑھنے افضل ہیں

سوال: وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنی چاہئیں یا کھڑے ہو کر؟

جواب: فرمایا بیٹھ کر پڑھنا ہر نفل جائز ہے۔ خصوصاً ان کا کیونکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ مگر ثواب آدھا ملے گا بموجب اس قاعدہ کے جو اس کے لئے مقرر ہے صلاۃ قاعد نصف صلاۃ القائم اور حضور ﷺ نے ان کو بیٹھ کر بہ عذر کبر سن پڑھا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں لفظ فلما بدن موجود ہے۔ تو ان کا کھڑے ہو کر ہی پڑھنا اولیٰ ہے۔

ایک شخص دیر سے موقع کے منتظر بیٹھے تھے کئی بار کچھ سوال کرنا چاہا مگر وہ رہ گئے۔ آخر ایک مرتبہ کہا مجھ کو کچھ پوچھنا ہے فرمایا کہیے۔ کہا جبکہ عدم محض سے کوئی چیز وجود میں نہیں آ سکتی (آگے کچھ کہنے کو

تھے غالباً قدم مادہ کا سوال کرتے ان سے کسی آریہ نے کیا ہوگا) فرمایا اس کا ثبوت ۔ وہ صاحب خاموش ہوئے اور کچھ تامل کے بعد کہنے لگے اس کا ثبوت تو ہم نہیں دے سکتے ۔ فرمایا تو دعویٰ بھی نہ کیجئے ۔ وہ شخص متحیر ہو گیا ۔ فرمایا بس منہدم ہو گیا ۔ اور دوسروں سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ ہستی ہے آجکل کے شبہات کی کہ اپنے نزدیک ان کو لاینحل سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ ایک لفظ میں سب ندارد ۔

مخالفین کی کتابیں دیکھنا بلا کافی علم کے سخت مضر ہے

پھر فرمایا یہ آریوں کا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں لوگ یہیں سے ان کو نہیں پکڑتے آگے ان کو قیل وقال کی گنجائش نکل آتی ہے اتنے مغلوب کیوں ہو کیوں مطالبہ دلیل نہ کریں وہ ہم سے ہر بات میں دلیل مانگتے ہیں ۔ اپنی بھی تو کسی بات پر دلیل لائیں ۔ انہوں نے کہا میرا شبہ سن لیجئے فرمایا آگے سننا تو اس مقدمہ کا مان لینا ہے اس کو منوا لیجئے تب آگے چلئے ۔ میں فضول وقت ضائع نہیں کرتا ۔ میں کیوں اپنے اوپر بلائیں مول لوں ۔ میں شروع ہی سے کیوں نہ قاعدہ سے چلوں جو زحمت اٹھانی نہ پڑے ۔ پھر فرمایا حضرت میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ نئی کتابیں نہ دیکھا کیجئے خواہ مخواہ کوئی شبہ دل میں بیٹھ جائیگا ۔ جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہوگا ۔ لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پکے خیال کے آدمی ہیں ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے ۔ مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرأت توریت سے منع فرمانا

حضرت عمرؓ کو توریت اچھی معلوم ہوئی اور لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگے بتایئے کہ اس میں کیا خرابی تھی حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان جن کی شان میں وارد ہے ۔ **الشیطن یفرس ظل عمرؓ** ان کے اوپر شیطان کا اثر ہونا تو کیا معنی جس مجلس میں وہ موجود ہوں وہاں بھی شیطان نہیں ٹھہرتا ۔ اور توریت جیسی آسمانی کتاب تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی گئی کہ اگر کوئی مضمون کی خرابی بھی ہو جائے تو اسکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح فرما دیتے ۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار ہوا ۔ حضرت عمرؓ کو جب حضرت ابوبکرؓ نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمرؓ کانپ گئے اور بہت توبہ استغفار کی اور معافی مانگی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے پاس ایک ملت سہل اور پکی اور صاف لایا ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو سوائے اس کے کہ میرا اتباع کرتے کچھ نہ ہوتا ۔ یعنی پھر کیا ضرور ہے ۔ کہ اس کتاب کو دیکھو جس میں تحریف ہو چکی ہے ۔ توریت میں آمیزش تھی تحریف کی جب اس کے دیکھنے

سے منع کیا گیا تو جو کتابیں صرف الحاد اور زندقہ کی ہوں انکا حکم ظاہر ہے اور حضرت عمرؓ کو منع فرمایا گیا تو ہم کیا ہیں اور نہ معلوم کیوں دیکھتے ہیں لوگ اپنے یہاں کیا نہیں ہے اپنے یہاں تو اتنے علوم ہیں کہ تمام عمر بھی ان کے دیکھنے سے فرصت نہ ملے اپنی کتابوں کو دیکھئے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجئے اسی سے فرصت ملنا مشکل ہے۔ رہا جی لگنا سو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف حیلہ ہے اور لا پرواہی کی دلیل ہے ورنہ جناب اگر کسی پر مقدمہ فوجداری کا قائم ہو جائے اور وہ سن پائے کہ قانون میں کوئی نظیر میرے لئے مفید ہے تو اگر چہ قانون کے دیکھنے میں جی نہ لگے بلکہ سمجھ میں بھی نہ آئے مگر جان ماریگا اور دیکھے گا اس وقت یہ نہ ہوگا کہ بجائے قانون کے دلچسپ کتاب مثلاً الف لیلیٰ کو لے بیٹھے۔ اس وقت تو دل کو لگی ہوگئی۔ ہم لوگوں کو دین کی طرف سے بیفکری بہت ہے۔ یہ خرابی اس کی ہے ذرا، ذرا سے عذر ترک دین کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔

بے قاعدہ مناظرہ مضر ہے

پھر فرمایا آجکل تو لوگوں نے یہ وتیرہ اختیار کیا ہے کہ ذرا سا کسی نے شبہ کیا یا کسی کتاب میں شبہ دیکھ لیا اور بس اس کے حل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ خرابی آداب مناظرہ نہ جاننے کی ہے کہ وہ کام ذمہ لے لیتے ہیں جس کی ذمہ داری عقلاً ہمارے ذمہ نہیں پھر اس میں خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں اور اخیر یہ ہوتا ہے کہ کام چلتا بھی نہیں۔ اور اپنے اوپر بات آجاتی ہے جب کسی سے کشتی ہو تو عقل کی بات یہ ہے کہ اس کو ان اصولوں کے موافق پکڑ کر گرا دیا جائے جو فن کشتی میں مقرر ہیں اور تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اور اگر مخالف کے کہنے کے موافق چلا جائے مثلاً وہ کہے کہ جب جانیں اس طرح کشتی لڑ کر مجھے پچھاڑ دو کہ میں تو داؤں کروں اور تم مطلق ہاتھ پیر نہ ہلاؤ تو اس کا انجام تو سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہوتا کہ وہ تم کو چاروں خانے چت مارے اور سر مجمع ہنسائی ہو بتایئے اگر کوئی ایسا کرے اور پچھڑ جائے تو کیا یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ فن کشتی کچھ بھی چیز نہیں دیکھو کچھ بھی کام نہ آیا اور پچھڑ گئے نہیں بلکہ فن سے کام ہی نہیں لیا گیا۔ اسی طرح ہمارے بھائی ہیں کہ قاعدہ سے چلتے نہیں اور اسی کو بہادری سمجھتے ہیں کہ جیسے مخالف کہے ویسے ہی جواب دینا چاہیئے۔ فن مناظرہ مستقل فن ہے۔ اور اس کے اصول عقلی ہیں جن کو مخالف بھی مانتا ہے۔ ان کو چھوڑ کر جب مناظرہ کیا جائے گا فضول اور بے سود ہوگا۔ دیکھئے فن مناظرہ کا اصول ہے کہ بینہ مدعی پر ہوتا ہے جب تک اپنے مدعا کو ثابت نہ کرے اس کی تردید کی حاجت نہیں وہ خود باطل ہے۔ ابھی وجود میں ہی نہیں آیا معدوم کس کو کہا جائے۔ یہ بات کہ کوئی

چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی دعویٰ ہے اس کا اثبات دلیل کے ساتھ قائل کے ذمہ ہے۔
جب تک دلیل قطعی سے ثابت نہ کردیا جائے دعویٰ کا وجود ہی متحقق نہیں ہوگا۔اس کا موجود کرنا اس کے ذمہ ہے اور پوچھا جاتا ہے ہم سے کہ اس کے دعویٰ کا ابطال کرو جس کا وجود نہیں اسکا ابطال فعل لایعنی ہے وہ خود ابھی بطلان سے ثبوت میں نہیں آیا۔ پھر ہم کیوں ابطال کریں۔ وہ تو خود ہی باطل ہے مگر لوگ دیکھتے ہیں نہ بھالتے ہیں ذرا کسی نے چھیڑ دیا اور تیار ہوگئے نہ تو یہ چال ٹھیک ہے اور نہ وہ جواب ہی ٹھیک ہوتے ہیں جو مخالف کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ایک بات کا تو جواب دیتے ہیں اور دواس اعتراض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں اور اس پر بڑا فخر کرتے ہیں۔

کسی نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے دیا

ایک صاحب نے داڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے دیا اس لفظ سے لاتاخذ بلحیتی ولا براسی۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میری داڑھی نہ پکڑیے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون کی داڑھی تھی میں نے کہا جناب اس سے وجود لحیہ کا ثبوت ہوا نہ وجوب لحیہ کا اور وجود کے لئے اتنا تکلف ناحق کیا اپنی داڑھی دکھا دینی تھی ۔وجود کا ثبوت ہوجاتا۔اور اگر وجوب کا ثبوت دیا ہے تو وہ تو آیت سے بھی نہ ہوا۔

کسی نے منی میں کیڑوں کا ثبوت قرآن سے دیا

ایک صاحب نے منی میں کیڑے ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے دیا۔ سورۃ اقراء میں لفظ مِنْ عَلَق جونک کو کہتے ہیں اور کیڑا ایک ہی چیز ہے ہمارے قرآن میں وہ چیزیں موجود ہیں جواب تیرہ سو برس کے بعد لوگوں کو معلوم ہوئیں۔ دین میں ایسی جرات ہوئی ہے لوگوں کو کہ ہر شخص دخل دینے کو تیار ہے لغت تک کے علم کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر کیڑا تو جونک نہیں اور منی میں جونک نہیں اور مجاز کی کوئی دلیل نہیں پھر القرآنُ یُفسّر بعضہ بعضا اور دوسری آیات میں فرمایا ہے۔ مِنْ نطفة ثم من علقه ثم من مضغة جس سے صاف واضح ہوا کہ علق ایسی کوئی چیز ہے جو نطفہ و مضغہ کے درمیان میں ہے تو وہ خون بستہ ہے اور وہ کیڑا تو نطفہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نطفہ کے بعد اور مضغہ کے قبل پس علق کے معنی لغت عرب میں خون بستہ کے ہیں۔ کیا قرآن سے عقیدت اور محبت ہے کہ اس میں وہ چیزیں داخل کی جاتی

ہیں۔ جن کو اس کی زبان بھی شامل نہیں اور اس خرافات کو حمایت دین کہا جاتا ہے۔

کسی نے قرآن سے دانہ کا نر مادہ ہونا ثابت کیا ہے

ایک صاحب نے قرآن شریف سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ دانہ میں نصف مادہ اور نصف نر ہوتا ہے یہ بھی سائنس جدید کی تحقیق ہے اس کے لئے ان کو یہ آیت مل گئی سبحان الذی خلق الازواج کلھاماتنبت الارض ومن انفسھم وممالایعلمون معلوم ہوا کہ مِمّاتنبت الارض میں بھی ازواج یعنی میاں بی بی ہیں جو جس کی سمجھ میں آتا ہے وہ کہتا ہے نہ معلوم یہ لوگ واذاالنفوس زوجت کے کیا معنی کہیں گے تزویج تفصیل ہے زوج سے اس کے معنی ان کی تقریر کے موافق میاں بی بی بنانے کے ہوئے۔ تو یہ معنی ہوئے کہ قیامت کے دن لوگوں کے نکاح کرائے جائیں گے۔

سائنس کو دین کے مطابق کرنا چاہئے نہ بالعکس

قرآن شریف کو کیا کھیل بنایا ہے لوگوں نے ، نہ معلوم عقلیں کیسی مسخ ہوئی ہیں۔ یہ طرف داری دین کی ہے یا سائنس کی۔ موٹی سی بات ہے کہ دین کی طرف داری تو جب ہوتی کہ دین کو تسلیم کر کے سائنس کو اس کے مطابق کرتے یہ طرفداری دین کی کیسی ہوئی کہ سائنس کو تسلیم کر کے دین کو اس کے مطابق کرنا چاہتے ہیں یہی فرق ہے علماء اہل حق اور آجکل کے لوگوں کی روش میں علماء اسلام نے بھی احکام شریعت میں عقلی مصالح دریافت کی ہیں۔ اور اس مبحث پر کتابیں لکھی ہیں جن سے یہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں کہ علماء حال کا جمود اور تعصب ہے کہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں جب ہم عقل اور نقل کو مطابق کر کے دکھاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے علماء نے بھی ایسا کیا ہے یہ صرف مغالطہ ہے۔

سائنس کو قرآن میں داخل کرنا ہدم دین ہے

اگلے علماء نے دین کو مقدم رکھ کر عقل سے اس کی مصلحتیں دریافت کی ہیں اور یہ لوگ عقل کو مقدم رکھ کر دین کو اس کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ سائنس کو قرآن میں داخل کرنا چند روز میں دین کو بالکل منہدم کرنا ہے کیونکہ سائنس کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں آج جو بات بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے وہ کل کو ایسی غلط ثابت ہوتی ہیں۔ کہ اس پر وہ ہی لوگ ہنستے ہیں جن کی وہ تحقیق تھی۔ اگر آج قرآن کو بھی اسکے مطابق کرلیا تو جس وقت اس کی غلطی ثابت ہوگی اس وقت قرآن کریم کا غلط ہونا بھی

ثابت ہو جائے گا۔ پھر قسمت کو روئیو! لوگ ادھر اُدھر کے مسائل کو قرآن شریف سے ثابت ہونے کو فخر سمجھتے ہیں۔

قرآن کا فخر یہ ہے کہ غیر دین اس میں نہ ہو

قرآن کا فخر یہ ہے کہ اس میں غیر دین نہیں ہے جیسا کہ طب اکبر کے لئے فخر ہوسکتا ہے۔ تو یہ ہی کہ اس میں جوتیاں گانٹھنے کا بیان نہیں ہے نہ یہ کہ اس میں کہیں جوتیاں گانٹھنے کی ترکیبیں بھی درج ہیں اگر کوئی طب اکبر میں یہ صنعت بھی شامل کردے تو واللہ کوئی اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ میں نے بکثرت وعظوں میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ لوگ ان کو خشک مضامین کہتے ہیں۔ اور تر مضامین وہ ہیں جن میں ڈوب مرنا پڑیگا آجکل کے حامیان اسلام حامیان اسلام نہیں ہیں ماحیان اسلام ہیں ان کی یہ حالت ہے۔

یکے بر سرشاخ دین مے برید ☆ خداوندبستاں نگہ کردودید

بگفتا گریں مرد بد میکند ☆ نہ بامن کہ بانفس خود میکند

فروعی مسائل اسلام تو عقل سے ثابت کرتے ہیں اور اس کی خبر نہیں کہ اس طرح جڑ اسلام کی کٹتی جاتی ہے۔ اس مرض میں ہمارے بھائی بند بھی یعنی مولوی لوگ بھی مبتلا ہیں اور اس کی وجہ صرف حب شہرت اور بعض میں حب مال اور اپنی ضرورتوں کو اہل دنیا کے پاس لیجانا ہے ان کے عطایا لینے کے بعد ان سے دبنا پڑتا ہے اور ان کی حسب خواہش دین کو سائنس کے ساتھ مطابق کرنا پڑتا ہے ورنہ ان کی نظروں میں وقعت نہ ہو اور عطایا میں کمی ہو جائے۔ یہ ہے وہ چیز جس نے ناس کر رکھا ہے۔

ہر ایک عطیہ لینا ٹھیک نہیں

لوگ ہر نذرانہ اور عطیہ کیلئے لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ذرا سی غلطی سے دین فروشی لازم آتی ہے۔

قصہ فتحپور

مجھے چند آدمیوں نے نذر دی میں نے کہا تم کون ہو میں نے پہچانا نہیں۔ انہوں نے اپنا حسب نسب بیان کیا۔ مگر مجھے تب بھی یاد نہ آیا کہ ان سے پہلے کب کی شناسائی ہے۔ میں نے نذر لینے سے اب بھی انکار کیا اور کہہ دیا کہ میرا اصول ہے کہ میں بلا شناسائی نہیں لیتا اور یہ کیا شناسائی ہے کہ باوجود

حسب نسب بیان کرنے کے بھی میں نے نہیں پہچانا۔ اول شناسائی پیدا کرو۔ اور مجھ سے کچھ حاصل کرو تا کہ مجھے تم سے کچھ حاصل کرتے ہوئے شرم نہ آئے۔ اس وقت تو یہ باتیں روکھی معلوم ہوئیں مگر تجربہ ہوا کہ جس کو میں نے اس طرح رد کیا اس نے فوراً ہی خط و کتابت شروع کر دی۔ ہم لوگوں کو نظر صرف اپنے نفع پر نہ چاہئے جو غرض ہے عطایا سے یعنی علماء کے ساتھ تعلق اور محبت اور جو اس کا بھی اصل الاصول ہے یعنی تعلیم و تعلم وہ بھی تو حاصل ہونا چاہئے۔

داڑھی کے حدود

کسی نے پوچھا داڑھی کی حد کیا ہے فرمایا ایک قبضہ (مٹھی) سے کم نہ چاہئے۔ حدیث فعلی سے ثابت ہے اور فقہاء کے قول سے بھی ثابت ہے فقہاء کا کوئی قول بلا سند نہیں ہوتا وہ حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ پوچھا گیا عذارین کے بالوں کا کیا حکم ہے۔ یہ بھی داخل داڑھی میں نہیں۔ فرمایا مجھے اس میں تردد تھا اس کے رفع کرنے کے لئے میں نے بچوں کو بلایا دیکھا تو ثابت ہوا کہ عذارین پر کچھ بال ان کے بھی ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بچوں کی داڑھی نہیں ہوتی تو یہ بال سر کے ہوئے اور ان کا منڈانا بلا سر کے منڈائے ممنوع اور داخل قزع ہوگا۔ کیونکہ قزع اسی کو کہتے ہیں تحلق بعض و تیرک بعض پوچھا گیا رخساروں کو صاف کرنا جائز ہے یا نہیں فرمایا جائز ہے پوچھا گیا بعض لوگ کانوں کے پاس کے بالوں کو زیادہ کٹواتے ہیں اور ٹھڈی کے بالوں کو کم کٹواتے ہیں یعنی ٹھڈی کے بال تو ایک مٹھی رہتے ہیں اور کانوں کے پاس کے بال بہت چھوڑتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز فرمایا کانوں کے پاس کے بال بھی چار انگل سے کم نہ ہونے چاہئیں۔

مصافحہ کی مشہور ترکیب موضوع ہے

فرمایا مصافحہ کی ترکیب میں مشہور ہے کہ انگوٹھوں کو دبا دے یہ بے اصل ہے اور یہ حدیث موضوع ہے کہ انگوٹھوں میں رگ محبت ہے۔

پچھان کے علماء اور عوام کسی میں تصنع نہیں ہے

فرمایا ہماری طرف کے علماء مخدوم نہیں بنتے نہ ان میں ترفع ہے نہ امتیاز ہے نہ تکبر کچھ نہیں ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب کی کسی لوہار نے دعوت کی اور وقت پر بارش ہونے لگی مولانا خود کمبل

اوڑھ کر پہنچے اور کھانا بھی یہ تھا کہ فقط دال ساگ پکایا تھا وہی بخوشی کھا لیا۔ ہماری طرف کے عوام میں بھی بناوٹ نہیں ہے خلوص تو بہت ہے اس طرف کے لوگ تو علماء سے حضور حضور کر کے خطاب کرتے ہیں اور ہماری طرف کے لوگ، تو تک بولتے ہیں مگر یہ از راہ تحقیر نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ان کو بناوٹ آتی ہی نہیں۔عوام علماء سے اس طرح بولتے ہیں۔اور علماء تحمل کرتے ہیں اور یہ بھی نہ صرف ظاہرا بلکہ دل سے بھی برا نہیں مانتے اور بعض جگہ کے علماء اس قدر تنگ مزاج ہوتے ہیں کہ جناب اور حضور کہنے والے کے لہجہ میں اگر ذرا قلت ادب کا شائبہ ہو جائے تو کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ ہماری طرف کے علماء میں یہ بات نہیں بلکہ سیدھے سادھے ہوتے ہیں اور بعض تو بالکل ہی بے نفس ہوتے ہیں۔

قصہ حضرت گنگوہیؒ بابت سادگی

حضرت گنگوہی ایک دفعہ حدیث کا سبق صحن میں پڑھا رہے تھے۔ بارش آ گئی سب طلباء کتابیں لے کر مکان کے اندر بھاگے مولینا نے کیا کیا کہ سب کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے دیکھا کہ یہ حالت ہے تو کٹ گئے۔سبحان اللہ نفس کا تو ان لوگوں میں شائبہ بھی نہ تھا۔

قصہ مولانا مظفر حسین صاحب

مولینا مظفر حسین صاحب (میں نے مولینا کو نہیں دیکھا) اپنے معمولات کے ایسے پابند تھے کہ تہجد سفر میں بھی ناغہ نہ ہوتا۔اس وقت میں ریل نہ تھی۔سفر بیل گاڑی میں ہوا کرتے تھے بہلی میں جاتے ہوتے اور،اور لوگ بھی ساتھ ہوتے تو راستہ میں تہجد پڑھتے مگر بہلی کو ٹھیراتے نہیں اس خیال سے کہ رفقا کا راستہ کھوٹا ہوگا بلکہ تہجد اس طرح پورا کرتے کہ بہلی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے پھر آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے پھر آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح تہجد کو پورا کر لیتے۔ ایک دفعہ ایک بڈھا بوجھ لئے جاتا تھا مولانا کو اس پر رحم آیا اور اس کا بوجھا اپنے سر پر رکھ لیا جب اسکا گاؤں آ گیا بوجھ اس کے حوالہ کر کے رخصت ہونے لگے بڈھا بولا کہ میں نے سنا ہے کہ اس طرف مولوی مظفر حسین آئے ہوئے ہیں تجھ کو کچھ خبر ہے مولانا نے فرمایا ہاں وہ بولا کہ اگر کہیں پاس ہو سنے تو مجھ کو بھی بتلانا فرمایا اچھا اس کے بعد کہا مظفر حسین میرا ہی نام ہے وہ بہت شرمندہ ہوا۔اور پیروں میں گر گیا۔مولانا نے کہا بھائی شرمندگی اور معذرت کی کیا بات ہے۔ایک مسلمان کا کام میں نے کر دیا تو کیا ہو گیا۔ پھر وہ

اصرار کر کے اپنے گھر لے گیا۔

مولانا مظفر حسین صاحب کا ایک اور قصہ

ایک قصبہ بڈولی ہے ایک دفعہ مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھیرے برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھیرا ہوا تھا۔ اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ مولانا سے اس کی بات چیت ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا میاں جی کہاں جاؤ گئے۔ مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤ نگا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لئے بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد ہیں بس اسکی تو روح فنا ہوگئی دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں ہیں جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی۔ اسنے کہا ہو نہ ہو وہی لے گئے یہ کوئی ٹھگ تھا وہ سیدھا اسی راستہ پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانیکا ارادہ بیان کیا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کی۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ کیا پوچھتا ہے۔ کیا ہے۔ لا کڑے کہاں ہیں؟

مولانا نے کہا بھائی میں نے تیرے کڑے نہیں لئے۔ کہا ان باتوں سے کیا چھوٹ جائے گا۔ میں تجھے تھانہ لے چلونگا۔ کہا کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلونگا۔ غرض وہ مولانا کو پکڑتے ہوئے جھنجانہ کے تھانہ میں پہنچا اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں کھڑا ہو گیا اور دور سے ہی آلیا یہ دیکھ کر بنئے کے ہوش خطا ہو گئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب جوتے پڑیں گے۔ مگر مولانا اس سے کہتے ہیں بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔

تھانیدار نے مولانا سے پوچھا یہ کون تھا کہا تم اسے کچھ نہ کہو جانے دو اسکی چیز کھوئی گئی۔ اس کی تلاش میں آیا تھا۔ دیکھئے کیا بے نفسی ہے۔ لطف یہ کہ نرا عفو ہی نہیں بلکہ مولینا اس کے احسان مند بھی ہوئے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور میرے ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں تو وہی تو ہے جس کے ایک بنئے نے دھول لگائی تھی بس اس سے عجب نہیں ہوتا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب کا قصہ بابت بے نفسی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے تمام مجمع میں خوش پوشاک نازک مزاج نازک بدن تھے اور حسین بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شہزادہ ہیں ان کی حکایت ہے کہ موضع املیا کے ایک شخص نے مولانا کی مع طالب علموں کے آموں کی دعوت کی۔ وہ گاؤں دیوبند سے تین کوس ہے۔ سواری بھی نہیں لایا۔ مولانا مع رفقاء کے پیدل گئے۔ اور وہاں آم کھائے۔ جب چلنے لگے تو اس نے بہت سے آم گھر لیجانے کیلئے دئے اور بدتمیزی یہ کی کہ انکے پہنچانے کیلئے بھی مزدور تک نہ دیا۔ بس سامنے لاکر رکھ دیئے کہ ان کو لیتے جایئے۔ مولانا کا حصہ بھی اوروں سے زیادہ ہی دیا گیا۔ سب اپنے اپنے آم کپڑے میں باندھ کر چلے مولانا بھی بغل میں لے کر چلے ایک طرف کی بغل دکھ گئی۔ تو دوسری طرف لے لیا جگہ تھی دور بار بار کروٹیں بدلتے یہاں تک کہ جب دیوبند پہنچے تو ہاتھ بہت زیادہ تھک گئے مولانا نے اس گٹھری کو سر پر رکھ لیا اور فرماتے ہیں کہ بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہ آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف سے بازار میں سلام ہو رہے تھے اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اور اس حالت میں مولانا کو ذرا بھی تغیر نہ تھا سبحان اللہ! کیا تواضع ہے نفس ان حضرات میں تھا ہی نہیں یہ قصہ میں نے مولوی ظفر احمد صاحب مرحوم تھانوی سے جو اس زمانہ میں وہاں طالب علمی کرتے تھے سنا ہے۔

مولانا محمود حسن صاحب کا قصہ بابت تواضع

اسی طرح حضرت مولٰینا محمود حسن صاحب کا قصہ ہے کہ مراد آباد مدرسہ کے جلسہ میں گئے تھے لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا (مولٰینا وعظ سے بچتے تھے) عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں مگر لوگوں نے نہ مانا آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث فقیہ و احد اشد علی الشیطن من الف عابد پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے وہاں ایک مشہور عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ بس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور کہا میں پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے

یہ کس قدر مشکل بات ہے اور بعد میں مولانا ان کے پاس آئے اور پوچھا کیا غلطی ہوئی کہا اشد کا ترجمہ اضر ہے نہ کہ اثقل۔ مولانا نے کہا حدیث کیفیت وحی میں بھی یہ لفظ ہے۔ ویاتینی احیانا

کصلصلۃ الجرس وھو اشد ھا علیّ وہاں اضرّ کا ترجمہ کیسے بنے گا۔ بس ان عالم صاحب کی یہ حالت کہ رنگ فق تھا اور سر سے پیر تک عرق میں ڈوبے ہوئے تھے (یہ قصہ مولوی مرتضے حسین صاحب کی زبانی ہے)

مولوی محمود حسن صاحب کا ایک اور قصہ بابت تواضع

ایک حکایت مولانا کی خود میری دیکھی ہوئی ہے وہ یہ کہ مولانا ہمارے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں جلسہ دستار بندی میں تشریف لائے میں نے وعظ کیلئے عرض کیا۔ فرمایا مجھے وعظ کہنا نہیں آتا۔ میں نے کہا حضرت وعظ تو کہنا ہی پڑیگا۔ فرمایا تمھارے وعظ سے لوگ مانوس ہیں اور پسند کرتے ہیں تمھارا وعظ ہونا مناسب ہے، اور میرے بیان سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس سے میرا کچھ نہیں جائیگا۔ تمہاری اہانت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے بے علم ہیں۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت اس سے ہمارا فخر ہوگا۔ کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔

فرمایا ہاں اس طرح فخر ہوگا۔ کہ لوگ کہیں گے یہ استاد سے بھی بڑھ گئے غرض مولانا نے وعظ کو منظور فرمالیا اور بیان شروع ہوا۔ مولانا کا علم سبحان اللہ پھر مجمع طلباء وعلماء کا مولانا کی طبیعت کھلی ہوئی تھی اور مضامین عالیہ بیان ہورہے تھے اتنے میں مولانا لطف اللہ صاحب علی گڈھی تشریف لے آئے۔ پس ایک دم مولانا بیٹھ گئے اور وعظ قطع کردیا۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت دریافت کیا کہ یہ بات کیا تھی فرمایا اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں کہ علم کیا چیز ہے تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا۔ میں نے قطع کردیا۔ سبحان اللہ یہ لوگ کیسے بے نفس ہیں۔

راحت رسانی ہی ادب ہے

بعض لوگ حد سے زیادہ تہذیب اور ادب کا برتاؤ کرتے ہیں اس پر فرمایا حضرت والا نے کہ اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت یہ تو آپ کے اخلاق ہیں۔ مگر خادموں کو تو تہذیب اور ادب ہی چاہئے۔ فرمایا راحت رسانی مقدم ہے ادب پر یہی ادب ہے۔

دیوبندیوں کے اخلاق

علماء کے اخلاق کا ذکر ہوا تو فرمایا ہماری طرف کے علماء کو حق تعالیٰ نے بڑے اخلاق دیئے ہیں

اور ایک سے ایک زیادہ ہیں اس مجمع میں تواضع میں سب سے زیادہ مولانا قاسم صاحب مشہور تھے۔ مگر مولانا محمد یعقوب صاحب کا بھی ایک عجیب قصہ ہے کہ ایک دفعہ مہتمم سے ناخوش ہو کر خفا ہو کر نانوتہ جانے لگے۔ سواری نہ ملی نانوتہ کا ایک دھوبی سلام کرنے آیا جو گدھے بھی ساتھ لایا تھا وہ گدھا مانگا اور ان پر کتابیں لاد کر خود بھی ان کے ہمراہ کہیں سواری کہیں پیادہ چل دیئے۔

تیز مزاجی اور چیز ہے اور کبر اور

(تیزی اور چیز ہے اور کبر اور مولانا تیز مزاج تو بہت تھے ہر شخص مولانا سے ڈرتا تھا مگر کبر چھو بھی نہیں گیا تھا دیکھے کبر ہوتا تو ایسا کیوں کرتے یہ ہمارے مولانا کی حالت تھی۔ ان حضرات میں اخلاق رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے تواضع کرتے تو بلا اس وسوسہ کے کہ ہم میں تواضع ہے۔ نہ بناوٹ اور تکلف سے بلکہ یہ اخلاق ان کی جبلّت ہی میں داخل تھے کہ ان سے ان کے خلاف قصد سے بھی ہونا مشکل تھا۔

اختلاف نفسانیت اور ترفع سے ہوتا ہے

یہی وجہ ہے کہ ان میں آپس میں اختلاف نہ تھا کیونکہ اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع سے ہوا کرتا ہے۔ اور اس سے ان حضرات کو مس بھی نہ تھا۔ نہ آجکل کے لوگوں کی طرح کہ اگر کسی میں کچھ اخلاق ہیں بھی تو بنائے ہوئے اور تکلف کے ساتھ چپکائے ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی موقعہ پڑتا ہے تو سب ندارد ہو جاتے ہیں۔ اور جبلّت اصلیہ کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ دیکھ لیجئے ذرا، ذرا بات پر ہم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

۱۳ مادۂ اختلاف بدترین عیب ہے

فرمایا طبائع میں تفرد کا مادہ بدترین عیوب ہے عوام تو عوام میں تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ علیحدہ ہو جانا علماء سے بڑوں کے لئے بھی برا ہے۔ خود رائی سے آدمی ایسی غلطیوں میں پڑتا ہے۔ جو قابل مضحکہ ہوتی ہیں اچھے اچھوں کو دیکھ لیجئے۔ جہاں ان میں خود بینی اور خود رائی آئی اور عقل وصلاح رخصت ہوئی

کشف پر مدار رکھنا غلطی ہے

ایک بڑی جگہ دیکھا کہ وہاں اس تفرد کی بدولت کشف کا ایسا اعتبار ہوا ہے کہ ہر کام کشف پر

ہوتا ہے حتی کہ غزل ونصب ملازمین اور ترقی وتنزل وغیرہ بھی حدیث میں ہے۔ ان الشیطان یا خذ القاصیہ اور یہ اعتماد کتنی بڑی غلطی ہے گو لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں کہ ہر کام باذن الٰہی ہوتا ہے۔ مگر کشف کبھی شیطانی بھی تو ہوتا ہے اس کو امر الٰہی سمجھ لینا کس درجہ کی غلطی ہے۔ ایک ذی علم اور مستند شخص سے ایسا ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ یہ اسی خودرائی اور تفرد کے نتائج میں سے ہے۔ بھلا کس پر اطمینان کیا جائے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ مردوں کا اتباع کرو۔ کیونکہ زندہ آدمی کی طرف سے فتنہ کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا

دیوبندیوں میں اتقاء محدثیت تفقہ علم سب ہے

یوں دیکھا ہے (گواس پر کوئی دلیل قطعی تو نہیں ہے مگر صحیح ہے) کہ بے غبار اگر ہے تو یہ ہماری اسی مجمع اتقا محدثیت تفقہ علم وغیرہ ماشاءاللہ سب اس مجمع میں موجود ہیں۔

موضع اختلاف میں احوط پر عمل بہتر ہے۔

فرمایا موقعہ اختلاف میں احوط پر حتی الامکان عمل کرنا بہتر ہے۔ مثلاً مس مراءۃ کے بعد حذراً عن الاختلاف تجدید وضو بہتر ہے اس پر پوچھا گیا کہ اگر مقتدی شافعی ہوں اور امام حنفی ہو تو اسکو مس مراءۃ کے بعد وضو کرنا چاہیے۔ تو کیا اس صورت میں ترک تقلید جائز ہوگا۔

فرمایا اس خاص صورت میں واجب ہے تا کہ ان کا اقتداء صحیح رہے اور اس کو ترک تقلید نہیں کہتے۔ عمل بالاحوط کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مس مراءۃ کے بعد وضو نا جائز تو نہیں ہے ہاں ضروری نہیں اور یہ متاخرین کے قول پر ہے اور متقدمین کے قول پر اقتداء بالمخالف غیر مرائی للخلاف میں وسعت ہے۔ حضرت والا کو ایک شخص پالکی میں کہیں لے گئے اور عین مغرب کے وقت واپس لائے پالکی میں سے اترتے وقت ایک روپیہ حضرت والا کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس وقت تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ روپیہ مجھ سے لے لیا جائے میں اس کو ڈھونڈ لوں گا۔ فرمایا اسکی کیا ضرورت ہے جاتا رہا۔ جانے دیجئے۔ اگر ملجائے تو میرے پاس منی آرڈر کر کے بھیج دیجئے گا۔ عرض کیا فیس منی آرڈر کون دیگا۔ فرمایا اسی میں سے دے دیجئے گا۔ پندرہ آنہ میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ یہی آرڈر قنوج میں حضرت کے پاس پہنچا۔

۲۹ صفر ۱۳۳۵ھ روز سہ شنبہ

روانگی بجانب الٰہ آباد

شب سہ شنبہ مغرب کی نماز مئو میں ہوئی اور تجویز ہوئی کہ کھانے اور نماز عشاء سے فراغت پاکر ذرا دیر کو سور ہیں اور ا بجے شب کی گاڑی سے الٰہ آباد روانہ ہوں۔ عشاء میں مجمع بہت تھا۔ بعد اس کے جلدی کے ساتھ زائرین سے رخصت ہوکر تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ اور ریل کے وقت اسٹیشن پر پہنچے۔

امامت کرے تو تطییب قلوب مومنین کیلئے

ریل میں بیٹھ چکے تھے امامت کا ذکر ہوا کہ اس سے بچنا بہتر ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ عیب پیدا ہوتا ہے ہی۔ فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو مستحق سمجھ کر امامت نہ کرے بلکہ تطییب قلوب مومنین کے لئے کرے کہ چند آدمی امام بناتے ہیں ان کے کہنے کی تعمیل کرتا ہوں۔

آیت اتامرون الناس کا مطلب

نیز قبل روانگی ریل ایک شخص نے سوال کیا کہ آیت اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کا مطلب کیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جسکے اپنے اعمال درست نہ ہوں اسکو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرنی چاہیے۔ فرمایا یہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آمر بالبر کو ناسی نفس نہ ہونا چاہیے ورنہ امر بالبر ضروری چیز ہے اور کچھ نہ کچھ نفع اس سے ضرور ہوتا ہے سامع کو تو ہوتا ہی ہے آمر کو بھی ہوتا ہے میرا تجربہ ہے کہ جس بات کی میں اپنے آپ میں کسر پاتا ہوں اس کا وعظ کہہ دیتا ہوں بس اسی دن سے وہ کام شروع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ شرم آتی ہے کہ میں لوگوں کو اس کی تعلیم کر چکا ہوں اور میں اس سے خالی ہوں۔ ا بجے شب کے ریل مئو سے چھوٹی لائین میں براہ بنارس روانہ الٰہ آباد ہوئے بروقت روانگی ریل کی گاڑی مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت والا کے لئے ایک بینچ پر بستر کردیا گیا۔ اور خدام لیٹتے بیٹھتے رہے۔ احقر اور خواجہ عزیز الحسن صاحب اسباب رکھنے کی بینچ پر جو دو، دو درجوں کے درمیان میں تھی لیٹ گئے۔ حضرت والا نے دیکھکر فرمایا مجھ سے تو اس پر کبھی نہ لیٹا جائے اس میں تو قبر کا لطف آتا ہوگا۔ صبح کی نماز کی تیاری اول وقت سے کی۔ مگر پانی کہیں نہ ملا۔ بالآخر بنارس کے اسٹیشن پر متوسط وقت پر پہنچے پانی وہاں بھی بروقت ملا۔ اور وقت نہایت سرد تھا۔ اور پانی بھی نہایت ٹھنڈا ملا۔ اسی سے سب نے وضو کیا،

گاڑی تقریبا سب خالی ہوگئی۔ اس وقت حضرت کے ساتھ ہم چار خدام تھے۔ احقر اور مولوی عبد الغنی صاحب اور مولوی محمد اختر صاحب اور خواجہ عزیز الحسن صاحب۔ قبلہ کی سمت بائیں جانب کو قریب ۴۵ درجہ کے منحرف تھی۔ جماعت کے لئے یہ تجویز ہوئی کہ درمیان کے ایک درجہ میں دونوں بنچوں کے درمیان میں حضرت والا کھڑے ہو جائیں اور داہنی، بائیں ہر درجہ میں ایک ایک مقتدی کھڑا ہو جائے۔

احقر نے عرض کیا جب حضرت درمیان میں ہیں اور قبلہ بائیں جانب کو منحرف ہے تو جو مقتدی بائیں جانب کے درجوں میں کھڑے ہوں گے وہ امام سے آگے ہوں گے۔ فرمایا آگے کیسے ہوں گے میں تو آگے کھڑا ہوں۔ احقر نے عرض کیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت مقتدیوں سے آگے کیسے رہیں گے داہنی طرف والوں سے تو بیشک آگے ہیں فرمایا سب سے بائیں درجہ میں میں ہو جاؤں تاکہ سب لوگ پیچھے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس طرح جماعت ہوئی کہ سب سے بائیں درجہ میں حضرت والا تھے اور حضرت کی بائیں طرف اسی درجہ میں ایک مقتدی اور داہنی طرف کے درجہ میں کیچڑ تھی۔ اسی کو چھوڑ کر اس سے داہنے درجہ میں دو مقتدی اور اس سے داہنے درجہ میں ایک مقتدی تھا۔

ریل گاڑی مکان واحد کے حکم میں ہے

فرمایا حضرت والا نے ریل گاڑی مکان واحد کے حکم میں ہے تمام گاڑی میں اقتداء صحیح ہو سکتی ہے۔ بنچوں کے بیچ بیچ میں کھڑے ہوئے اور سجدہ دب کر بینچ کے نیچے کو کیا۔ اس اہتمام وغیرہ میں وقت قریب تنگ ہونے کے آ گیا تھا۔ اس واسطے صرف معوذتین پڑھیں بعد نماز حضرت والا اپنی منزل پڑھتے رہے اور خدام اپنے اپنے اوراد میں مشغول رہے۔

جائے نماز میں قرآن شریف کو لپیٹنا

مولوی محمد اختر صاحب نے پوچھا کہ جائے نماز میں قرآن شریف کو لپیٹ کر رکھدیا جائے تو کیسا ہے فرمایا جائز تو ہے مگر جائے نماز پیر رکھنے کی چیز ہے۔ اس میں قرآن شریف کو لپیٹنا سوء ادب تو ضرور ہے۔ پوچھا گیا۔ قران شریف کے اوپر اور کوئی کتاب رکھنا کیسا ہے۔ فرمایا یہ بھی سوء ادب ہے الا آنکہ قرآن شریف کی حفاظت کی غرض سے ہو۔

اس سفر میں حضرت والا نے چند ادویات بھی ساتھ لے لی تھیں اور ان کا اہتمام احقر نے اپنے

ذمہ لیا تھا صبح کو کشتہ طلا اور دواء المسک معتدل اور ماء اللحم نوش فرماتے تھے اور شام کو جواہر مہرہ اور معجون ۔

(احقر نے ایک روز عرض کیا کہ معجون لبوب کبیر میں قضیب گاؤ داخل ہے حضرت کو اس کی اطلاع ہے یا نہیں فرمایا مجھے معلوم ہے اور میں نے ان صاحب سے جنھوں یہ بنایا ہے دریافت کرلیا ہے اسمیں ڈالی نہیں گئی ہے ۔ اور ، اور بھی کوئی ناجائز چیز نہیں ڈالی گئی ہے ۔) لبوب کبیر حسب معمول احقر نے صبح کی دوا پیش کی اور عرض کیا یہ دواء المسک کس نے بنائی ہے نہایت اعلی درجہ کی ہے ۔ فرمایا یہ ایک مولوی صاحب ہیں جو مجھ سے محبت مثل بیعت کے رکھتے ہیں اور میرے شاگرد بھی ہیں ۔ شاگردی کا تعلق عجیب ہے ۔ میں وجدانی بات کہتا ہوں کہ جنہوں نے مجھ سے پڑھا ہے ان سے مجھے تعلق زیادہ ہے ۔ جیسے اولاد سے ہوتا ہے ۔ شاگرد اور مرید میں بھی فرق ہے ۔ مرید کے سامنے اپنے عیوب کھلنے کو آدمی گوارا نہیں کرتا ۔ اور شاگرد سے اس میں بھی تکلف نہیں ہوتا ۔ فرمایا محمد بن قاسم تابعی سندھ میں آئے تھے ۔

ہندوستان میں انبیاء علیہم السلام کے مزار

فرمایا کہ ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں ۔ براس ایک جگہ ہے انبالہ سے آگے بنجارہ کی سرائے اسٹیشن سے اتر کر وہاں ایک احاطہ ہے اس میں مزار ہیں نشان کل قبروں کے نہیں ہیں ۔ حضرت مجدد صاحب کو مکشوف ہوا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں ۔ ہم بھی مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم (مہتمم مدرسہ دیوبند) کے ساتھ گئے تھے مولانا نے مراقبہ کیا ۔ ان حضرات کی ارواح سے ملاقات ہوئی گنتی میں تیرہ حضرات ہیں ان میں ایک باپ بیٹے بھی ہیں ۔ باپ کا نام حضرت ابراہیم ہے اور بیٹے کا نام حذر ہے ۔ (نہ معلوم بالضاد ہے یا بالذال) مولانا نے ان کی بعثت کا زمانہ پوچھا تو ایک راجہ کا نام لیا کہ اس کے زمانہ میں ہم تھے (فرمایا حضرت والا نے یہ نام میں بھول گیا (پھر یاد آیا راجہ کرن ۱۲) اور فرمایا حضرت والا نے کہ مولانا نے مجھ سے یہ مراقبہ قصہ نہیں بیان کیا بلکہ اپنے ایک مرید سے بیان کیا انہوں نے مولانا کے داماد صاحب سے بیان کیا ۔ اور داماد صاحب نے مجھ سے بیان کیا ۔ اور ان مرید صاحب کا نام حاجی حسینی ساکن بسی ضلع سرہند ہے اور داماد کا نام ضیاء الحق ہے ۔

سلوک میں چار چیزیں ضروری ہیں مگر ان میں سے دو آجکل متروک ہیں

فرمایا سلوک میں چار چیزیں ضروری ہیں ۔ قلت طعام اور قلت منام ، اور قلت کلام اور قلت

اختلاط مع الانام ۔مگران میں سے دو آجکل متروک ہیں پیٹ بھر کر کھائے اور نیند بھر کر سوئے ۔مگر کام کرے اور وجہ اس متروک ہونے کی ضعف ہے۔

مولودشریف کا مستحسن طریقہ۔حکایت

بیان فرمائی کہ کانپور میں ایک رئیس میرٹھ کے باشندے تھے ۔وہ وہاں نہر کے ڈپٹی مجسٹریٹ بھی تھے وہ مولودشریف کیا کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے مولودشریف پڑھوانا چاہا۔میں نے عذر کیا کہ تکان ہے۔یہ جواب ان کے پاس پہنچا تو لوگوں نے کہا یہ حیلہ ہے۔اصل میں ان کو مولودشریف میں کلام ہے۔کہتے ہیں کہ اس میں خرابیاں ہیں۔

انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگر ایسا ہے کہ آپ محض مفاسد کی وجہ سے منع کرتے ہیں تو ان کو حذف کر کے نفس مولود پڑھ دیجئے۔میں نے جواب دیا وہ مفاسد دو قسم کی باتیں ہیں ایک وہ جو متعلق بیان کنندہ کے ہیں اور ایک وہ جو متعلق جلسہ کنندہ کے ہیں ۔میرے متعلق جو باتیں ہیں (یعنی تصحیح روایات وغیرہ) انکا انتظام میں کرلوں گا۔اور دوسری قسم کا انتظام آپ کرلیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیرینی تقسیم نہ ہو۔انہوں نے مان لیا۔حالانکہ پندرہ روپیہ کی مٹھائی منگا چکے تھے میرے پاس کہلا بھیجا کہ اچھا ہم مٹھائی نہ بانٹیں گے مجھے خبر مل گئی تھی کہ مٹھائی آ چکی ہے)خیال ہوا کہ آجانے کے بعد نہ بانٹنا مشکل ہے ایسا نہ ہو کہ مولودشریف پڑھوالیں اور بعد میں اوپر کے لوگ مٹھائی بانٹ دیں ۔اس وقت میں کیا کرلونگا اس واسطے میں نے کہلا بھیجا کہ مجھے اس کا اطمینان جب ہو سکتا ہے کہ مٹھائی کو مقفل کر دیا جائے اور کنجی کسی معتبر آدمی کو دے دی جائے ۔انہوں نے یہ بھی کیا میرے ہی ایک معتمد دوست کو کنجی حوالہ کر دی۔میں نے بعد مغرب عشاء تک بیان کیا اور کوئی امر منکر نہیں ہوا۔

عنوان مولودشریف ہی کا تھا۔مٹھائی بھی تقسیم نہیں ہوئی ۔یہ ایک نئی قسم کا مولودشریف ہوا ان لوگوں کی زبانیں بند ہو گئیں جو کہتے تھے کہ یہ لوگ نفس مولود ہی کے منکر ہیں۔صبح کو میں نے کہلا بھیجا کہ وہ مٹھائی اب تقسیم کر دیں جو جو اشخاص مجلس میں آئے تھے ان کے مکانوں پر بھیج دیں اور زیادہ حصہ مساکین کو دیں ۔اور اس کا ثواب حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دیں ۔وہ ایسے سمجھدار شخص تھے کہنے لگے ۔جبکہ مساکین کو دینے سے ثواب ہوگا تو کل مٹھائی مساکین ہی کو کیوں نہ دیدیجائے بس محلہ کے مساکین کو سب مٹھائی دیدی تھی حتی کہ بیان کنندگان کا حصہ بھی نہیں بھیجا۔

جزولا یتجزی کا ثبوت

فرمایا مولانا محمد قاسم صاحب نے رامپور انغانان میں وعظ کہا اس میں جزولا یتجزیٰ کا ثبوت دیا اذا وقعت الواقعة لیس لو قعتها کاذبۃ اورعلی الاعلان کہا کہ میں معقول کے تمام مسائل کو نفیاً یا اثباتاً قرآن شریف سے نکال سکتا ہوں۔ مولانا کا علم لدنی تھا اور میرا خیال یہ ہے کہ مولان میں ہیبت کے ساتھ ذکاوت بھی غالب تھی۔ مگر یہ ایسی بات ہے کہ اس سے ہمارے مجمع کا کوئی آدمی کم اتفاق کریگا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کا علم۔ اور انکے اوصاف

مولانا میں حق تعالی نے بہت سے اوصاف جمع کر دیئے تھے شرمگیں ایسے تھے کہ نکاح کے بعد کسی نے غسل جنابت کرتے نہیں دیکھا۔ سرد سے سرد موسم میں بھی قصبہ سے باہر جا کر تالاب میں نہائے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے کسی نے میرے سامنے پوچھا کہ مولانا کو یہ کمالات کس طرح حاصل ہوئے۔ فرمایا کئی سبب جمع ہو گئے۔ مولانا میں یہ کمالات یکجا ہو جانے کے ایک خلقۃً مزاج کا معتدل ہونا کیونکہ حسب سنت اللہ اعتدال مزاج سے نفس کامل فائض ہوتا ہے۔ دوسرے استاد ان کو کامل ملے جیسے مولانا مملوک علی صاحب کہ ہر فن کے محقق اور طرز تعلیم میں بے مثل تھے۔ تیسرے پیر کامل تھے۔ چوتھے قدرتی طور پر مولانا میں ادب بہت تھا۔ اور جتنا ادب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی فیضان زیادہ ہوتا ہے۔ اور پانچویں تقوی کامل تھا۔ ادب اس قدر تھا کہ اللہ کا نام لینے والے بدعتیوں سے بھی نہ الجھتے۔

مولانا محمد قاسم صاحب کا ایک قصہ بابت تواضع مہمانداری

ٹھسکہ ایک مقام ہے وہاں کے ایک بزرگ مولانا محمد قاسم صاحب کے یہاں آئے وہ اہل سماع میں سے تھے مگر دوکان دار نہ تھے۔ مولانا نے فوراً ایک روپیہ نذر کیا اور خدام سے کہدیا کہ بدعت کا ذکر مطلق نہ کرنا۔ کیونکہ مہمان کو رنج ہوگا جب کھانے کا وقت ہوا تو کھانا شاہ صاحب کو خدام سے کھلوایا اور انکے سائیسوں کو خود کھلایا (ان کے سائیس بھنگی تھے) چلتے وقت شاہ صاحب نے فرمایا کہ درویش آپ ہی ہیں اور ہم تو محض نقال ہی ہیں۔

یہ قصہ مولانا گنگوہی نے سنا تو فرمایا کہ اچھا نہیں کیا من وقر اھل بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام حدیث ہے کسی نے یہ مقولہ حضرت کا وہاں جا نقل کیا تو مولانا نے کہا۔ یہ تو بدعتی

ہیں حضور ﷺ نے تو وفد بنی ثقیف کا جو کہ کافر تھا اکرام کیا پھر یہ جواب جب حضرت گنگوہی نے سنا۔ فرمایا غور نہیں فرمایا مولانا نے اکرام کافر سے فتنہ نہیں ہوتا۔ اور اکرام بدعتی سے فتنہ ہوتا ہے۔ پھر اس شخص نے یہ خبر مولانا کو پہنچائی تو اس کو ڈانٹ دیا اور کہا جاؤ تمہیں کیا پڑی یہ باہمی تعلقات تھے ان حضرات کے اور وہ شان علم تھی۔ باہم علمی اختلاف رہا اور جب وہ بڑھنے لگا۔ فوراً اس کو روک دیا مولانا گنگوہی پر نقشبندیت کی شان غالب تھی اور مولانا پر چشتیت اور یہی چشتیت۔ حضرت حاجی صاحبؒ پر غالب تھی۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا اور حضرت میں اعتدال ہے فرمایا کیا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کمال تو اہل کمال ہی میں ہوتا ہے۔ مگر الحمد للہ ہم نے اہل کمال کو دیکھا تو ہے اور اب بھی ان کے قائم مقام حضرات غنیمت ہیں۔

چونکہ شد خورشید دمارا کرد داغ ☆ چارہ نبود برمقامش از چراغ

بعض متاخرین متقدمین سے افضل ہیں

پھر فرمایا کہ ظاہر میں ہے تو بے ادبی مگر بعضے متاخرین بعضے متقدمین سے افضل ہیں کمال کسی پر ختم نہیں۔ یہ نبوت تھوڑا ہی ہے جو ختم ہو جائے۔ مجھے مولانا گنگوہی کے ساتھ زیادہ عقیدت ہے بہ نسبت مولانا کے اور بعض لوگ اس کے برعکس خیال رکھتے ہیں۔ مولانا گنگوہی کی شان سلف کے بہت مشابہ ہے زمانہ میں متاخر ہی مگر حالات وہی ہیں۔ جو سلف کے تھے جیسے حضرت حاجی صاحب کہ اکابر سلف کی سی شان رکھتے تھے مثل جنید وغیرہ حضرات کے۔

حضرت حاجی صاحب کے بعض حالات

حضرت حاجی صاحب کو وہ حالات حق تعالیٰ نے دیئے تھے کہ نظیر ملنا مشکل ہے اور حضرت کے حالات شروع ہی سے عالی تھے۔ حضرت جوانی میں ہندوستان سے تشریف لے گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت کی شہرت امراء اور غرباء اور بیگمات تک میں ہو چکی تھی **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** حالانکہ حافظ ضامن علی صاحب وغیرہ حضرت کے معاصرین میں بھی بعض کمالات زائد تھے۔

ان حضرات کے سامنے حضرت سے کرامتیں بھی صادر ہوئی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت کے یہاں مہمان بہت سے آ گئے کھانا کم تھا۔ حضرت نے اپنا رومال بھیجدیا کہ اس کو کھانے پر ڈھانک دو۔

کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے کھالیا۔اور بچ بھی رہا۔ یہ کرامت تو کمال ہے ہی ۔دو۔ ا کمال دیکھے کہ حضرت حافظ صاحب کوخبر ہوئی تو بطور اعتراض فرمایا کہ اب کیا ہے آپکا رومال سلامت چاہ ہے۔ اب قحط تو کیوں ہی پڑنے لگا۔ اور انتقاص رزق میں جو حکمتیں ہیں اب وہ سب معطل ہو جائیں گی تو حضرت بہت شرمندہ ہوئے اور فرمایا کہ واقعی خطا ہوئی ۔تو بہ کرتا ہوں ۔ پھر ایسا نہ ہوگا یہ ہے کمال کہ جس کو لوگ کمال سمجھتے ہیں وہ ان کے نزدیک توبہ کرنے کے لائق ہے حافظ صاحب بھی بڑے شخص تھے حافظ صاحب کا ایک مقولہ ہے جسکو حضرت گنگوہی نے بے حد پسند کیا وہ یہ کہ ذکر ہوا کہ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کھانا کھاتے میں ہر لقمہ پر بسم اللہ کہے ۔اس پر حافظ صاحب فرماتے ہیں ہمیں تو طریقہ سنت زیادہ پسند ہے کہ اول میں ایک دفعہ بسم اللہ کہہ لی اور اخیر میں الحمد للہ کہے اس سے زیادہ ثابت نہیں ۔ ان حضرات کو سنت کے ساتھ کس قدر عشق ہے اور حافظ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ذکر میں ہمیں تو صرف یہ نیت اچھی لگتی ہے جس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے۔ **فاذکرونی اذکرکم** اور واقعی یہی بات ہے اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کا معتقد کبھی بددل نہ ہوگا۔

مولانا محمد قاسم صاحب میں شان ولایت کا رنگ غالب تھا اور مولانا گنگوہی میں شان نبوت کا۔مولانا محمد قاسم صاحب سے حضرت حاجی صاحب کو بہت محبت تھی اور حضرت کے پاس تو جو کوئی جاتا تھا یہی معلوم ہوتا تھا کہ سب سے زیادہ خصوصیت حضرت کو میرے ہی ساتھ ہے حضرت مرید ہر شخص کو کر لیتے تھے ۔بجز اس شخص کے جس کا پیر زندہ ہو اور اہل حق میں سے ہو۔

بی بی خیر النساء کا ذکر

حق تعالی نے حضرت کا وجود رحمت مجسم بنایا تھا۔ بی بی ایسی دی تھی کہ ان بی بی خیر النساء میں اور حضرت حاجی صاحب میں صرف فرق ذکورت وانوثت کا تھا۔ ورنہ بڑی کاملہ تھیں ۔مثنوی کی عالم تھیں ۔مثنوی انہوں نے اور حضرت نے ایک ہی بزرگ سے پڑھی تھی ۔ بیعت کے متعلق حضرت فرمایا کرتے کہ دو وجہ ہیں کہ میں کسی کو انکار نہیں کرتا ایک تو یہ کہ وہ کہیں بے جگہ نہ پھنس جائے دوسرے یہ کہ معلوم نہیں کہ عنداللہ کون بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی مجھ سے اچھا ہو اور ہاتھ میں ہاتھ دینے سے قیامت میں اس کا ہاتھ مجھ کو کھینچ لے۔ سبحان اللہ کیا تواضع ہے حضرت اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔حضرت حاجی صاحب حافظ قرآن بھی تھے (اس وقت حضرت والا پر حضرت حاجی صاحب کے ذکر کا خاص اثر تھا۔)

حضرت والا نے ریل میں منزل قران اور منزل مناجات مقبول ختم کی اور---------- خدام اپنے معمولات سے فارغ ہوئے تو ادہر ادہر کی باتیں خوش طبعی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ گیارہ ۱۱ بجے کے قریب خدام نے اسباب تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ خواجہ صاحب کا بستر بہت لمبا چوڑا اور بہت روئی دار اور موٹا تھا۔ اسکا نام حضرت والا نے خواجہ صاحب کا جہاز رکھا تھا۔ خواجہ صاحب نے بمشکل اس کو بستر بند سے باندھا۔ پھر بھی بندش اس کی سیدھی نہ ہوئی۔ تو حضرت والا فرماتے ہیں۔ دیکھئے خواجہ صاحب کے بستر کی بندش ہی بتلا رہی ہے کہ خواجہ صاحب چشتی ہیں۔ جب بستر اٹھانے لگے تو اس میں سے گھڑی نکل پڑی تو خواجہ صاحب حضرت کے اس لفظ کو یاد کر کے بہت ہنسے کہ سارے ہی کام بے ڈھنگے ہیں بمشکل تو اس گھڑی کو بستر کے اندر باندھ پایا تھا اور یہ سوچا تھا کہ ریل سے تو کسی طرح اتر جائے پھر اسٹیشن پر باندھ جوڑ لیں گے۔ مگر یہ یہیں نکل پڑی تو حضرت فرماتے ہیں۔ یہ اسقاط قبل از وقت ہوا۔

۱۲ بجے دن کے الہ آباد پہنچے۔ بعض لوگوں کو اطلاع تھی مگر ٹھیک وقت مقرر نہ تھا۔ نیز اسٹیشن کی بھی تعیین نہ تھی اس واسطے کوئی آدمی بطور استقبال نہ آسکا۔ چھوٹی لائن کے اسٹیشن پر اترے۔ اور گاڑی کر کے مدرسہ احیاء العلوم کو روانہ ہوئے۔ جب مدرسہ پر جا کر گاڑی رکی تو مولوی مسیح الدین صاحب کو اطلاع ہوئی فوراً خدام کو لیکر دوڑے آئے اور ہاتھوں ہاتھ جائے قیام پر لے گئے گاڑی کا کرایہ بارہ آنہ تھا۔ وہ جملہ اشخاص پر تقسیم ہوا۔ فی کس دو آنہ آئے حضرت والا کا حساب احقر کے پاس تھا فرمایا دو آنہ میرے بھی دیدو۔

حضرت والا نے تھوڑی دیر دوپہر کے وقت آرام فرمایا۔ اور احقر اور خواجہ صاحب مولوی اسحاق علی صاحب کو اطلاع کرنے کے لئے محلّہ کڑہ گئے اور بعد ظہر واپس آئے تجویز ہوئی کہ مہوا گاؤں میں مولوی مسیح الدین صاحب کے مکان پر چلیں۔ یہ گاؤں لب دریائے جمن دریا پار آلہ آباد سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے چنانچہ دو گاڑیاں کرایہ کی گئیں۔ اور حضرت والا اور ہم خدام اور مولوی مسیح الدین صاحب مع اپنے دو تین ہمراہیاں کے روانہ ہوئے۔ مولوی محمد اختر صاحب قنوج روانہ ہوئے اور یہ قرارداد ہوئی کہ حضرت والا جمعہ کے دن قنوج پہنچیں گے۔ اور اگر اس رائے میں کچھ تبدیلی ہوئی تو اطلاع کی جائے گی۔ عصر کی نماز مہیو میں پڑھی۔ بعد عصر حضرت والا کو زنانہ مکان میں لے گئے چند منٹ کے بعد باہر تشریف لائے اور مختلف بات چیت ہوتی رہی ایک شخص آیا کہ مجھ کو وانے (سوتے میں

ڈرنے) کا مرض ہے۔ اسکے لئے تعویز لکھا۔

یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز چہار شنبہ

شب چہار شنبہ مغرب کی نماز مہیو میں پڑھی بعد مغرب محمد اختر صاحب کو یاد کیا اور فرمایا تعلق بھی تکلیف کی چیز ہے۔

صلۂ رحم

جس وقت سے محمد اختر گئے ہیں۔ برابر اس وقت سے اسی طرح دھیان رہا۔ عشاء کی نماز مدرسہ احیاء العلوم کی مسجد میں پڑھی اور کھانا بعد نماز عشاء کے کھایا مولوی مسیح الدین صاحب نے دیگر پچیس تمیں احباب کے کھانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ فرمایا مجھے دوسروں کے ساتھ کھانے میں مزہ نہیں آتا اور یکسوئی کے ساتھ نہیں کھایا جاتا۔ لہذا ہم سب کو الگ کھلا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت والا اور خدام کو اس کوٹھری میں جس میں حضرت والا کی چارپائی تھی کھلایا گیا۔ کھانا کھاتے میں پھر محمد اختر صاحب کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ ہم سب بھائی ایک طبیعت ایک خیال ایک مزاج کے ہیں۔ یہی معلوم نہیں ہوتا کہ بھائی بھائی ہیں بلکہ باپ بیٹے معلوم ہوتے ہیں

تقسیم جائداد میں اختلاف نہ ہونا

جائداد کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے خاص خاص عزیزوں میں بھی ذرا سی بات پر لڑائی ہو جاتی ہے۔ مگر والد مرحوم کی جائداد جب بٹی تو ہم بھائیوں میں ذرا بھی اختلاف نہ ہوا گھر میں بیٹھ کر ایک گھنٹہ میں سب قصہ ختم ہو گیا۔ قرعہ نکال کر سب سے اچھا قرعہ چھوٹے کو دیدیا اور اس سے کم درجہ کا اس سے بڑے کو اور اس سے کم درجہ کا اس سے بڑے کو دیا۔ جو قرعہ محمد مظہر کو دیا گیا وہ سب سے اچھا تھا اب اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی ہے۔ نہایت عمدہ قسم کی زمین ہے۔

طمع اور حرص نہ ہو تو تقسیم میں جھگڑا نہیں ہو سکتا

خواجہ صاحب نے پوچھا اس صورت میں تساوی کہاں ہوئی اور تقسیم تساوی کے ساتھ چاہئے فرمایا سب حصے مالیت میں برابر تھے۔ مگر اس قرعہ کی زمین نوعیت میں اچھی تھی۔ ہم سب میں سے کسی میں

حرص طمع نہیں ہے۔ تقسیم کے وقت ہر شخص اس پر تیار تھا کہ اگر مجھ کو بالکل بھی نہ ملے تو میں راضی ہوں پھر منازعت کیسے ہوتی میں نے کوئی حصہ آمدنی میں نہیں لیا۔ حالانکہ بھائی اکبر علی بہت اصرار کرتے رہے کہ لے لو مگر میں نے کہا یہ ابھی بچے ہیں انکی پرورش کرو اور تعلیم پر خرچ کرو یہ تقسیم کے وقت کے حالات ہیں۔ اور اس کے بعد کے معاملات یہ ہیں کہ بھائی اکبر کے یہاں سب کچھ ہے مگر میں نے کبھی ان کے کسی بھی نوکر سے کام نہیں لیا۔

اور کبھی ایک ٹوکرہ بھوسہ تک نہیں مانگا۔ کام کے لئے اپنا نوکر رکھا۔ یا احباب سے کام لے لیتا ہوں۔ کبھی کبھی بھوسے کی ضرورت ہوتی تو مول منگایا۔ کبھی ان سے نہیں مانگا۔ مظہر کے یہاں بہلی تھی کبھی بے کرایہ اس سے کام نہیں لیا۔ آج محمد اختر سے ایک ٹکٹ لیا تھا۔ تھوڑی دیر میں واپس کر دیا وہ سب میری عادت کو جان گئے ہیں۔، کچھ چون و چرا نہیں کرتے۔

میں معاملہ ہر شخص سے بالکل صاف رکھتا ہوں۔ حتیٰ کہ گھر میں کا ایک پیسہ بھی لیتا ہوں تو ادا کرتا ہوں۔ اور اگر میرا کوئی پیسہ وہ لیتی ہیں تو میں وصول کر لیتا ہوں۔ ہاں کبھی وہ ہدیہ دیتی ہیں۔ مثلاً کوئی کپڑا اچھا ہوا اور انہوں نے مجھے دے دیا تو میں لے لیتا ہوں اور میں کبھی ہدیہ کپڑا یا اور کوئی چیز دیدیتا ہوں۔ مگر حساب کتاب صاف رکھتا ہوں۔ ہمیشہ اپنی آمدنی نصف ان کو دیتا تھا۔ اور اب جب سے میں نے دوسرا عقد کر لیا ہے ثلث دیتا ہوں۔ اسے چاہے وہ جمع کریں۔ اور چاہے زیور بنوائیں چاہے کسی کو بخشدیں جو چاہے کریں۔ میں کسی کے معاملہ میں گنجلک رکھنا پسند نہیں کرتا اور اپنے دوستوں سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ ایسا ہی کریں۔

شعر پر وجد کیوں آتا ہے

ذکر ہوا کہ شعر بھی عجیب چیز ہے اس پر وجد آتا ہے۔ فرمایا ہاں موزونیت الفاظ کا یہ اثر ہے یہ موزونیت وہ چیز ہے کہ بددوں کی آواز سے بھی اونٹ رقص کرنے لگتے ہیں اور فرمایا موزونیت الفاظ سے جو وجد آتا ہے تو کبھی وجد بھی موزوں ہوتا ہے۔ یعنی آدمی باقاعدہ ناچنے لگتا ہے۔

باسی کھانا کھالینا

صبح کو بعد نماز فجر حضرت والا نے مولوی مسیح الدین صاحب (میزبان) سے فرمایا میں چاہتا

ہوں کہ کھانا سویرے مل جائے جو کچھ رات کا بچا ہوا رکھا ہو۔ وہی کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ کھانا تازہ پکوایا اور زیادہ تر باسی لاکر رکھدیا

ایک کھانا کس کو کہتے ہیں

فرمایا منصف صاحب اکبر پور کے سامنے۔ وعظ میں طعام واحد کی فضیلت بیان ہوئی۔ انہوں نے دعوت کی تو صرف شوربا اور دہی لاکر رکھ دیا۔ اور کہا معاف کیجئے گا دو کھانے ہو گئے میں نے کہا دو سے مراد وہ دو کھانے ہیں جن میں تناسب نہ ہو۔ اور جن میں تناسب ہو وہ واحد کے حکم میں ہیں دیکھئے بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ نے من وسلویٰ اتارا یہ دو چیز ہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں ۔لن نصبر علی طعام واحد چونکہ دونوں چیزوں میں تناسب تھا اس واسطے ایک کہا پھر میں نے کہا لیجئے میں ان دونوں کو صورت میں بھی در نہیں رکھتا ہوں اور دہی کو شوربے میں ملا دیا۔ اور حضرت نے فرمایا کہ میں نے ڈھا کہ میں جہاں کھانے میں باوجود ممانعت کے گھی بہت ہی زیادہ ہوتا تھا گھی زیادہ نہ کھانے کی فضیلت ایک مرتبہ آیت سے ثابت کی تھی اس طرح کہ حق تعالیٰ نے جنت میں چار نہریں رکھی ہیں۔ فیھا انھار من ماء غیر اسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذة للشاربین وانھار من عسل مصفی اگر گھی بھی کوئی زیادہ کھانے کی چیز ہوتی تو جنت میں ایک نہر گھی کی بھی ہوتی۔ اور فرمایا میں ماش کی دال کو گائے کے گوشت میں ملا کر بڑے شوق سے کھاتا ہوں اور اس کو مسلمان دال کہا کرتا ہوں۔

قریب آٹھ بجے صبح کے تقریباً پچیس آدمیوں کا مجمع تھا ایک شخص بڑی سی ٹوپی اوڑھے ہوئے اور کوٹ پہنے ہوئے تھے ان کی وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ موٹر کے یا انجن کے ڈرائیور ہیں بولنے والے بہت تھے۔ ہر بات میں دخل دیتے تھے۔ انہوں نے اس مجلس میں ایک خان صاحب (یہ خاں صاحب غالباً عبد الباقی خاں صاحب تھے جو حضرت والا سے دیر سے باتیں کر رہے تھے اور حضرت کو ان سے خصوصیت ہے۔۱۲) کو مخاطب کر کے کہا اب میں جرات کرونگا کہ آپ سے عرض کروں کہ مولانا صاحب سے سفارش کر دیں کہ میرے وعظ کی درخواست کو منظور فرما دیں۔ ہم لوگ جاہل ہیں علماء کا رونق افروز ہونا ہماری خوش قسمتی ہے تو اس موقعہ پر بھی ہم کو فائدہ نہ پہنچے تو بڑی محرومی ہے۔ خان صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت والا نے فرمایا سفارش کا کیا موقعہ ہے یہ کام ایسا نہیں ہے جسکے لئے لوگوں کے بیچ میں ڈالنے کی ضرورت ہو ایک تو یہ کہ دین کا کام دوسرے سفارش کی ضرورت بڑے آدمیوں کے یہاں ہوتی ہے۔

ہم لوگ طالب ہیں ہمارا کوئی دربار نہیں چوکی پہرہ نہیں۔ جہاں دخل بلا سفارش کے مشکل ہو۔ اور سفارش کا بھی یہ کیا طریقہ ہے کہ میرے منہ پر ہی آپ دوسرے کو مخاطب کرتے اور واسطہ بناتے ہیں۔ جبکہ مجھ سے گفتگو براہ راست ہو سکتی ہے تو بلا واسطہ کرنا سوائے اس کے تصنع اور بناوٹ ہے اور کیا ہے۔ تصنع آجکل داخل عادت ہو گیا ہے انہوں نے اس کے چند عذر ایسے پیش کیے جن میں اور بھی تصنع ہی تصنع تھا فرمایا حضرت والا نے اس وقت تو ایک تصنع تھا اب تو بہت سے تصنع جمع ہو گئے۔ ان سب کو چھوڑ کر مجھ سے براہ راست کیوں نہیں فرماتے۔

تعجب ہے کہ آپکو اپنی غلطی اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اچھا میں براہ راست درخواست کرتا ہوں۔ اور کسی کو واسطہ نہیں بناتا۔ فرمایا اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ میری خاطر سے ایسا کرتے ہیں غلطی ہنوز تسلیم نہیں ہے کہا میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ وعظ ضرور فرمائیں۔

فرمایا اب سوال ٹھیک ہوا۔ فرمائیے کہ اتنا وقت جو تصنع سے آپ نے ضائع کیا غلطی ہے یا نہیں۔ جب سوال ٹھیک ہے تو اب میں بھی جواب دیتا ہوں کہ یہ ہمارا کار منصبی ہے۔ ہم اور کسی کام کے تو ہیں نہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہوا تو ہمارا عدم وجود برابر ہے اور جب یہ ہمارا کار منصبی ہے تو اس کے لئے کسی کی خوشامد یا سفارش کا انتظار کرنا چہ معنی۔ اگر کوئی درخواست نہ کرے جب بھی ہم کو یہ کام کرنا ہے۔ اور درخواست کرنے پر تو کسی طرح بھی اس سے انکار نہ ہوتا۔ لیکن عذر موجود ہے۔ میری طبیعت مضمحل ہے۔ یہ سفر میں نے آرام کے واسطے کیا ہے کوئی دماغی کام ہونا مشکل ہے۔ انہوں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا آپ نے اپنی ہی طرح تصنع پر میرے قول کو بھی محمول کیا ہے۔

تصنع جزو طبائع ہو گیا ہے۔ میں نے سچی بات کہدی تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوئی اور یہی سمجھا گیا کہ یہ نخرہ ہے اور خوشامد کرنا مقصود ہے۔ انہوں نے کہا میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں کہ جناب کے وعظ کا بڑا اشتیاق ہے۔ فرمایا اس کو جب میں تسلیم کرتا جبکہ آپ نے بلایا ہوتا اور یہاں پہنچ جانے کے بعد فرمائش کرنا تو بہت ہی سہل بات ہے۔ اسکی تعمیل کی جائے تو ایسے فرمائش کنندگان تو اس قدر نکل آئیں گے کہ مہینوں میں بھی ان سے نجات پانا مشکل ہے۔ اسی واسطے میرے اوپر فرمائشوں کا اثر کم ہوتا ہے کہ میں کسی کا بلایا ہوا نہیں آیا ہوں۔ اگر آپ کو شوق ہے تو مجھ کو بلائیے اور وعظ کہلوائیے۔ اس وقت کی فرمائش کا

کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ جب میں چلا جاؤں تب بلائیے۔ کہا بہت اچھا یہ بھی کرونگا جس وقت آپ روانہ ہوجائیں گے تو میں اسٹیشن سے بلالاؤں گا۔

فرمایا میں بچہ نہیں ہوں جس سے آپ بہلالیں۔ اگر بلانے کا لفظ اتنے قریب سے بلانے کو متحمل ہے تو بعید سے بلانے کو بھی متحمل ہے۔ آپ نے یہ معنی لئے کہ اسٹیشن سے بلالوں گا۔ میں یہ معنی لیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں سے بلالائیے گا۔ کبھی کلکٹر صاحب کی دعوت اس طرح نہ کی ہوگی کہ کلکٹر صاحب کہیں معائنہ کو آئے ہوں اور ان سے فرمائش کی ہو کہ کھانا کھاتے جایئے۔

فروع میں دلیل عقلی پوچھنے والوں کا الزامی جواب

بیان فرمایا کہ ایک نابینا شخص نے مجھ سے ایک فرعی مسئلہ کی وجہ پوچھی (وجہ سے مراد دلیل ہے۔)

میں نے کہا آپ بڑے محقق معلوم ہوتے ہیں آپ کو ہر بات کی تحقیق کا شوق ہے۔ اس مسئلہ فرعی کی تحقیق سے مقدم تحقیق اصول دین ہے وہ آپ غالباً کر چکے ہوں گے۔ تب تو نوبت فرع کے تحقیق کی آئی۔ اگر یہ بات ہے تو میں اصل الاصول مسائل یعنی توحید کی دلیل پوچھتا ہوں اور اس پر ملاحدہ کے شبہات کروں گا۔ ذرا میرے سامنے تو بیان کیجئے ؛؛؛؛ کیا کیا تحقیق آپ نے اس مسئلہ کے متعلق کرلی ہے اور جواب نقلی نہ دینا کیونکہ توحید کے ثبوت کے لئے دلیل عقلی چاہئے کیونکہ اسکے مخاطب غیر مسلمین نقل ہیں کہا یہ تو میں نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا ڈوب مرو کہ اصل الاصول مین تو تقلید کرتے ہو اور فرع میں تحقیق کا شوق ہوا ہے۔

بہشتی زیور پر معترض کا الزامی جواب

فرمایا ایک مرتبہ میں سہارنپور گیا۔ مدرسہ میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب پرانی فیشن کے بغل میں ایک کتاب دبائے تشریف لارہے ہیں۔ میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ بہشتی زیور پر کچھ اعتراض کریں گے اس زمانہ میں اسکا چرچا تھا۔ آکر بیٹھے السلام علیکم وعلیکم السلام کہنے لگے مجھ کو کچھ عرض کرنا ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ بہشتی زیور کا ایک مسئلہ نکال کر سامنے رکھدیا کہ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے کہا۔ اس مسئلہ کے سوا جتنے مسائل ہیں آپ کو سب کی وجہ معلوم ہے یا بعض کی معلوم نہیں۔ اگر سب کی معلوم ہے تو میں آپ کا امتحان لیتا ہوں۔ اور اگر بعض کی معلوم نہیں تو اس مسئلہ کو بھی ان ہی بعض کے ساتھ ملا لیا جائے۔ بس کھوئے گئے اور مبہوت ہوکر رہ گئے۔ دیر تک سوچتے رہے مگر کچھ جواب نہ تھا۔ بس کتاب اٹھائی

اور چپ چاپ اپنا سامنہ لے کر چلے گئے معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بہت دیر تک الجھ چکے تھے۔ مولانا اپنے اخلاق کی وجہ سے انکو مسائل سمجھا رہے تھے۔ مگر سمجھتا کون۔ اتنی لیاقت بھی تو ہو۔ مولانا کو دق کر دیا تھا۔ اور ان کی دلیری بڑھتی جاتی تھی کہ ہمارے ایسے سوال ہیں کہ ان کا حل ایسے علماء سے بھی نہیں ہوتا۔ میں جو آ گیا تو کسی نے کہا تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ خود کتاب والے ہی آ گئے ان سے پوچھو۔ یہاں آ کر یہ ان کی گت بنی۔ مولانا تعجب سے فرمانے لگے کہ تم نے تو منٹ بھر ہی میں ان کی بحث کو ختم کر دیا

علماء کے ساتھ جاہلانہ ہمدردی کا الزامی جواب

پھر تھوڑی دیر میں ایک صاحب نئی فیشن کے در آمد ہوئے۔ اسی مسئلہ کی نسبت فرمانے لگے کہ جہلاء جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان سے دل دکھتا ہے۔ ہم ایک مجمع کر دیں اپ اس مسئلہ کی وجہ بیان کر دیجئے۔

میں نے کہا آپ کو علماء سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ صرف علماء ہی کی شان میں گستاخیاں ہو رہی ہیں یا ان سے بڑھ کر ائمہ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر صحابہ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر خدا تعالی کی شان میں بھی اور بقاعدہ الاہم فالاہم آپ نے ان سب گستاخیوں کا کیا انسداد کیا ہے۔ جو آپ ہم سے علماء کے متعلق ایسی درخواست کرتے ہیں۔ آپ ان کا پہلے انتظام کیجئے پھر میں ان کا انتظام کر دوں گا۔ کہا یہ اگر نہ بھی ہو تب بھی علماء پر سے ہی اعتراض اٹھ جائیں تو کیا برا ہے۔ یہ کچھ مضر تو نہیں۔ میں نے کہا یہ امر ہے یا مشورہ اگر امر ہے تو آپ کو میرے اوپر کوئی حق امر کرنے کا نہیں ہے۔ اور اگر مشورہ ہے تو میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ آپ اپنا حق ادا کر چکے۔ اب آگے میری توفیق تشریف لیجائیے بات یہ ہے کہ آجکل کے اس قسم کے سوالات تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ صرف ایک مشغلہ ہے۔ اور علماء کے ساتھ تمسخر کرنا ہے تو کیا ضرورت ہے علماء ان کا کھلونا نہیں ان کا منہ جواب الزامی سے بند کرنا چاہیئے۔

چہلم وسویم وغیرہ رسوم بلا مصلحت ہیں

سوال: چہلم وسویم وغیرہ میں کچھ مصلحتیں بھی تو ہیں۔ فرمایا محض رسم بلا مصلحت ہے۔ (مطلب یہ ہے

کہ مصلحتیں صرف فرضی اور وہمی اور ایسی ضعیف غیر معتد بہا ہیں کہ ان کو کسی شمار میں نہیں لایا جا سکتا یوں کوئی فعل بھی حتی کہ چوری اور زنا بھی مصلحت سے خالی نہیں) کوئی وجہ ان کے مستحسن ہونے کی نہیں ہے۔
اور تفاخر اور تکبر اور سمعہ وغیرہ ان مین موجود ہیں ۔ یہ وجوہات ان کے قبیح ہونے کی البتہ موجود ہیں کون ان سے انکار کرسکتا ہے۔ پوچھا گیا ان تقریبات کے کھانے میں خبث آ جاتا ہے یا نہیں ۔فرمایا کھانے میں خبث اثر نہیں کرتا (یعنی کہ کھانے تعزیہ وغیرہ کے چڑھاوں کے حکم میں نہیں جو ما اھل بہ لغیر اللہ ہونے کی وجہ سے میتہ کے حکم میں ہیں۔

ہاں بمصلحت زجرا انکار کرے تو بہتر ہے (یعنی جہاں امید ہو کہ اس کے نہ کھانے اور کراہت ظاہر کرنے سے دوسروں پر اثر ہوگا تو نہ کھائے) اور اگر عدم قبول سے دیگر مفاسد ہوں تو مجبورا کھالے۔ آجکل بعض جگہ یہ بھی ایک بلا پھیل گئی ہے کہ کسی کو زجرا علیحدہ کیا جائے تو بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہو اور مخالفت کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے حتی کہ یہ دھمکی دیتا ہے کہ نعوذ باللہ میں آریہ ہو جاؤں گا۔ ایک گاؤں میں ایسا ہوا کہ لوگوں نے ان رسوم کو چھوڑنا چاہا اور یہ تجویز ہوئی کہ جو کوئی ان کو کرے برادری سے خارج کیا جائے۔ ایک شخص نے چہلم کیا تو لوگوں نے چاہا کہ اسکو خارج کریں۔ مگر اس زمانہ میں آریوں کا اس گاؤں میں زور تھا۔ میں نے کہا ایسا نہ کرو خدانخواستہ وہ آریہ نہ ہو جائے۔

ذکر کرنیوالے پر بحالت ذکر سلام کرنا موجب وبال ہے

فرمایا جب کوئی ذکر میں مشغول ہو تو اس کو سلام نہ کرنا چاہئیے ۔ فقہاء نے تو ایسے وقت میں سلام کرنے کو صرف مکروہ کہا ہے اور صوفیہ نے کہا ہے جو کوئی مشغول بحق کو اپنی طرف مشغول کرے ادر کہ المقت فی الوقت یعنی اسی وقت اس کا وبال اس پر آ جاتا ہے۔ ذکر میں کچھ نہ کچھ مشغولیت بحق تو ہوتی ہی ہے اگر چہ یہ مسلم ہے کہ ہمارا ذکر تو کیا چیز ہے نماز روزہ اور کوئی عبادت بھی کچھ نہیں۔ سب میں رخنے ہیں ۔مشغولی بحق ہوتی تو کیا کہنا تھا تاہم کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے ۔مشغولی کے مراتب ادنی یہ ہیں کہ شروع کے وقت نیت واسطے اللہ کے ہو یہ ادنی درجہ کا حضور ہے مگر کیا عجب ہے کہ یہ حضور بھی کافی ہو جائے اتنا بھی حضور قابل قدر ہے۔ بعض لوگ اس کو کچھ نہیں سمجھتے ہیں ۔اور ثمرات کے منتظر ہیں ۔ یہ غلطی ہے۔

۱۴

ایک شخص کا قصہ

ایک شخص ذکر کیا کرتے تھے مگر ثمرات کچھ ظاہر نہ ہوئے تو بڑے رنجیدہ ہوئے مجھ سے

شکایت کی۔ میں نے کہا کام کئے جاؤ ذکر مقصود بالذات ہے نہ بالعرض ایک رئیس صاحب تھے ان سے کچھ پرانے تعلقات تھے کسی گذشتہ کام کی تکمیل یا اس کے کسی جزو کی تحقیق کے لئے وہ رئیس ان صاحب کو بلاتے تھے۔ مجھ سے مشورہ کیا میں نے کہا ضرور جاؤ وہ محسن ہیں یہ تو صرف الفاظ تھے اور نیت میری کچھ اور ہی تھی۔

چنانچہ وہاں گئے ذکر کی مشغولی چھوٹ گئی۔ اب چاہئے تھا کہ جس چیز کو بیکار سمجھتے تھے اس کے چھوٹ جانے سے ان کو چین آتا۔ مگر دو ہفتہ گذرے تھے کہ ایک لمبا خط آیا پریشانی کا کہ میں سخت پریشان ہوں سفر میں سب معمول چھوٹ گیا۔ میں نے جب کہا کہ ذکر بلا ثمرات آپ کے نزدیک کچھ نہ تھا تو اس کے چھوٹ جانے سے پریشانی کیوں ہے۔ بس مطمئن ہو گئے۔ اور مجرد ذکر کی ہی قدر سمجھ گئے۔ ادنیٰ درجہ کا حضور بھی حاصل ہو تو بڑی چیز ہے اور شکایت اور ناشکری کا منشاء کبر ہے کہ دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میں تو اس سے زیادہ مستحق تھا اتنا مجھے کیوں ملا۔ حالانکہ سمجھنا یہ چاہئے کہ میں اس کا بھی مستحق نہ تھا۔

غلو نے امت محمدیہ کو تباہ کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے کسی نے شکایت کی کہ ذکر کرتے ہیں۔ مگر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو فرمایا کیا یہ فائدہ نہیں کہ ذکر کرتے ہو

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم ☆ حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

کام کئے جائیے اس کی برکت سے ترقی ہوتی ہے جیسے کوئی خوشخطی سیکھنا چاہتا ہے تو اس کو لکھنا چاہئے پہلے کیسا بد خط ہوتا ہے مگر لکھنے سے کبھی نہ کبھی خوشنویس ہو جاتا ہے۔ اگر لکھے گا نہیں تو خوشنویسی کیسے آوے گی۔ خوشنویسی آنے کی تدبیر یہی ہے کہ بدخطی شروع کی جائے یہی بدخطی ایک دن خوش خطی ہو جائے گی جس مرتبہ کا کوئی طالب ہے وہ شروع میں کیسے ہوگا۔ وہ تو اس پر موقوف ہے یہ الٹی چال کیسی۔

ریل میں رکوع سجدہ نہ کر سکے تو نماز کیسے پڑھے۔

سوال۔ ریل میں اگر ایسی بھیڑ ہو کہ کسی طرح رکوع وسجدہ نہ کر سکے تو نماز بلا رکوع وسجدہ کے پڑھ لے یا نہیں۔؟ فرمایا یہ صورت صرف فرضی ہے۔ ہم نے بھی لمبے لمبے سفر ریل میں کئے ہیں۔ کبھی ایسا موقعہ نہیں ہوا کہ رکوع وسجدہ کی جگہ نہ ملی ہو نماز کے اوقات ممتد ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل بعید ہے کہ شروع وقت سے اخیر تک دو رکعت پڑھنے کا بھی موقعہ نہ ملے۔ اور خیر اگر یہ صورت واقع ہی ہو جائے تو مسئلہ یہ

ہے کہ جب نماز پر قدرت نہ ہوتو مشابہت بالمصلی بھی کافی ہے پھر اعادہ کرے۔

دین میں سختی کرنا نادانی ہے

یہ گنجائش اس واسطے دی گئی ہے کہ تشدد کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ نماز قضاء کریں گے۔ نماز کی ضرورت سے ترک ریل تو کوئی کریگانہیں ترک صلوٰۃ ہی کریں گے۔ سفر کی نماز میں تشدد نہ چاہئے۔ سفر میں جوکوئی فرض بھی ادا کرے تو بڑی ہمت ہے۔

ریل کے سفر میں لوگ کہتے ہیں کہ بڑی آسانی ہے مگر پابندی کرنے والوں سے پوچھئے۔ بعض ایسی دقت ہو جاتی ہے کہ فرض کا ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے میرا تو قول یہ ہے کہ نادانی ہے سختی کرنا دین کے اندر اور قاعدہ کلیہ مسئلہ مذکور کے متعلق یہ ہے کہ اگر حبس من العباد کی وجہ سے ارکان نماز نہ ہوسکیں تو جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ مگر اس کا اعادہ واجب ہے اور حبس من العباد مانع ارکان نہ ہوتو نماز ہو جائے گی اور اعادہ بھی واجب نہ ہوگا (مثلاً کسی نے ظلماً کسی کو ستون سے باندھ دیا۔ اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اسی طرح نیت نماز کی کر کے جو رکن ادا ہو سکے مثلاً قراءت وغیرہ وہ ادا کرے اور بعد میں قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر مرض کی وجہ سے وہ ارکان ادا نہیں کر سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور قضاء واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اول صورت میں مانع از جانب بندہ ہے اور دوسری صورت میں از جانب صاحب حق۔ فرمایا انقلاب جبلت ناممکن ہے ہاں انسان ضبط کر سکتا ہے اور اسکا مکلّف ہے (مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی طبیعت میں مثلاً حرص مال خلقۃً رکھی گئی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ حرص مال اس کی طبیعت میں نہ رہے۔ ہاں یہ اختیاری ہے کہ اس کو مرتبہ فعل میں نہ آنے دے اور کوئی فعل ناجائز نہ کرے) اور چند روز بطور مجاہدہ کرنے سے اس میں سہولت ہو جاتی ہے۔ مجاہدہ کا خاصہ لازمہ سہولت ہے۔ اور اس بتکلف بچنے سے اجر ملتا ہے۔ اور عادت بھی کبھی طبیعت اور جبلت بن جاتی ہے اس کا چھوٹنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

ایک چور کا قصہ ہے کہ اس نے ایک بزرگ سے بیعت کی اور چوری سے توبہ کی۔ مگر جب مسجد میں آتا تو دل میں گدگدی اٹھتی کہ جوتے چرانے چاہیں۔ مگر دل مار کر رہ جاتا۔ اور یہ کرتا کہ جوتے گڑ بڑ کر دیتا۔ ادھر کے ادھر، ادھر کے ادھر کسی نے کہا یہ کیا حرکت ہے۔ تو کہا چور چوری سے گیا ہیرا پھیری سے تو نہ جائے۔ اس پر پوچھا گیا کہ کیا چوری اخلاق میں سے ہے فرمایا نہیں۔ بلکہ از جنس افعال ہے ہاں منشاء اس کا یعنی حرص از جنس اخلاق ہے۔ اور یہ خلق سب میں کچھ نہ کچھ ہے ضرور بالضرور الا ماشاء

اللہ اور کیوں نہ ہو حق تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ الآیۃ آیت میں ثابت ہے کہ حرص انسان کی خلقت میں داخل ہے۔ ہاں کسی میں متعلق بالمال ہے اور کسی میں بالنساء وغیرہ وغیرہ تو اس سے مستثنیٰ تو کوئی آدمی بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاں کمی وبیشی کا فرق ہوسکتا ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی اس کو بیجا موقعوں سے رو کے رکھے اور یہ امر اختیاری ہے اور اختیار پر مدار تکلیف کا ہے اور حرص کو داخل طبیعت کرنے میں مصلحتیں ہیں کیونکہ اگر مال کی طرف اور دیگر ضروریات کی طرف میلان نہ ہوتا تو اس کا اکتساب کیسے ہوتا تھوڑی حرص کی بھی ضرورت ہے اور بخل کی بھی اور ان کے اضداد کی بھی۔

اخلاق کی ماہیت کے جاننے سے معالجہ میں سہولت ہوتی ہے

علماء فن نے اخلاق سے یہ تفصیل بحث کی ہے اور اخلاق کی فہرست لکھی ہے اخلاق کبھی مفرد ہوتے ہیں اور کبھی متعدد اخلاق سے ایک خلق پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ غضب کی اصل کبر ہے اور فرع حقد تو غضب اور کبر اور حقد میں یہ تعلق ہوا کہ کبر اصل الاصول ہے اور غضب اس کی فرع اور حقد اس غضب کی فرع اس کا علم ہونے سے معالجہ میں آسانی ہوتی ہے۔ بعض وقت ایک خلق کا علاج کیا جاتا ہے۔ اور نفع نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو اس کی اصل ہے وہ موجود رہتی ہے اس کے علاج کی طرف خیال نہیں جاتا۔ اس واسطے نفع نہیں ہوتا۔ اور بعض وقت مرض موجود کا علاج نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی اصل کا علاج کیا جاتا ہے۔ جو ظاہرا بالکل خلاف ہوتا ہے۔ اور ظاہر میں لوگ اس علاج کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مگر اس سے نفع مرض موجود کو بھی ہو جاتا ہے اس وقت سب حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ یہ کیسے ہوگیا۔ فن کے جاننے کے نتائج ہیں۔

اخلاق مذمومہ کا بھی بالکل ازالہ نہ چاہئے

اخلاق کے متعلق تحقیق یہی ہے کہ بالکل ازالہ اخلاق مذموم کا بھی نہ چاہئے ورنہ ان کی منفعت تخلیق باطل ہوتی ہے کبر سب جانتے ہیں کہ برا ہے۔ مگر اس کا بھی بالکل ازالہ نہ چاہئے وہ بھی بقدر ضرورت محمود ہے۔ یعنی وہ کبر جو اپنے مصرف میں صرف ہو۔ دیکھیے حضور ﷺ سے رجز کے کلمات منقول ہیں۔ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب اسی معنی کر کہا ہے

اے بسا امساک از انفاق بہ ☆ مال حق راجز بہر حق مدہ

یہ حضرت حاجی صاحب کی تحقیق ہے اخلاق ذمیمہ کا ازالہ نہیں کرتے امالہ کرتے ہیں اگر ازالہ ہو جائے تو پھر ان کے پیدا کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس کی مثال انجن کی آگ کی سی ہے۔ آگ کو بجھانا نہیں چاہئے ورنہ پھر جلانے کی ضرورت ہوگی۔ آگ کو رکھ کر کل کو سیدھی کر دو یہ امالہ ہے۔

لطیفہ اخلاق جبلی پر عمل نہ کرنا اختیاری ہے

خواجہ صاحب نے پوچھا بد انتظامی بھی جبلی ہے فرمایا درجہ میں خلق کے جبلی ہے مگر اس کے مقتضاء پر عمل کرنا تو جبلی ہے۔ بقراط کا قصہ ہے کہ اس کے زمانہ میں ایک شخص ایسا قیافہ شناس تھا کہ تصویر دیکھ کر اخلاق معلوم کر لیتا تھا چنانچہ بقراط کی تصویر دیکھ کر اس نے کہا یہ کس زانی کی تصویر ہے۔ یہ خبر بقراط کو پہنچی تو کہا

،، از قیافہ اخلاق معلوم می شود نہ افعال خلق میل بہ زنا

بیشک در من ست لیکن عفیف ام،،

مطلب یہ ہے کہ میل بز نا درجہ میں خلق کے تو جبلی ہے اور غیر اختیاری ہے۔ مگر درجہ میں فعل اور اکتساب کے اختیاری ہے۔ چنانچہ میں اس سے بچا ہوا ہوں۔

ایک جگہ سے الہ آباد کے امردو، اور سنترے اور کیلا کی پھلیاں اور انگور آئے۔ بعد ظہر حضرت والا نے اپنے ہاتھ سے چھیل چھیل کر کھائے اور کھلائے۔ بعد عصر سید اکبر حسین صاحب جج کے مکان پر گئے۔

تقریباً مغرب سے پاؤ گھنٹہ پہلے پہنچے، اور ارادہ یہ تھا کہ مغرب کی نماز کے واسطے اٹھیں گے تو جج صاحب سے رخصت ہو لیں گے۔ لیکن جج صاحب علماء سے نہایت عقیدت اور محبت رکھنے والے ہیں۔ اور سخنور فاضل ہیں۔ انہوں نے اس قسم کی باتیں چھیڑ دیں کہ ان کا سلسلہ ختم ہی نہ ہوا ۔اور درخواست کی کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔

اور مسجد میں جانے کی مجھ میں ذرا طاقت نہیں اگر یہیں پر جماعت کر لیجئے تو میں بھی شریک ہو جاؤں اس کو حضرت نے منظور فرمالیا۔ اور کوٹھی میں جماعت ہوئی۔ جس میں تقریباً چودہ پندرہ آدمی شریک تھے۔

۲ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ روز جمعرات

بعد نماز مغرب حضرت والا نے اجازت چاہی تو جج صاحب نے فرمایا تھوڑی مٹھائی منگائی ہے ذرا توقف کیجئے تقریباً پندرہ منٹ میں مٹھائی دو سینیوں میں آئی۔ پھر خدمت گار سے فرمایا اس کو مٹی کی دو ہانڈیوں میں کردو۔ تاکہ ہمراہ لے جانے میں دقت نہ ہو۔ اس میں تخمیناً ایک گھنٹہ لگا۔ ادھر جج صاحب نے کچھ شعر و شاعری اور لطافت و ظرافت شروع کردی جس سے حضرت اور خدام کو اور جملہ حاضرین کو محو کر لیا غرض باوجود جلدی کرنے کے جج صاحب نے بلطائف الحیل حسب دلخواہ وقت لے لیا۔ جج صاحب نے فرمایا کہ آجکل زمانہ کی رفتار یہ ہے کہ جو کوئی اسلامی مدرسہ میں جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ عربی پڑھ کر کیا کرو گے (یعنی زندگی کیسے بسر کرو گے۔)

علم دین کو ذریعہ معاش بنانا ٹھیک نہیں

فرمایا حضرت والا نے یہ خرابی اس کی ہے کہ لوگ عربی کو ذریعہ معاش بناتے ہیں۔ اس علم کو تو جو کوئی پڑھے تو مقصود اصلاح نفس ہی ہونا چاہئے پھر یہ سوال پیدا نہ ہوگا۔ رہی معاش کی بات سو اس کے لئے کچھ اور ہی ہونا چاہئے تجارت زراعت، حرفت وغیرہ اور عربی کو ذریعہ معاش بنانے کے قصد سے پڑھنا ٹھیک نہیں

صدقات سے غیر مسلم کیساتھ سلوک کرنا کیسا ہے۔ مع ایک شبہ و جواب

سوال؟ خیر خیرات سے غیر قوموں کے ساتھ سلوک کرنا درست ہے یا نہیں؟ فرمایا مسلم اور غیر مسلم میں اول وجہ ترجیح حاجت ہے مثلاً ایک کافر مرا جاتا ہے اور ایک مسلمان بھی موجود ہے جس کو اتنی حاجت نہیں تو چاہئے کہ مسلمان کو چھوڑ کر اس کافر کو کھلایا جائے۔

پھر فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے کہ صدقات واجبہ میں تو اہل اسلام ہی کی تعیین ہے وہ تو غیر مسلم کو دینے سے ادا ہی نہیں ہوتی اور صدقات نافلہ میں حاجت پر مدار ہے۔ ﷺ منع فرمانا چاہتے تھے کہ صدقات مطلقاً غیر مسلم کو نہ دیئے جائیں۔ یہ آیت اتری **لیس علیک ھدٰھم و لٰکن اللہ یھدی من یشاء الی قولہ تعالی علیھم** اس سے حضورؐ نے ارادہ ملتوی فرمادیا۔ فرمایا حضرت والا نے کہ اس میں سوائے پرہیزگار کے بھی اطعام طعام سے نہی ہے تا بکا فرچہ رسد۔ جواب یہ ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ

اس طعام سے مراد طعام دعوت ہے نہ طعام حاجت۔ حاجت کے وقت ترجیح اہل حاجت کو ہے مسلم ہو یا غیر مسلم! یہ اسلام کے صدق اور غیر متعصب ہونے کی دلیل ہے کہ کافر جو مسلمانوں کا دشمن ہے اسکو کھلا دیں مجاہدہ اسی کو کہتے ہیں۔

جج صاحب کے یہاں سے رخصت ہوکر مولوی محی الدین صاحب کے یہاں گئے اور پندرہ بیس منٹ ٹھہر کر رخصت ہوئے۔ اس وقت کا کھانا عبدالباقی خاں صاحب کے یہاں تھا۔ تقریباً پندرہ آدمی کھانے میں تھے خاں صاحب نے خوب جی بھر کر تکلف کیا تھا اور اقسام اقسام کے کھانے تیار کرائے تھے اور نہایت لذیذ کھانے تھے خصوصاً ایک حلوہ تو نہایت ہی لذیذ تھا۔ حضرت والا کو تکلفات سے مطلق دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر بخیال دل شکنی کچھ نہ فرمایا بلکہ تعریف کر کے کھاتے رہے۔

قرآن شریف کو بلا وضو کافر کا ہاتھ لگنا کیسا ہے

کھانے کی مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا کہ قرآن شریف کو کافر کا ہاتھ بے وضو لگنا کیسا ہے فرمایا ظاہراً تو کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ کفار مکلف فروع کے نہیں ہیں۔ گو ادب کے خلاف ہے۔ کہ مسلمان قرآن شریف کو کافر کے ہاتھ میں دیدے۔ پھر ذرا دیر کے بعد فرمایا اسکی دلیل بھی سمجھ میں آ گئی وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا والا نامہ ہرقل کے پاس جب گیا تو اس کے ہاتھ میں دیدیا گیا۔ حالانکہ اس میں آیت بھی لکھی ہوئی تھی۔ یا اهل الکتب تعالوا الی کلمته الآیہ۔

اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آیت کے ساتھ اور مضمون بھی تھا۔ کیونکہ اور مضمون بہت ہی تھوڑا تھا۔ جو قابل شمار نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ہرقل باوضو نہ تھا بلکہ عجب نہیں کہ جنبی بھی ہو اس سے ثابت ہوا کہ کافر کا ہاتھ بلا وضو لگنا جائز ہے۔ ہاں بلا ضرورت طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی۔

سفر میں سنتیں پڑھنا چاہیں یا نہیں

سوال سنن رواتب کا سفر میں پڑھنا ضروری ہے یا نہیں فرمایا بحالت سفر یعنی راستہ میں چھوڑ دینا جائز ہے۔ سوائے سنت فجر کے جب مقام قیام پر ہو تو نہ چھوڑے۔

کھانا کھا کر قریب کی ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ جس کی مرمت ہو رہی تھی اور بعض لوگ بالقصد اس کے دکھلانے اور دعا کرانے کیلئے حضرت کو وہاں لے گے تھے۔ بعد نماز عجلت کے ساتھ مدرسہ

احیاء العلوم میں پہنچے اور سو رہے صبح کو تین بجے اٹھ کر کانپور کی روانگی کی تیاری ہوئی سوائے بستر وں کے جملہ اسباب رات ہی کو تیار کر لیا تھا۔ بستر ے اس وقت لپیٹ کر روانہ ہوئے اور چار بجے کے قریب ٹرین چھوٹ گئی ۔اصحاب ذیل ساتھ تھے۔ مولوی مسیح الدین، خواجہ عزیز الحسن صاحب، مولوی عبدالغنی صاحب، احقر منشی الٰہی بخش صاحب، مفتی محمد یوسف صاحب انہیں اصحاب میں سے ایک نے اپنا حال حضرت سے کہا کہ کل کی رات اور آج کا پورا دن میری ایسی بری حالت میں گزرا ہے کہ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ مدت ہوئی کہ ایسی پریشانی جب تھی یا آج ہوئی یہ معلوم ہوتا تھا کہ قلب میں ایمان ہی باقی نہیں رہا۔ میں حضور کے ساتھ تھا لیکن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا کہ کیوں اپنا وقت ضائع کیا اس سفر سے کیا حاصل ہوا۔

حالانکہ بعد تمنائے بیسار یہ موقعہ ملا اور بڑے شوق سے میں نے اس سفر کو شروع کیا تھا۔ ایسے وقت میں کہ بہت سے قوی مانع بھی موجود تھے۔ بری حالت پا کر دل میں ایک ہول سی اٹھتی تھی۔ اور کہتا تھا الٰہ العالمین کیا ہوتا ہے۔ کیا میری قسمت میں گمراہی لکھی ہے۔ کبھی قلب کی حالت کچھ ہوتی تھی۔ اور کبھی کچھ ایک عجیب کش مکش تھی۔ جس کے بیان کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

فوت جماعت کا وبال۔ دنیا دار کی صحبت کا اثر

بہت سوچا یہ کیا ہوا مگر سمجھ میں نہ آیا۔ بار بار دعا مانگتا تھا۔ مگر کچھ نہ ہوتا تھا۔ آخر بہت غور کے بعد دو باتیں سمجھ میں آئیں ایک یہ کہ ایک وقت کی جماعت بلا وجہ محض سستی کے کھودی تھی۔ دوسرے ایک شخص سے ملنے گیا تھا۔

جن پر دنیا غالب ہے۔ حالانکہ اُن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ مگر جس وقت ان کے مکان پر پہنچا تھا۔ اسی وقت سے دل میں ایک اضطراب اور حب دنیا پیدا ہو گئی۔ بعد ازاں جماعت فوت ہوئی۔ بس یہ معلوم ہوا کہ حالت بالکل دگرگوں میں اسکو معمولی قبض سمجھا۔ مگر ذرا سی دیر میں بڑھ کر وہ کیفیت ہوئی کہ حق تعالیٰ دوبارہ نہ دکھلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص خود مجھ سے ملنے کو آئے میں قصداً اُن کے سامنے اس زمین پر بیٹھ گیا جہاں جوتے رکھے جاتے تھے انہوں نے کہا یہ بھی جگہ بیٹھنے کی ہے میں نے کہا کیا حرج ہے؟ غرض وہ حالت قلب کی بڑھتی گئی حتی کہ میں نے چند نوافل پڑھ کر استغفار کیا اور عہد کیا کہ اب ان باتوں کا میں بہت خیال رکھونگا۔ بس خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ بری حالت ایک دم رفع ہو گئی۔ اب میں درخواست کرتا ہوں کہ حضرت والا خطا وصواب پر مطلع فرمادیں اور میرے لئے دعا کریں

فرمایا تعجب نہیں کہ اثر انہیں باتوں کا ہو علاج اس کا استغفار ہی ہے اور میں دعا کرتا ہوں۔

باوجود عدم اہلیت کے خلافت دیدینا

ریل میں ذکر ہوا کہ ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کو مشائخ نے اجازت بیعت کرنے کی دیدی حالانکہ کامل نہ ہوئے تھے فرمایا ہاں ایسا ہوتا ہے۔ پوچھا گیا کہ بلا کمال کے خلافت دے کیوں دیتے ہیں۔

فرمایا بعض وقت بمصلحت دیدیتے ہیں اس خیال سے کہ وہ شرماویگا۔ اور اپنی تکمیل کرے گا۔ کہا گیا کہ بعض لوگوں نے سادگی سے یہاں تک کہہ دیا کہ کیا شیخ سے غلطی ہونا ممکن نہیں کیا عجب ہے کہ شیخ نے اہل خلافت کا اہل سمجھ لیا ہو اور واقعہ میں اسکے خلاف ہو۔ فرمایا ہاں یہ بات بھی درجہ امکان میں ہے گو ایسا شاذ و نادر ہوسکتا ہے۔ اور اہل ہونا نہ ہونا اپنی سعی پر موقوف نہیں۔ اگر شیخ کی تجویز میں، کچھ قصور بھی رہا ہو تو حق تعالی اس کی دعا کی برکت سے اسکو اہل کر دیتے ہیں اور میں نے تو اکثر یہ دیکھ کر اجازت دی ہے کہ مجھ سے تو بہتر ہو گئے ہیں جبکہ مجھے باوجود عدم اہلیت کے اجازت مل گئی تو میں دوسروں کو کیوں نہ دیدوں۔

خلافت کس کو دیجائے

اور میں تو دو باتوں کو دیکھ لیتا ہوں ایک مناسبت تامہ اور یہ کہ اس کو دھن لگی ہوئی ہو۔ اور کمال میرے نزدیک یہی ہے میں نے جس کسی کو اجازت دی ہے بے ساختہ کہتا ہوں کہ خوب ان دونوں باتوں کو دیکھ لیا ہے میں جلدی نہیں کرتا ہوں جب تقاضائے غیبی قلب میں آتا ہے تب اجازت دیتا ہوں اپنے نزدیک پوری تحقیق کر لیتا ہوں اور میں نے اس کی ضرورت سمجھی کہ ان خلفاء کے نام چھاپ دیا کروں تا کہ بعد میں کوئی غیر شخص مدعی نہ ہوسکے چنانچہ چھپتے رہتے ہیں۔

ہندوستانی افسروں کو صاحب بہادر کہنا

اسٹیشن سراتھو پر فجر کا اول وقت تھا۔ مسکرا کر خواجہ صاحب سے فرمایا صاحب بہادر کا وضو ہے عرض کیا اور میں صاحب بہادر کیسے ہوا۔ فرمایا اس لقب کے لائق اس وقت مجمع میں آپ ہی ہیں اور تو غرباء ہیں۔ خواجہ صاحب بہت ہنسے پھر فرمایا حضرت والا نے کہ بعض ہندوستانی افسروں کو لوگ صاحب بہادر کہتے ہیں۔ کیسا برا معلوم ہوتا ہے لفظ سرکار کا تو مضائقہ نہیں کیونکہ یہ لقب افسروں کیلئے ہے

۔علماء کے لئے لفظ سرکار بھی مناسب نہیں ۔خواجہ صاحب نے کہا پھر کیا کہیں حضور کہیں ۔فرمایا یہ بڑا لفظ ہے عرض کیا حضرت کہی فرمایا یہ اس سے بھی بڑا ہے بس لفظ آپ کافی ہے عرض کیا لفظ جناب کیسا ہے ۔فرمایا یہ لفظ شیعوں کا ہے مجتہد کیلئے کہتے ہیں ۔کسی نے کسی مشاعرہ میں جس میں ایک مجتہد صاحب بھی تھے کہا تھا۔

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا ☆ ساری صورت جناب کی سی ہے

پھر فرمایا مولانا یا آپ کا لفظ بہت کافی ہے اس زیادہ کا متحمل نہیں محمد مظہر اور سعید مرحوم نے بھی مجھ کو حضرت کہنا شروع کیا تھا۔ میں نے ان کو روکا اور کہا میں تمہارا رشتہ دار بھی تو لگتا ہوں وہی نام کیوں نہیں لیتے۔

حضرت حاجی صاحب کے مرید سب اچھے ہیں۔خصوصًا عورتیں

فرمایا حضرت حاجی صاحب کے مرید بہت اچھے ہیں مرد تو اچھے ہیں ہی مگر عورتیں جتنی ہیں سب صالحہ ہیں مرد تو بعض بعض غیر صالح بھی ہیں۔

عدل بین النساء مشکل ہے

عدل بین النساء کا ذکر ہوا تو خواجہ صاحب نے کہا عدل کیا مشکل ہے کیونکہ فعل اعضا ہے۔ فرمایا سبحان اللہ آپ نے تو بہت ہی مختصر عنوان سے اس مسئلہ کو بیان کر دیا جناب ایک بلی کی میاؤں بھی ہے (اسپر ایک مختصر سی تقریر بھی ہوئی جسکو بمناسبت مضمون حسب اشارہ حضرت والا تقریر ادب العشیر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔

حضرت کے یہاں پورا عاقل رہ سکتا ہے یا عاشق

فرمایا میرے یہاں دو شخص رہ سکتے ہیں ۔پورا عاقل ۔یا پورا عاشق ۔فرمایا میر مینائی کا کلام عجیب ہے اور اد ہر کے لوگوں میں مومن خاں کا کلام ہے۔ میں بہت سے مشہور اور مسلم شعراء ایران کو ترجیح دیتا ہوں مومن خاں معاملات لکھتے ہیں۔جس کے کلام میں معاملات ہوں گے ۔اسمیں درد ہوگا۔

حب خلق میں پریشانی اور حب الٰہی میں اطمینان ہے۔

فرمایا حب خلق میں خواہ پاک ہو یا ناپاک یہ اثر ضرور ہے کہ پریشانی ہوتی ہے اور حق تعالی

میں خواہ کسی درجہ کی ہو صوری ہو یا حقیقی یہ اثر ضرور ہے کہ انشراح واطمینان ہو جاتا ہے۔

الحب قنطرۃ پر شبہ اور اسکا جواب

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا المجاز قنطرۃ الحقیقت قول مشہور ہے جسکا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عشق مجازی بھی ذریعہ وصول الی اللہ ہے فرمایا اس کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ وہ یہ کہ عشق کے معنی استمتاع کے لے لئے ہیں۔ حالانکہ صرف ایک کشش کا نام ہے گویا ایک آگ ہے کہ جلائے دیتی ہے اسکو روکنا موجب قرب ہوتا ہے تو محبت کے قنطرہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ محبت سبب بالعرض بن جاتی ہے۔ قرب کا یا یہ کہ محبت سے مراد حب حلال ہے۔ اسکے بڑھانے میں منافع ہیں کیونکہ محبت کی دو خاصیتیں ہیں۔ ایک تو یک سوئی کہ سوائے محبوب کے کسی کا خیال نہیں رہتا۔ بس پھر ایک خیال کا دفع کر دینا سہل ہے۔

حب حلال کا خاصہ تذلل ہے

نیز محبت کا خاصہ تذلل ہے یہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے پیدا ہونے سے جتنے اخلاق اسکے تابع ہیں وہ سب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جن اخلاق کا یہ مقابل ہے وہ سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔

صبح کی نماز اسٹیشن سراتھو کے پاس ریل میں پڑھی اور وقت کافی تھا مگر معوذتین پڑھیں۔ کیونکہ چلتی ریل میں بعض لوگوں کو نماز پڑھنا خالی از تکلف نہیں ہوتا کھڑے ہونے میں گر پڑنے کا ڈر رہتا ہے اور یہ داعی تخفیف ہے(آج تاریخ ۲ ربیع الاول اور دن پنجشبہ ہے۔ اور انگریزی تاریخ ۸ ادسمبر ۱۶ ہے یہ تاریخ ٹھیک وہی آ کر پڑی ہے جو ایک مہینہ قبل سے قدرتی طور پر خلاف قیاس و گمان کے مشہور ہو رہی تھی کہ مولانا ۲۸ دسمبر ۱۶ء کو کانپور ہوں گے اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔۱۲)۔ ۹ بجے دن کے کانپور پہنچے کچھ اسباب ہم خدام اور کچھ خود حضرت والا بہ نفس نفیس پلیٹ فارم پر سے باہر لائے تعداد سواریاں واسباب اتنی تھی کہ ایک گاڑی ان کو کافی نہ تھی۔ اور دو گاڑیوں کے قابل بھی نہ تھی، خواجہ صاحب نے ایک گاڑی بارہ آنہ میں کرایہ کی۔ جب اسباب رکھا گیا اور سب آدمی سوار ہوئے تو گاڑی والے نے کہا اتنا اسباب اور سواریاں ایک گاڑی میں نہیں آ سکتے۔ مگر خواجہ صاحب نے سب کو بٹھا ہی دیا۔ اور زبردستی کر کے گاڑی ہکوا دی حضرت والا اور تین آدمی خادم اندر بیٹھے اور ایک آدمی کوچ بکس پر بیٹھا

اور احقر اور خواجہ صاحب پیچھے کھڑے ہو گئے اور محلہ ٹکا پور میں ابوسعید خان صاحب مالک مطبع نظامی کے مکان پر پہنچے۔

جیسے ہی گاڑی رکی چھٹی رساں سامنے آیا اور پوچھا کیا اس گاڑی میں مولانا اشرف علی ہیں کہا گیا ہاں۔ کہا یہ ان کے نام تار ہے لیکر کھولا تو معلوم ہوا کہ ڈیگ علاقہ بھرتپور سے خواجہ عزیز الحسن صاحب کے بھائی صاحب نے دیا ہے۔ مضمون یہ تھا کہ آجکل میں راجہ صاحب کے ساتھ شکار میں رہونگا۔ لہذا حضرت والا یہاں کا قصد نہ فرمائیں۔ خواجہ صاحب کو تو اس وجہ سے کہ مدتوں کی کوششوں کے بعد یہ موقعہ حضرت کو ڈیگ لیجانے کا ملا تھا۔ وہ ہاتھ سے گیا اور حضرت والا کو اس وجہ سے کہ ضلع اعظم گڈھ کے لوگوں کی تمام تمناؤں کے خون اسی ڈیگ کے سفر کی بدولت کئے گئے۔ اور سفر خود بھی نہ ہوا خیر الخیر افیھا وقع کہہ کر خاموش ہو گئے۔

اسباب اتارنے کے بعد ابوسعید خاں صاحب حضرت والا کو مکان کے اندر لے گئے اور خواجہ صاحب نے گاڑی والے کو دام دیئے اس نے کہا گاڑی میں صرف پانچ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ آپ کے آدمی زیادہ ہیں۔ اور اسباب بہت زیادہ ہے آپ وہاں دو گاڑیاں کرنے کو تیار تھے میں ایک گاڑی میں دو گاڑی کا بوجھ لے آیا اور آپ یہ کرایہ دیتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے کہا جب ہم سب مع اتنے اسباب کے تمھاری گاڑی میں بیٹھ گئے تھے تو اسی وقت تم کو گاڑی ہانکنا نہ چاہئے تھا۔ اور جب تم اس طرح لے آئے تو یہ علامت اسی بات کی ہے کہ اسی کرایہ پر راضی ہو گئے۔ ہم یہی سمجھ کر چلے تھے اس نے کہا میں نے اس وقت کہا تھا کہ دو گاڑیوں کا بوجھ لئے چلتا ہوں۔ کرایہ سمجھ کر دیدیجئے گا۔ غرض خواجہ صاحب میں اور گاڑی والے میں تکرار رہا۔ مگر خواجہ صاحب نے اس کو زیادہ نہیں دیا۔ حتی کہ وہ نہایت ناخوشی کے ساتھ گاڑی لیکر چلدیا۔

اجیر کو اجرت پوری دینا

احقر نے خواجہ صاحب سے کہا یہ معاملہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اجیر سے بات صاف کیوں نہیں کر لی تھی۔ کہا صاف تو کر لی تھی۔ بندہ نے کہا بات صاف ہو چکی ہوتی تو جھگڑا کیوں ہوتا بات صاف ہرگز نہیں ہوئی۔ اب اس کا راضی کرنا ضروری ہے ورنہ حق العبد رہے گا۔

خواجہ صاحب نے دوڑ کر حضرت والا سے دریافت کیا تو فرمایا جلدی جایئے ایسا نہ ہو وہ چلا

جائے اس کو راضی کیجئے۔خواجہ صاحب دوڑے اور اس کو روک کر دو آنہ پیسے اور دیئے اور احقر نے کہا وہ راضی نہیں ہوا۔خواجہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم اب ناخوش تو نہیں ہو اور اگر ناخوش ہو تو کچھ دیدیں اس نے کہا میں خوش ہوگیا اور کچھ نہیں چاہتا تب اس کو رخصت کیا مطبع نظامی میں اوپر کے اس کمرہ میں جس میں حضرت والا کسی زمانے میں بیٹھا کرتے تھے۔فرش بچھا کر حضرت کو ٹھہرایا گیا۔

خبر ملتے ہی مدرسہ جامع العلوم کے طالب علم اور چند اشخاص زیارت کے لئے آئے۔کھانا کھانے کے بعد حضرت والا قیلولہ کے لیے لیٹ گئے اور بندہ اور خواجہ صاحب حضرت سے اجازت لے کر محلہ کرنیل گنج کو گئے بندہ کے والد ماجد کے ایک شناسا وہاں رہتے تھے۔جن کے مکان میں عرصہ دراز تک بندہ کی ہمشیرہ بھی رہی تھیں احقر کو ان سے ملنا تھا۔اور خواجہ صاحب کو دلدار خان صاحب کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع کرنی تھی۔نیز ان کے یہاں سے کچھ اپنا اسباب لینا تھا ظہر کے بعد ہم دونوں لوٹ آئے۔

گنگوہ کے پیرزادوں کی صلاحیت

حضرت والا نے کچھ حالات گنگوہ کے بیان فرمائے ازانجملہ یہ کہ وہاں کے پیرزادے کچھ ہمارے خلاف مسلک رکھتے ہیں۔لیکن صلاحیت اس قدر ہے کہ ایک پیر صاحب نے اپنے گھر میں مجھ سے مرید کرایا۔کسی نے ان صاحب سے پوچھا کہ تم نے اپنے گھر میں اس سے کیوں بیعت کرایا۔کہا پیر تو وہی ہیں اور ہم تو پیٹ کے پیر ہیں۔اسطرح ایک سجادہ صاحب نے اپنے گھر میں مجھ سے بیعت کرایا ہے۔سجادہ صاحب رسمیں کرتے ہیں اور ان کی یہ بی بی شریک نہیں ہوتیں حضرت گنگوہی جب اول اول بیٹھے تو مخالفت ہوئی مولانا نے وعظ کہنا چھوڑ دیا۔لوگوں نے کہا مولانا وعظ نہیں کہتے۔تو ایک پیرزادے صاحب کہتے ہیں کہ وعظ نہ کہنا بھی مولانا کی شفقت ہے۔کیونکہ ان کے مضامین سے تم اختلاف کرو گے اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔وہ عین شریعت ہوتا ہے اس کی مخالفت سے کافر ہو جاؤ گے۔

گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کا حجرہ بالکل بجنسہٖ محفوظ ہے اس کے آگے سہ دری ہے مولانا نے بنادی تو لوگ مخالف ہوئے۔مولانا کشیدہ ہو کر شہر میں چلے آئے۔

پھر اس طرف کے لوگ آئے اور منا کر لے گئے اور یہ شرط کی کہ سہ دری کی لاگت بھی ہم سے لے لیجئے۔قصبہ بڑوت ضلع میرٹھ میں ایک پیرزادے ملازمت پیشہ تھے وہاں ایک واعظ آ گئے وہ ایسے

متشدد اور بیباک تھے کہ جوش میں آ کر حضرت شیخ تک کو گالیاں دیں اور کہا یہ سب بدعتی تھے۔ وہ اہلکار پیرزادے صاحب بڑے معزز اور بااختیار تھے وہ چاہتے تو روک سکتے تھے۔ بلکہ کچھ تدارک بھی اس بیہودگی کا کر سکتے تھے۔

ان کے سامنے انکے اجداد کو اور مقتداؤں کو اور ایسے مسلم شیخ کو گالیاں دی گئیں ان کو بہت طیش آیا مگر علم کا ادب کیا اور زبان سے کچھ نہ کہا حتی کہ جب ضبط نہ ہو سکا تو رونے لگے واعظ نے دیکھ لیا کچھ ایسا اثر ہوا کہ پگھل گیا اور تحقیق کیا کہ یہ کس جماعت سے ہیں ثابت ہوا کہ شیخ کی اولاد ہیں۔ اس قدر اثر ہوا کہ واعظ نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو (اب ہدایت کا وقت آیا) آیا ان کے پاس اور پیر پکڑ لئے اور توبہ کی کہ مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی۔ خاص گنگوہ میں یہ شان ہے اتنا انقیاد اتنا سکون ہے یہ سب حضرت شیخ کی برکت ہے۔

بعد ظہر طلبہ کا اجتماع رہا بعد عصر لوگ حضرت والا کو مدرسہ جامع العلوم کی عمارات دکھانے کیلئے لے گئے اور درسگاہیں اور حجرے وغیرہ دکھائے حضرت والا نے ان کی طیب خاطر کے لئے معمولی الفاظ میں تعریف کی اس کے بعد اسی سفر میں ایک موقعہ پر فرمایا کہ مدرسہ جامع العلوم میں کسی وقت میں اسقدر عمارات اور شان وشوکت نہ تھی مگر تعلیم جو اصل مقصود ہے وہ اعلی درجہ کی تھی اور اب عمارات ہی عمارات ہیں اور اصل مقصود درجہ کفایت تک بھی نہیں مسجد کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیشن ہے بجلی کے متعدد لیمپ لگ گئے ہیں مسجد کیا ہے کھلونا ہے وہ انوار جو پہلے تھے ان کا پتہ بھی نہیں قریب مغرب کے مولوی محمد سعید صاحب کے مکان پر گئے وہ سخت بیمار تھے پردہ کر کے حضرت کو اندر مکان پر بلا لیا اور خدام باہر بیٹھے رہے۔ قریب نصف گھنٹہ کے وہاں تشریف فرما رہے اور ایک دو جگہ اور بھی مکانوں میں لوگ لے گئے۔

۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز جمعہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۶ء

فجر کی نماز میں سورہ مدثر اور سورہ قیامہ پڑھی

قرارداد یہ ہوئی تھی کہ جمعہ کی نماز قنوج میں ہو اس واسطے ۸ بجے صبح کی ریل سے کانپور سے روانگی ہوئی حافظ ابو سعید خاں صاحب سے حضرت والا نے فرمایا کہ صبح کو کھچڑی پکوالیں۔ تاکہ سویرے

روانگی ہو سکے۔ لیکن حافظ صاحب جیسے مہماں نواز اور سیر چشم شخص کی سیری ایسی دعوت سے کیا ہوتی کہاہر قسم کا کھانا سویرے تیار ہوسکتا ہے۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ کم از کم ہفتہ بھر تو قیام ہوگا۔ اور میں حسب دلخواہ کچھ خدمت کرسکوں گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تو ایک دو وقت بھی کوئی تمنا پوری نہ کرلوں۔ فرمایا کچھ تکلف نہیں میرا جی گوارا نہیں کرتا کہ آپ کو تکلیف ہو حافظ صاحب نے طوعاً کرہا مان لیا۔ مگر عرض کیا کہ گھر میں جا کر کہتا ہوں۔ چنانچہ گھر میں سے جواب آیا کہ ایسی باتیں آپ کے فرمانے کی نہیں ہیں جو ہمارا جی چاہے گا کریں گے۔

مہمان اور میزبان میں گفتگو

حضرت نے فرمایا آپ کو اختیار بیشک ہے مگر مجھے یہ پوچھنا ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے اکرام سے غرض مہمان کا خوش کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر مہمان کو اس سے تکلیف پہنچے۔ تو آپ ہی فرمادیں کہ میزبان کو یہ گوارا ہونا چاہئے یا نہیں مجھے اگر تکلیف پہنچانا ہے تو آپکی خوشی میں ہر طرح حاضر ہوں اس کا جواب کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔

صبح کو بعد نماز ٹھنڈی سڑک کی طرف ہوا خوری کے لئے گئے۔ احقر اور خواجہ صاحب اور غالباً مولوی عبدالغنی صاحب بھی ساتھ تھے۔ قریب ایک میل کے جا کر لوٹ آئے ذرا دیر کے بعد کھچڑی (غالباً ارہر کی) لائی گئی اور کچھ روٹی سالن رات کا بچا ہوا لایا گیا اور کھچڑی او دہی بڑے اور پھلکیاں اور اچار وغیرہ اس قدر اقسام کی تھیں کہ اتنا تکلف شاید باقاعدہ دعوت میں بھی نہ ہوتا۔ حضرت والا خدام سے فرمانے لگے میں نے دو ضرورت سے کھچڑی کو اختیار کیا تھا ایک تو یہ کہ تیاری میں دیر نہ ہو اور دوسرے یہ کم خرچ رہے مگر حافظ صاحب کی کھچڑی پلاؤ اور بریانی سے بھی خرچ میں بڑھ گئی حافظ صاحب کی زیر باریاں اور عسرت کی حالت مجھ کو معلوم ہے اس عسرت میں بھی ان کے حوصلے وہی ہیں کیا کیا جائے بڑا بار ان کے اوپر ہوا۔ موقعہ ایسا تھا کہ ان کی کچھ خدمت کی جاتی نہ کہ اور زیر بار کیا گیا۔ خدام میں سے کسی نے عرض کیا کہ بطور ہدیہ کچھ پیش کردیا جائے۔

فرمایا مجھے ان کی حالت معلوم ہے اس موقعہ پر ہرگز ہرگز منظور نہ کریں گے عرض کیا گیا کسی بچہ کے بہانہ سے دیا جائے فرمایا اس میں بھی عادت ان کی معلوم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مثلاً اگر دس روپیہ بچہ کو دیئے گے تو ان کو وہ خود ہرگز نہ لیں گے بلکہ اس کا زیور اس کو بنوادیں گے تو ان کی زیر باری کا تو کچھ

تدارک نہ ہوا۔

روانگی قنوج

قنوج کی روانگی کے لیے اسٹیشن انور گنج کو روانہ ہوئے تقریباً پچاس آدمی کانپور کے مشایعت کے لئے ساتھ تھے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو ایک شخص نے جو حضرت کے خاص شناساؤں میں سے تھے۔ عرض کیا کہ میں تھوڑی مٹھائی پیش کرنا چاہتا تھا۔ اور ہر چند جلدی کی لیکن شہر میں نہ پہنچ سکا یہاں لایا ہوں اسکو قبول فرمالیجیے یہ کہہ کر ایک بہت بڑی چینی کی قاب میں پیش کی (مٹھائی) جو تخمیناً تین روپیہ کی ہوگی۔

رفقاء کے ہر حال میں شریک رہنا

فرمایا آپ نے بہت تکلیف اٹھائی اسباب اگر چہ اس وقت بندھا ہوا ہے مگر آپکی اس تکلیف فرمائی سے محبوب ہوں اور لئے لیتا ہوں۔ مشایعت کنندگان میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے انھوں نے اسٹیشن ماسٹر سے اجازت لے کر سب کو پلیٹ فارم پر پہنچایا۔ ایک کرسی حضرت والا کے لئے لاکر بچھادی اور عرض کیا تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک کرسی ہے اور اتنے آدمی ہیں میں اکیلا بیٹھتا ہوا کیا اچھا معلوم ہوں گا۔ سب نے عرض کیا حضور تشریف رکھیں فرمایا نہیں یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جیسے اور لوگ کھڑے ہیں میں بھی کھڑا ہی رہوں گا۔

حساب کتاب کی ضرورت

چنانچہ ریل کے آنے تک (تخمیناً بیس منٹ تک) کھڑے ہی رہے سامنے ترازو تھی اس کو دیکھ کر فرمایا ترازو باٹ اور حساب کتاب خدا تعالیٰ کی کیسی نعمت ہے، عدل کے لئے یہ آلات ہیں اور عدل دنیا کے قیام کا موقوف علیہ ہے۔ اداء حقوق بلا ان کے ہو ہی نہیں سکتا۔

حقوق کو فوراً لکھ لینا چاہئے

ادائے حقوق مہتم بالشان چیز ہے حقوق کو لکھ کر رکھنا چاہئے۔ جس کا ایک پیسہ بھی واجب ہو فوراً لکھ لینا چاہئے میں نے تو اپنے یہاں بہت سی تھلیاں بنا رکھی ہیں ہر مد کی تھیلی علیحدہ ہے جو کچھ دیا لیا فوراً لکھ لیا۔ کسی نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں حساب کا چرچا بہت ہے۔ پہلے شاید ایسا نہ تھا۔

پہلے علوم آلیہ کم تھے اور علوم اصلیہ زیادہ

فرمایا ہاں آجکل تمام دنیا اسی میں کھپ رہی ہے اور پہلے زمانہ میں علوم آلیہ کو علوم اصلیہ سے بڑھایا نہ جاتا تھا مگر تعجب ہے کہ کہا جاتا ہے کہ پہلے علم حساب کم تھا۔

حساب فرائض امام محمدؒ صاحب کی ایجاد ہے

اور فرائض امام محمد صاحب کی ایجاد ہے جس سے کس قدر حساب دانی معلوم ہوتی ہے اس طرح سے اس کو منضبط کیا ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور سہولت اس قدر رکھی ہے کہ کسر کا کام ہی نہیں رہا۔ ہمارے مقتداؤ کی اسقدر ہوئے ہیں کہ کسی قوم میں اور اس کے علماء میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

حضرت علیؓ کی ذکاوت کا قصہ

حضرت علیؓ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ دو شخص راہ میں رفیق ہوئے کھانے کا وقت آیا ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ اتفاقاً ایک مسافر بھی آ گیا۔ اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درھم ان کو دیئے کہ تم آپس میں تقسیم کر لیجیو۔ تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درھم تو لے اور میری پانچ تھیں۔ پانچ درھم مجھ کو دے۔ تین والے نے کہا کہ نہیں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔ ۱۵

یہ قصہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کر لو وہ صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی، کی تو تین والے کو فرمایا کہ ایک درھم تم کو اور سات اس کو دیدو۔ وہ سنکر بہت حیران ہوا کہ یہ کیسا فیصلہ ہے۔ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوگا کہ عین عدل ہے چنانچہ آپ نے اس کو اس طرح فرمایا کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں۔ اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن ہے اسلئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں پس ہر روٹی کے تین ٹکڑے کر لو تو کل ۲۴ ٹکڑے ہوئے۔ پس ہر شخص نے آٹھ ٹکڑے کھائے سو تین والے کی روٹیوں کے ۹ ٹکڑے ہوئے جس میں آٹھ تو اس نے خود

کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا اور پانچ والے کی روٹیوں کے ۱۵ ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات مسافر نے کھائے پس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہیئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہیئے

حضرت علیؓ کا خطبہ بے الف

حضرت علیؓ کا ایک خطبہ بے الف مشہور ہے آپ کی مجلس میں ذکر ہوا کہ حروف تہجی میں سے کون سا حرف زیادہ مستعمل ہے کسی نے کہا الف بہت زیادہ مستعمل ہے کوئی کلام بھی اس سے خالی نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؓ نے بالبد یہ پورا خطبہ بے الف لکھوادیا۔ خدا جانے حضورﷺ کی ذات پاک کیا چیز تھی جس نے ہم صحبتوں کو ایسا بنادیا۔ کتاب مطالب السئول میں حضرت علیؓ کے واقعات مذکور ہیں۔

مناسبت ہر کمال کی فطری ہوتی ہے

فرمایا مناسبتیں ہر کمال کی فطری ہوتی ہیں ہمارے بزرگوں سے بہت سے واقعات ذہانت اور کمال کے منقول ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی حکایت

شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں مولوی فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین صاحب کا شباب تھا۔ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صاحب نے ایک ایک قصیدہ لکھا کہ شاہ صاحب کے پاس چل کر پیش کریں دیکھیں ادب میں کتنی مہارت ہے لیکر چلے اور راستہ میں یہ سوجھی کہ ہر ایک نے دوسرے کا قصیدہ لے لیا کہ میرے قصیدہ کو تم اپنا بتانا تمھارے والے کو میں اپنا بتاؤں گا۔ وہاں حاضر ہوئے شاہ صاحب نابینا ہوگئے تھے معمولی باتیں کر کے آنے کی غرض دریافت کی انہوں نے کہا ہم نے کچھ لکھا ہے اصلاح کے لئے حضور میں لائے ہیں۔ فرمایا پڑھو سب پڑھ گئے کچھ نہیں بولے یہ سمجھے کہ یہ کچھ نہیں سمجھے پوچھا کسی جگہ اصلاح فرمادیجئے۔ فرمایا کہ اصلاح تو دیکھی جائے گی مگر یہ تو بتلاؤ کہ یہ تبادلہ قصیدوں کا کہاں ہوا۔ حیرت ہوگئی شاہ صاحب نے ان معمولی باتوں سے دونوں کی طبیعت کا رنگ پہچان لیا اس سے سمجھے دونوں نے خجلت کے ساتھ ساتھ اقرار کیا دوبارہ پھر سنا اور جا بجا اصلاح دی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی ذہانت

ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی مجلس میں ایک شخص نے کہا لفظ گھونسا کے مرادفات کتنے ہو سکتے ہیں شاہ صاحب نے گنوانا شروع کئے تو گیارہ لغت ہوئے اس شخص نے کہا کہ مجھے تمام عمر میں سات لغات ملے تھے۔ شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا چاند کو عورتیں اور بچے چندا ماموں کیوں کہتے ہیں تو شاہ صاحب نے اسکی توجیہہ یہ کی کہ یہ ایجاد عورتوں کی ہے۔ اور بچے ان کی دیکھا دیکھی کہنے لگے ہیں۔

چاند کو چندا ماموں کیوں کہتے ہیں

چاند کو ماموں کا لقب اس واسطے دیا ہے کہ ماموں ماں کا محرم ہوتا ہے اس سے پردہ نہیں ہوتا اور چاند سے بھی کوئی نہیں چھپتا جیسا آفتاب سے چھپ جاتے ہیں۔ ایک جادوگر شاہ صاحب کے پاس آیا کہ میں سحر کا ایک عمل بھول گیا۔ کسی طرح وہ پھر یاد آ جائے۔ ان باتوں سے شاہ صاحب کو کیا علاقہ مگر آپ نے ذرا دیر مراقبہ کیا اور سب عمل پڑھ دیا۔ احقر نے حضرت والا سے پوچھا یہ کیا ہوا شاہ صاحب کو عمل کیسے یاد آ گیا۔ فرمایا کہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ہر حرف کی ایک روح ہے شاہ صاحب نے حروف کی ارواح کو حکم دیا کہ ترتیب وار حاضر ہوں۔ انہیں کی ترتیب سے حرفوں کو مرتب کیا وہ کلام بن گیا چنانچہ شاہ صاحب نے یہی وجہ بیان فرمائی تھی۔

وعدہ نہ کرنا مگر بات کا خیال رکھنا

ریل میں بیٹھے ہوئے فرمایا میں وعدہ تو کیا نہیں کرتا مگر خیال بات کا وعدہ سے زیادہ رکھتا ہوں۔ اور فرمایا اس مرتبہ اعظم گڈھ میں لوگوں نے تنگ بہت کیا وجہ تو اس کی غایت محبت ہے۔ مگر محبت کے ساتھ جہالت مل گئی ہے۔ اس وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر آئندہ وہاں جانا ہوا تو معمولات کا کوئی قانون ہونا چاہئے خدام نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا انتظام تو اپنی آسائش کا ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں صورت ترفع کی سی ہو جاتی ہے۔ جو خلاف عادت ہے۔ مثلاً وہاں بڑی تکلیف مصافحہ سے ہوتی تھی اسکا انتظام یہ کیا جائے کہ ملاقات کا وقت مقرر کر دیا جائے اور لوگوں کے آنے اور ملنے کیوقت چار آدمی مقرر کر دیئے جائیں کہ ہجوم نہ ہونے دیں ایک ایک سے ملاقات ہو۔

اور وہ مصافحہ کر کے دوسری طرف بیٹھتا جائے۔ مگر یہ شکل بری ہے۔ حکام کے دربار کی سی شکل ہے جو میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے بہت لوگوں کو یہ صورت ناگوار ہوگی واقع میں تو ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا جائے گا۔ مگر صورتاً کھلا ہوا تصنع ہے۔ اور میں تصنع اور کسی پر بار ڈالنے سے بہت گھبراتا ہوں۔

ازخود جانے کے وقت کرایہ نہ لینا

کہنے کی تو بات نہیں میں پچھلے دنوں میرٹھ آیا تھا۔ اور ہفتہ بھر کے قریب رہا بہت سے احباب ہیں جن کو میرے آنے کی بڑی مسرت تھی اور ان کی عین خوشی ہوئی اگر کرایہ ان سے لے لیا جاتا مگر میں نے نہیں لیا۔ اس وجہ سے کہ میں اپنی ضرورت یعنی تبدیل آب ہوا اور استراحت کے لیے گیا تھا۔ اور احباب کی دل شکنی کا خیال نہ ہوتا تو میں سرائے میں ٹھیرتا میں اس بات میں بہت ہی غیور ہوں

دوسرے کی تکلیف گوارا نہ کرنا

میں کسی دوسرے کی تکلیف کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ میں جس زمانہ میں کانپور میں تھا ۔مولوی دوست محمد خان صاحب مدرسہ دارالعلوم میں مدرس تھے ۔ انہوں نے ایک طالب علم کو خارج کیا انہوں نے میرے مدرسہ میں آنا چاہا میں نے انکار کردیا انہوں نے کیا کیا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے پاس پہنچے اور حضرت کی سفارش لائے مگر میں نے تب بھی ان کو داخل نہیں کیا اور کہہ دیا کہ ہم انتظامی امور میں مولانا کے متبع نہیں ہیں۔ اور اس سے مولانا کے ساتھ بدعقیدگی لازم نہیں آتی۔

بزرگوں میں کوئی کوتاہی دیکھ کر بدعقیدہ نہ ہونا

یہ تو ایک بہت ہی معمولی سی بات ہے اگر کوئی چھوٹی موٹی معصیت بھی میں بزرگوں میں دیکھ لوں تب بھی بدظن نہیں ہوتا جبکہ خوبیوں اور حسنات کو غلبہ ہو۔ میں ہمیشہ بزرگوں سے اسی بنا پر عقیدت میں فرق آنے نہیں دیتا۔ کسی نہ کسی بات سے تو کوئی بھی خالی نہیں دیکھو امام مالک صاحب نے ایک بزرگ سے جو اہل روایت کے نزدیک مسلم ہیں۔ روایت نہیں کی اسوجہ سے کہ انہوں نے امام مالک صاحب کے نسب میں طعن کیا تھا تو کیا اس سے ہم امام مالک صاحب سے بدظن ہو جائیں ہم ان

دونوں کا باہمی معاملہ ان کے ساتھ چھوڑتے ہیں حق تعالیٰ جانیں وہ جانیں اور امام مالک صاحب کے ہم بہت معتقد ہیں لوگوں میں کچھ اس قسم کی افراط وتفریط ہے کہ ذرا سے عیب سے کسی کو ہمہ عیب کر دیتے ہیں اور کسی کو باوجود بڑے عیبوں کے کچھ بھی نہیں کہتے سب اسکا جہالت ہے۔ عیب کی صورت کو دیکھتے ہیں بعضی باتیں صورتاً بہت بری معلوم ہوتی ہیں اور حقیقت میں اتنی بری نہیں ہوتیں۔ اور بعضی اسکے برعکس صورتاً بہت ہلکی ہوتی ہیں۔ اور در حقیقت بہت شدید ہوتی ہیں۔

چشتیہ پر بدعتی ہونے کا الزام غلط ہے

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آجکل کے بعض نقشبندی پر بدعتی ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ لیکن غور کر کے دیکھ لیجئے کہ ایسے لوگ خود بدعتی ہیں اور چشتیہ بدعتی نہیں ہیں چشتیہ میں محبت کا غلبہ اس قدر ہے کہ ان سے عصیاں ہونا بہت مستبعد ہے اور یہ معترض لوگ اس بات میں ان سے گھٹے ہوئے ہیں تو عصیاں کا ہونا ان سے اتنا مستبعد نہیں اور جن باتوں کو وہ بدعت سمجھتے ہیں ان میں چشتیہ معذور ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں خود ان کا بدعت ہونا محل کلام ہے کیونکہ معلل بالعلت ہونا بہت ہی قریب ہے نیز چشتیہ میں ایک صفت انکسار ایسی ہے کہ ہزار خوبیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس خوبی پر بھی تو نظر کرنا چاہئے اور بعض معترض نقشبندیوں میں خودداری ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی نسبت بعضوں کے نقشبندیہ ہونے کا خیال

پھر حضرت مولانا گنگوہی کا ذکر آیا کہ بعض لوگ ان کو خشک سمجھتے تھے وجہ یہ تھی کہ پہلی ملاقات میں مولانا میں خوداری معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ آجکل کے کھاؤ کماؤ پیروں کی طرح خوشامد اور نرم برتاؤ نہ کرتے تھے مگر جب کوئی پاس رہتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ مولانا میں خودداری کی ہوا بھی قطعاً نہ تھی بلکہ فناء محض تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کی نفاست مزاج اور ذکاوت حس

مولانا نازک مزاج اور نفیس طبع ایسے تھے کہ ایک روز عشاء کو مسجد میں پہنچے اور یہ اس زمانہ کا ذکر ہے کہ مولانا آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے مسجد میں پہنچکر فرمایا گندھک کی بو آتی ہے کسی نے دیا سلائی جلائی ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس وقت سے چار گھنٹہ پہلے جلائی گئی تھی۔ اللہ اکبر کیا ذکاوت

حس ہے اور کیا لطافت مزاج ہے یہ ذکر کی نورانیت ہے جو کوئی نیا آدمی اس قسم کی کوئی بات دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ بہت ہی تنگ مزاج ہیں لیکن تنگ مزاجی کی سنئے کہ ایک دعوت میں فرمایا کہ میں وہ کھانا کھاؤں گا جو سب کے آگے کا بچا ہوا ہو چنانچہ معمولی آدمیوں کے آگے کی بچی بچائی کھچولی بے تکلف کھالی اس کو دیکھ کر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا تنگ مزاج تھے وہ طبعی لطافت تھی اور یہ اختیاری تواضع ہے۔ سبحان اللہ اہل اللہ کی کیا شان ہے آجکل بعض درویشوں کی یہ حالت ہے کہ لوگوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس مت آؤ قلب کو ظلمت گھیرے لیتی ہے۔ یہ ہے خودداری، خودتورائی بنتے ہیں اور دوسروں کو ظلمانی کہتے ہیں۔ یہ کیا واہیات ہے۔ نور تو وہ ہے، کہ سارے جہاں کی ظلمتوں کو مٹادے نہ یہ کہ خود ہی مٹ جائے۔

جاہ محمود ہے اور تکبر مذموم

فرمایا وقعت ہونا دوسرے کی نظروں میں بری نہیں بلکہ محمود مطلوب ہے، ہاں تکبر سخت خطرناک چیز ہے اور یہ بات بہت باریک ہے۔

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں ☆ برزخ بینہما لا یبغیاں

جاہ اور تواضع جمع ہو سکتے ہیں

دیکھئے حدیث میں دعا آئی ہے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا اعین الناس میں کبیر ہونے سے حفاظت رہتی ہے ذلت اور ظلم وغیرہ سے اور فی عینی صغیرا سے حفاظت رہتی ہے کبر سے۔

فرمایا سید صاحب جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے سلوک طے کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے سید صاحب سے تصور شیخ کرانا چاہا تو سید صاحب نے قبول نہ کیا شاہ صاحب نے کہا" بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید"۔

فرمایا اس شعر میں تو گناہ کی نسبت کہا ہے شراب پینا گناہ ہے اور تصور شیخ شرک ہے حافظ صاحب کے شعر میں یہ کہاں ہے کہ امر شیخ سے شرک بھی کرلو۔ شاہ صاحب نے سید صاحب کی کمر ٹھوکی اور فرمایا اچھا ہم طریق نبوت سے تمہارا سلوک طے کرادیں گے۔

چشتیہ کے یہاں تصور شیخ منع ہے

پھر فرمایا کہ چشتیوں کے یہاں تصور شیخ نہیں ہے تعجب ہے کہ پھر ان کو وہ لوگ جو تصور شیخ کرتے ہیں بدعتی کیسے کہتے ہیں جبکہ ان میں تو اتنی احتیاط ہے اور وہ لوگ اس کو جائز کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ چشتیہ کے یہاں توحید وفنا بہت غالب ہے، تصور شیخ کی نسبت مولانا شہید کہتے ہیں۔

ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون

مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب سے بیعت ہوئے نہ شاہ صاحب سے

مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے اتنے استاد ہیں کہ سید صاحب نے مولانا سے " کافیہ " پڑھا ہے۔ مگر مولانا باوجود استاد ہونے کے سید صاحب سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب سے مرید نہ ہوئے۔

فیض کا مدار مناسبت پر ہے

وجہ اسکی مناسبت ہے اس مناسبت کے لئے کوئی قاعدہ نہیں۔ بڑے سے نہ ہو اور چھوٹے سے ہو جائے اور فیض کا مدار مناسبت پر ہے پھر یہ حالت تھی کہ مولانا دہلی شہر کے اندر سید صاحب کے ساتھ بغل میں جوتیاں دبائے ہوئے دوڑے جاتے تھے یہ ہیں حالات اہل اللہ کے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں خود داری ہے۔

فرمایا رسالہ صراط مستقیم میں دو طریق مذکور ہیں سلوک کے، سلوک نبوت اور سلوک ولایت سلوک نبوت مولانا اسمٰعیل صاحب کا لکھا ہوا ہے اور سلوک ولایت مولانا عبدالحی صاحب کا

نسبت چشتیہ بکاء کی ہے یا خوف کی

فرمایا چشتیہ میں دو قسم کی نسبت ہے۔ بکاء کی یا ضحک کی۔ فرمایا بموجب حدیث انا عند ظن عبدی بی بعض وقت خلافت دے دینے میں یہ بھی مصلحت ہوتی ہے کہ پچاس آدمی اسکو اچھا سمجھنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اسکو اچھا ہی کر دیتے ہیں۔

لقمۂ حرام سے نفرت

اسی سفر کی ایک جگہ کی دعوت کی نسبت فرمایا کہ اس سے بڑی تکلیف ہوئی باوجود بہت تکلف کے، کھانوں میں بالکل مزا نہ تھا۔ بالکل ایسے تھے جیسے مٹی۔ صاحب خانہ محتاط نہیں۔ ریل میں حضرت والا

نے الہ آبادی امرود اپنے ہاتھ سے چھیل چھیل کر کھلائے اس لطف کا کیا پوچھنا ہے

فرمایا شیخ بدیع الدین صاحب عرف مدار دصاحب کا مزار مکن پور ضلع کانپور میں ہے۔ یہ بزرگ شامی ہیں۔

علماء کا درویشوں پر طعن کرنا

فرمایا جو علماء درویشوں پر طعن کرتے ہیں۔ اگر ان کی نیت خالص اور حمایت شریعت کی ہے تب تو مخالفت سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ لیکن اکثر یہ ہے کہ نیت سالم نہیں ہوتی اس واسطے نقصان پہنچ جاتا ہے بارہ بجے دن کے قنوج پہنچے۔ اسٹیشن پر منشی محمد اختر صاحب اور شیخ معشوق علی صاحب خلیفہ حضرت والا اور چند اور اشخاص استقبال کے لئے موجود تھے اور ایک بیل گاڑی اسباب کے لئے اور یکہ وغیرہ موجود تھے اسباب شمار کر کے ایک شخص کی سپردگی میں جائے قیام کو روانہ کیا گیا۔ اور ہم سب لوگ سیدھے جامع مسجد کو روانہ ہوئے۔ لوگوں نے اصرار کر کے جمعہ کی نماز حضرت والا سے پڑھوائی۔ رکعت اول میں سورہ جمعہ اور ثانی میں منافقون پڑھی۔

مولوی محمد اختر صاحب نے اہل قنوج کے اصرار کی وجہ سے وعظ کی استدعا کی۔ حضرت نے باوجود اضمحلال طبیعت کے منظور فرمائی۔ اور حدیث من تواضع اللہ رفعہ اللہ کا واعظ فرمایا ابجے سے ۴ بجے تک بیان ہوا یہ وعظ علیحدہ لکھا گیا۔ اور دیگر مواعظ سفر ہذا کے ساتھ اخیر میں ملحق ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نام اس کا اوج قنوج تجویز فرمایا۔

بے ضرورت قطع صف نہ چاہئے

وعظ سے فارغ ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی قنوج میں منبر بہت بڑا ہے جس سے اول کی کئی صفیں قطع ہوتی ہیں۔ چنانچہ جمعہ کی نماز میں شروع کی صفیں اسی طرح ہوئیں اور عصر کی نماز بھی اسی مصلے پر پڑھائی گئی۔ بعد نماز خدام میں سے کسی نے عرض کیا کہ قطع صف بحالت مجبوری تو درست ہے جیسا کہ جمعہ کا ہوا اس وقت مجمع کم تھا پیچھے ہٹ کر نماز ہوتی۔ تو قطع صف لازم نہ آتا۔ فرمایا ہاں اس کا کسی نے خیال ہی نہیں کیا۔ قطع صف ناحق ہوا۔

بعد عصر قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ قیام مصطفیٰ خاں صاحب تاجر عطر کی بیٹھک میں متصل

مکان مولوی محمد اختر صاحب تھا۔ حضرت والا محمد اختر صاحب کے مکان میں تشریف لے گئے۔ قریب مغرب باہر تشریف لائے اور نماز مغرب ایک مسجد میں پڑھی جو مکان سے ذرا فاصلہ پر ہے۔

۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز شنبہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء

شکوہ شکایت دلیل رنجش ہے۔

شب شنبہ برمکان مولوی محمد اختر صاحب نے فرمایا مولوی محمد یحیٰی صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں بہت لوگ شکوہ شکایت کرتے ہیں آپ پر کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں ہوتا ہے اور وہ یہ کہ میں سمجھ جاتا ہوں کہ ان دونوں میں رنجش ہے۔

فضول مذمت کسی کی کرنا

اور ایک دفعہ مولانا محمد قاسم صاحب مسجد کے اندر تھے باہر صحن میں دو شخص کسی جاہل درویش کی مذمت کر رہے تھے مولانا نے ان کو ڈانٹا کہ یہ مذمت صرف مجھے خوش کرنے اور تقرب کے لئے ہے خبردار چھوڑو اس مشغلہ کو اور اس شخص کے عیب کو تو دیکھ لیا اور یہ نہ دیکھا کہ وہ کتنے نوافل پڑھتا ہے اور اس کے اندر ایک صفت محبت الٰہی کی ہے۔

شکایت سنکر حضرت حاجی صاحب رد فرماتے

اور حضرت حاجی صاحب کے یہاں کسی کی شکایت ہوتی تو خاموش بیٹھے رہتے۔ لمبی چوڑی شکایت سننے کے بعد اخیر میں فرماتے وہ ایسا نہیں ہے۔ اس سے شکایت کرنے والے پر مٹی سی پڑ جاتی۔

حضرت حاجی صاحب کی شفقت

اور ایک دفعہ مولانا گنگوہی حج کو گئے تھے حضرت حاجی صاحب کا پوتا یعنی بھتیجے کا بیٹا مقصود نام مولانا کے پاس آیا کہ میں بھی دادا جی کے پاس جاؤں گا مجھ کو لے چلئے مولانا نے حضرت کی تکالیف کا خیال کر کے انکار کر دیا وہ اور کسی قافلہ میں مولانا سے پہلے پہنچا مگر وہ حضرت حج کے ہنگامہ میں کھوئے گئے حضرت حاجی صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو حضرت بہت محزون ہوئے عرفات میں حضرت نے فرمایا کہ مسجد میں فلاں سمت پر کنویں کے پاس ایک بچہ رو رہا ہے اس کو لے آؤ وہ یہی حضرت تھے حضرت نے ان

کو مزدلفہ تک اپنے اونٹ پر سوار کیا انہوں نے مولانا کی بھی شکاتیں کیں پیچھے مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب کا اونٹ تھا۔ حکیم صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ آج خدا خیر کرے اور مولانا ذکر میں مشغول تھے حضرت نے سب سنا اور کچھ نہیں کہا۔ مزدلفہ میں اترتے وقت فرمایا یہ سب ٹھیک ہے مگر مولانا نے یہ سب میری محبت میں کیا ہے

حاجی صاحب پر شکایت کا اثر مطلق نہ ہوتا

غرض حضرت کے یہاں شکوہ شکایت کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا۔ حتی کہ ایک شخص نے اتنی بڑی شکایت پہنچائی کہ فلاں مولوی صاحب نے آپ کی طرف سے ایک رقعہ بنالیا ہے اور حضرت کی مہر بھی اس پر لگالی ہے اور اب وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو دھوکے دیتے اور کماتے پھرتے ہیں۔ فرمایا پھرنے دو۔ لوگوں نے عرض کیا اس کا انسداد بھی ہونا چاہئے۔ فرمایا مجھے شرم اتی ہے کہ مجھ سے دین کا نفع تو کچھ ہوا نہیں کسی کو دنیا کا ہی نفع ہوتا ہوتو اسے بھی روک دوں تو میری ذات بالکل ہی بے سود ہوئی اور دنیا کے لئے کیا اتنا اہتمام کیا جائے۔ فرمایا حضرت والا نے بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں پر شان ولایت غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر شان نبوت۔ ہمارے حضرات علماء پر شان بنوت غالب ہے، انتظام کی جگہ انتظام سیاست کی جگہ سیاست۔

امور خانگی پر بھی نظر رکھنا چاہئے

اور فرمایا حضرت والا نے ایک دفعہ ہمارے گھر سے گیہوں چکی پر پسنے کو گئے وہاں یہ ہوا کہ چکی والوں نے گیہوں اور پیسے رکھ لئے اور آٹا پسا پسایا دے دیا۔ میں نے پوچھا آٹا بڑی جلدی آ گیا معلوم ہوا کہ آٹا تیار رکھا تھا وہ دے دیا اور گیہوں رکھ لئے میں نے کہا اس کو لے جاؤ واپس کرواور وہ گیہوں پسوا کر لاؤ کیونکہ آٹے کا بدلنا گیہوں سے اس طرح جائز نہیں کیونکہ ربوا سے خالی نہیں ہوسکتا۔

قطع تعلق کے غلط معنیٰ

یہ ضرورت ہے ہر کام میں دخل دینے کی اب لوگ قطع تعلق کے یہ معنی سمجھے ہوئے ہیں کہ کسی بھی بھلی بری بات سے مطلب نہ رکھے چاہے گناہ ہوتا رہے بعض مشائخ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ ایسے تارک ہیں کہ روپیہ کو ہاتھ لگانا برا سمجھتے ہیں اور کسی سے کچھ کام نہیں رکھتے نہ اچھے سے مطلب نہ برے

سے یہ جہالت کی بات ہے۔

اولیاء کو حق تعالیٰ نے وقعت ظاہری بھی دی ہے

فجر کی نماز کو جاتے وقت احقر حضرت والا کے پیچھے پیچھے جارہا تھا مسجد کے راستہ میں ایک ہی جگہ دو مزار ہیں جو بالکل ایک نمونہ کے بنے ہوئے ہیں اور بالا پیر صاحب کے نام سے بڑے مشہور ہیں ان پر نظر پڑی تو فرمایا اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ نے رفعت باطنی تو دی ہے ہی۔ رفعت ظاہری بھی عطا فرمائی ہے کیسی عالی شان عمارت ہے اور کیسی پاکیزہ ہے۔ گو ان عمارتوں کا بنانا ناجائز ہو۔ مگر لوگوں کو خیال تو ہوا اور اپنے نزدیک بہتر سے بہتر عمارت ان کے واسطے تجویز کی وجہ اس کی یہی ہے کہ دلوں میں ان کی وقعت عظمت ہے۔

صلہء رحم مٹھائی وغیرہ دینا

نماز فجر میں سورۃ قیامہ اور والفجر پڑھی۔ بعد نماز فجر مکان پر پہنچ کر احقر سے فرمایا کہ ساتھ کی ٹوکریوں میں سے بیس امرود الہٰ آبادی اور جس قدر مٹھائی ہمراہ ہے اس کی ایک تہائی مٹھائی گھر میں بھیج دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چاء کا سامان گھر میں رکھنا کیسا ہے

سردی بشدت تھی محمد اختر صاحب ہم خدام کے لئے چاء لائے (حضرت والا چاء نہیں پیتے) چاء کا سامان نہایت مکلف تھا خواجہ صاحب نے پوچھا چاء کی پیالیاں اور سامان گھر میں رکھنا کیسا ہے فرمایا کیا حرج ہے۔ یہ اکرام ضیف ہے بعض مہمان چاء کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے عرض کیا یوں تو اکرام ضیف کی کوئی حد نہیں تمام سامان دنیا کا اکرام ضیف کے کار آمد ہو سکتا ہے پھر تنعم کیا چیز ہوگی جس سے منع کیا جاتا ہے جتنا بھی تکلف کا سامان آدمی چاہے رکھ لے اور کہہ دے اکرام ضیف کے واسطے رکھا ہے اس قدر زرنگار اور فینسی پیالیوں کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا اکرام ضیف مامور بہ ہے اور اتنا حدیث میں موجود ہے کہ ایک بچھونا اپنے واسطے چاہئے اور ایک اہل کے لئے اور ایک مہمان کے لئے اور آگے حدیث میں ہے۔ **والرابع للشیطان** مطلب یہ کہ مہمان کی ضرورت کی چیز رکھنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہاں یہ بات قابل غور ہے کہ رفع ضرورت کے جب دو طریق ہیں ایک سہل اور ایک دشوار تو کون

سا اختیار کرنا چاہئے ظاہر ہے کہ سہل کو لینا چاہئے ۔ آپ کے یہاں مہمان تو آتے ہی رہتے ہیں اگر چاء کا سامان رہے تو کیا حرج ہے میرے یہاں جب ضرورت ہوتی ہے چاء کی تو یہ ہوتا ہے دیگچی میں چاء پکالی اور معمولی پیالیوں میں پلادی رفع ضرورت کے لئے بہت کافی ہے۔

برف کا برتن الگ ہونا بے معنیٰ ہے

اور آجکل کا عرف یہ ہے کہ ہر کام کا برتن بھی علیحدہ ہوحتی کہ برف گھولنے کا برتن بھی علیحدہ ہوتا ہے حالانکہ اس کے لئے تخصیص کی کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی۔

حفاظت کے بارے سبکدوش ہونے کے لئے منی آرڈر خرچ کرنا

حضرت والا نے قنوج سے مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر تھانہ بھون کو روانہ کئے ۔ ایک روپیہ فیس میں خرچ کیا۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک روپیہ فضول گیا فرمایا کہ فضول کیوں گیا اپنی آسائش کے لئے خرچ کیا گیا۔ وہ آسائش یہ کہ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا بوجھ کی تدبیر یہ ہو سکتی تھی کہ نوٹ خرید لئے جاتے ۔ فرمایا ان کی حفاظت بھی ایک بوجھ ہے اس سے نجات ملی ۔ پھر فرمایا اسی طرح میں نے ایک دفعہ کانپور سے مولوی محمد رشید صاحب کی معرفت سو روپے روانہ کئے تو ان کے گھر میں کہا یہ ایک روپیہ فیس میں خرچ کرنا اضاعت مال ہے۔ اتفاقاً ایک دفعہ کسی ایک پرچہ میں میرا ایک مضمون چھپا جس کا حاصل یہ تھا کہ اضاعت واسراف وہ ہے جسمیں کوئی مصلحت نہ ہو ورنہ کچھ حرج نہیں یہاں مصلحت بوجھ کم کرنا اور اپنی جان کو خطرہ سے بچانا ہے۔ وہ مضمون کہیں ان کی نظر سے گذرا تو مجھ کو انہوں نے پرچہ لکھا کہ یہ خطا مجھ سے ہوئی تھی معاف فرمائیں وہ نہایت فہیم اور نیک بی بی ہیں۔

عورتیں نیک تو بہت ہیں فہیم کم ہیں

عورتیں نیک تو اکثر ہوتی ہیں مگر فہیم کم ہوتی ہیں ۔ فہم ہی ایک چیز ہے۔ ہمارے مجمع کے علماء سب وسیع النظر زیادہ نہیں ہیں ہاں فہم حق تعالی نے ایسا دیا ہے کہ نظیر ملنا مشکل ہے۔

فہم عجیب چیز ہے صحابہؓ کو اسی سے فضیلت ہے

صحابہؓ بھی سب مسائل پورے پورے نہ جانتے تھے بعض جانتے تھے بعض صحابی ایسے بھی ہیں

کہ مسائل ان سے پوچھتے جاتے تو کہتے فلانے تابعی سے پوچھ لو۔ پھر صحابہ کی فضلیت کس چیز سے تھی ؟فہم سے مولانا محمد قاسم صاحب تو کتاب سے کچھ کہتے ہی نہیں تھے۔اس فہم خداداد سے کہتے تھے جس کی نسبت وارد ہے۔من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین

ہمارے بعض وسیع النظر حضرات

اور ہمارے بعض حضرات کی نظر بھی بہت وسیع تھی جیسے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ ایک ہزار کتابیں میں نے دیکھی ہیں۔

مولانا ہر وقت کتاب دیکھا کرتے تھے اور ذکی اس قدر تھے کہ کوئی گھنٹہ دو گھنٹہ چادر اوڑھ لے تو اس کو سونگھ کر بتا دیتے تھے کہ مرد نے اوڑھی ہے یا عورت نے۔ پھر ایک دفعہ مولانا گھوڑے پر سے گر گئے تھے اور سر میں چوٹ آئی تھی جس سے یہ بات جاتی رہی تھی۔

صاحبزادہ احمد میاں صاحب خلف جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کا ذکر ہوا تو فرمایا ابتداء ان میں امارت کی سی شان تھی لوگ اسکو برا سمجھتے ہیں مجھ سے ذکر آیا تو میں نے کہا دیکھ لینا یہ حالت بہت جلد بدل جائے گی مولانا کا رنگ ان میں ہے۔ یہ دوسرا رنگ عارضی سکھایا بہکایا ہوا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا بہت تھوڑے عرصہ میں سب چھوڑ چھاڑ دیا۔نہایت نیک آدمی تھے۔ اور بدعات کے خلاف تھے یہ اور بات ہے کہ بزرگی کی وجہ سے سکوت کر جائیں۔لیکن پسند نہ کرتے تھے۔

کان ناک چھیدنا

سوال؟ کان ناک چھیدنا حسب رواج ہندوستان ثابت ہے یانہیں فرمایا کان کی صرف لو چھیدنا ثابت ہے اور ناک چھیدنا ثابت نہیں۔ بلاق تو بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے۔خواجہ صاحب نے پوچھا میں اپنی لڑکی کے ناک کان چھداؤں یانہیں فرمایا جواز تو ہے ہی اور یہ بات قابل غور ہے کہ بڑے ہوکر اس کو خود یہ حسرت نہ ہو کہ میرے ناک کان نہ چھدے یا عورتیں اسکو نہ چھیڑیں اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے۔ حضرت گنگوہی نے صاحبزادی کے کان سوائے لو کے نہ چھدوائے تھے۔گنگوہ میں ناک چھدوانے کا رواج تو قریب قریب بالکل جاتا رہا۔

اپنی زندگی میں جائیداد کسی کو نہ دے

تقسیم جائیداد کا ذکر ہوا تو فرمایا اپنی حیات میں جائداد اولاد کو دے دینا ٹھیک نہیں اور اگر دے

تو پھر ان سے کچھ توقع نہ رکھے تکلیف توقع رکھنے سے ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں شاعری اور اخبار نویسی کا شغل رکھتا تھا۔ مگر اب توبہ کر لی کیونکہ اخبار نویسی کے شغل میں ہر وقت یہی فکر رہتی تھی کہ فلاں مضمون کی یہ سرخی ہونی چاہئے فلاں اقتباس فلاں جگہ سے ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

کثرت اشغال کو تشویش قلب لازم ہے

فرمایا اس قسم کے کاموں میں تشویش قلب لازم ہے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی گو دینی کاموں کو ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور وہ منافی بھی نہیں توجہ الی الحق کے لیکن پھر بھی توجہ بلا واسطہ کے برابر نہیں۔

چنانچہ ایسے کام کرنے کے بعد ابھی اہل اللہ کے قلب میں ایک طبعی کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور استغفار کرتے ہیں۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے لیغان علی قلبی۔ یعنی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں بھی کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور میں دن میں ستر (۷۰) مرتبہ استغفار کیا کرتا ہوں۔

تکبر اور خلاف عادت کام سے خجلت

فرمایا بعضے امور ناگوار طبیعت ہوتے ہیں اور ناگواری کی وجہ دو ہوتی ہیں۔ تکبر یا خلاف عادت ہونا مابہ الامتیاز اور معیار تکبر اور خلاف عادت کا یہ ہے کہ اگر اس شخص کا خلاف عادت اعزاز بھی کیا جائے تب بھی شرمائے تو وہ ناگواری خلاف عادت ہونے سے ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو مثلاً ایک شخص ہے کہ بازار میں سر پر گٹھا لے چلنے میں شرماتا ہے اور ہاتھی پر چڑھنے میں نہیں شرماتا گو خلاف عادت ہو تو یہ تکبر نہیں (فرمایا حضرت والا نے یہ مضمون مضامین میں غیر منقولہ میں سے ہے اس کی نسبت عرصہ سے خلجان تھا۔)

کبھی ایک بلا دوسری بلا کا دفعیہ ہوتی ہے۔

صبح کی دعوت شیخ معشوق علی صاحب کے یہاں تھی (یہ صاحب حضرت کے خلیفہ ہیں) قریب ۹ نو بجے کے ان کے یہاں تشریف لے گئے اور قریب ایک بجے کے کھانا ملا وہاں بیٹھے ہوئے طرح طرح کی گفتگو ہوتی رہی از اں جملہ یہ کہ فرمایا بعضی بلا دوسری بلاؤں کا دفعیہ ہوتی ہیں مولانا روم کہتے ہیں ؎

''کیں بلا دفع بلا ہائے بزرگ۔'' میرے پیر میں موچ آ گئی تھی ایک دفعہ پیخانہ میں پیر پھسلا تو وہ موچ نکل گئی۔

شیخ معشوق علی صاحب کے بھائی صاحب نے درخواست کی کہ ایک شادی میں حضرت سندیلہ تشریف لے چلیں تا کہ وعظ ہو اور امید ہے کہ بہت سی رسوم کی اصلاح ہوگی۔ فرمایا عین وقت پر جیسا موقع ہوگا عرض کروں گا بہانہ تو کروں گا نہیں کوئی مانع ہوا تو عذر کروں گا ورنہ نہیں۔ ورنہ ایک دو ہفتہ پہلے اطلاع ہونا چاہئے۔

ایک لڑکا لایا گیا کہ اس کا قاعدہ سن لیجئے۔ حضرت نے اس کا سبق سنا اور حاضرین سے فرمایا دعا کر دیجئے سب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور حضرت والا نے بھی دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ ان کی عمر و علم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

ایک صاحب حضرت والا کی دعوت کرنا چاہتے تھے مگر وقت نہ مل سکا تو کہنے لگے حضور ایسے تشریف لاتے ہیں کہ میں ہمیشہ محروم رہتا ہوں فرمایا حاضر تو ہوں آپکے سامنے اور جس معنی کر آپ نے فرمایا وہ تو میری محرومی کہ آپ کے یہاں کھانے سے محروم رہا۔ آپ کی محرومی کیسی ہے۔

ابناء زبان کی پابندی وقت بھی محض تقلید اور برائے گفتن ہے

پابندی وقت کا ذکر ہوا تو فرمایا جو لوگ وقت کی قدر دانی کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا دعویٰ برائے گفتن ہے۔ یہ جب قابل تعریف تھا کہ سوائے ان کاموں کے جن کو محض تقلیداً اختیار کر رکھا ہے دوسرے اپنے کاموں میں بھی پابندی کرتے مثلاً نماز کے بھی ایسے پابند ہوتے کہ کبھی ایک منٹ کی دیر نہ ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں بھی دوسروں کی نقل ہی نقل ہے۔

مستورات کی صحت پر لطیف بحث

صحت مستورات کا ذکر ہوا تو فرمایا مستورات کی صحت اکثر خراب ہے اور وجہ اسکی ترک ریاضت ہے چرخہ اور چکی اچھی ریاضت تھی مگر رواج بدل گیا۔ جا بجا مشینیں ہوگئیں ہیں ان کے سامنے رواج بھی نہیں ہوسکتا۔ اسپر ایک شخص نے حاضرین میں سے کہا کہ رپورٹوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندی پردہ اس کی وجہ ہے عربی اور ترکی پردہ کافی تھا۔ مگر پردہ کو اس قدر بڑھا دیا کہ عورتیں ہوا تک سے محروم

ہیں۔

پردہ مخل صحت نہیں

فرمایا اس پردہ کا انجام بے پردگی ہے۔چنانچہ مصر کی حالت ناگفتہ بہ ہے اس سے تو بالکل پردہ اٹھا دینا اچھا تھا۔اور بعض نواح ہندوستان میں بھی پردہ کم ہو گیا تو عفت بھی ندارد ہے اور پرانی عورتوں کی صحت اب بھی اچھی ہے۔حالانکہ پردہ تھا۔

اسپر کہا گیا کہ پرانی عورتوں کو غذا اچھی ملتی تھی یہ وجہ صحت کی ہے۔فرمایا اب تمول زیادہ ہے غذا عمدہ مل سکتی ہے اور ایسے گھر موجود ہیں جن میں غذا اچھی کھائی جاتی ہے۔صاحب ثروت ہیں خدا کا فضل ہے کسی بات کی تکلیف نہیں۔مگر صحت کی وہی حالت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تنعم اور تکلف بڑھ گیا۔اور ہم لوگوں نے جس قوم سے یہ سیکھا ہے وہ خود محنتی ہیں اور اتنا تکلف بھی نہیں رکھتے۔سب سے عمدہ چیز چکی ہے مگر مانے گا کون میں نے ایک جگہ مستورات میں کہا کہ چکی پیسا کریں تو کہنے لگیں نوج ہم ایسا کیوں کرتے اس پر کہا گیا کہ مستورات کو ریاضت کا وقت بھی نہیں ملتا ہے۔ہر وقت وہ گھر کے دھندوں میں پھنسی رہتی ہیں

مسلمانوں میں تضیع وقت شعار ہو گیا ہے

فرمایا ہر شخص اپنے وقت کا حساب کرے تو ثابت ہو جائے کہ نصف سے زائد وقت خراب ہوتا ہے وقت کو خراب نہ کیا جائے تو بہت کام ہو جائیں۔

مگر پابندی وقت ہم لوگوں نے ایسی چھوڑی ہے کہ اب اس کا کرنا نئی سی بات معلوم ہوتی ہے۔بعضی بات شعار قومی ہو جاتی ہے۔پھر سب اس کے خلاف کو عیب سمجھتے ہیں۔مسلمانوں کے لئے تضیع وقت شعار ہو گئی ہے۔اب کوئی انضباط وقت کرے تو انکو بنایا جاتا ہے اس پر کہا گیا کہ اب عورتوں میں تنعم کیسے نہ ہو بعض لوگوں کو میلا کچیلا بدبودار رہنا عورتوں کا پسند نہیں۔کوٹنے پیسنے میں صاف ستھری کیسے رہ سکتی ہیں فرمایا جب میل کچیل کی بدبو پسند نہیں تو بیمار عورتوں کو خوشبو سونگھایا کریں بعضی عورتیں موسل سے دھان کوٹتی ہیں وہ خوب تندرست ہوتی ہیں۔بیمار کے ساتھ کیا لطف زندگی ہے کوئی بی بی بیماریوں کے مارے سوکھی کانٹا سی ہیں اور کسی کا جسم بادی سے پھول کر کپا ہو گیا ہے اعتدال تو ریاضت سے ہی ہو سکتا ہے۔

موٹے آدمیوں کی حکایت

ایک جگہ ایک چودہرائن تھیں (چودہری وہاں رئیس کو کہتے ہیں) ان کا آبدست تو نوکرنی کیا کرتی تھی۔ بعضے موٹے آدمیوں کو سنا کہ ان کا آبدست کپڑے کے تھان سے کیا جاتا ہے دو آدمی کھڑے ہو کر ادھر اُدھر کو کھینچتے ہیں اور سقہ پانی ڈالتا ہے یہ کیا زندگی ہے خدا بچائے۔

ایک معنی خیز مجادلت اور مشفقانہ نصیحت

مجمع میں ایک صاحب نئے فیشن کے تھے انہوں نے اولاً باتوں میں بہت عقیدت ظاہر کی اور ان کے خاندان کے حضرت سے تعلقات تھے انہوں دو روپے حضرت والا کی خدمت میں پیش کئے حضرت نے عذر کیا۔ مگر اصرار کیا گیا۔ حضرت والا نے پرانے تعلقات کی وجہ سے دو روپے لے لئے۔

روح اللہ افضل القاب نہیں ہے

ذرا دیر کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ روح اللہ لقب ہے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا اور یہ ایسا لقب ہے جس کی برابر کوئی نہیں ہو سکتا (مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف سے افضلیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے۔)

فرمایا خاص حالت کے لحاظ سے روح اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی نفخ روح بلا واسطہ اب کی وجہ سے اور اس کا افضل القاب ہونا مسلم نہیں صرف خصوصیت موقع کا لقب ہے۔ سائل نے کہا یہ حالت یعنی نفخ روح بلا واسطہ افضل حالات ہے فرمایا آدم علیہ السلام بلا ماں باپ کے پیدا ہوئے یہ حالت اس سے بھی زیادہ افضل ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے آدم علیہ السلام افضل ہوئے۔ کہا عیسائی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ افضلیت حضرت عیسیٰ کی ان پر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔ فرمایا وہ گناہ نہیں دلیل فَنَسِیَ آدَمُ وَنَسِیَتْ ذُرِّیَتُہٗ نسیان سے گناہ نہیں ہوتا اور نفس جواب دے دینا تو کوئی بات نہیں جب کوئی دوسرے سے بات کرتا ہے تو الٹی سیدھی کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جاتا ہے کسی کے بند کئے زبان تھوڑا ہی بند ہو سکتی ہے۔

نفس جواب تو کوئی بات نہیں ہے۔ شیطان نے حق تعالیٰ کو جواب دے دیا

دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ جواب ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ یوں تو شیطان نے بھی اللہ میاں کو جواب

دے دیا تھا۔ جب پوچھا گیا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا: خلقتنی من نار وخلقتہ من طین حق تعالیٰ نے اس پر نکل جانے کا حکم دیا اور اس جواب کا جواب نہیں دیا۔

اگر کسی کے بک بک کئے جانے سے جواب ہو جائے تو شیطان ایسا حاضر جواب تھا کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ جواب نہ آیا تو بات یہ دیکھنا چاہئے کہ جواب صحیح بھی ہے یا نہیں۔ بات لچر ہے تو نفس جواب کا لفظ آ جانے سے ہم کیسے ڈر جائیں۔ سائل نے کہا وہ عیسائی چٹ سے یہی جواب دے دیتا ہے۔ فرمایا ایک بات کو چند بار کہنے سے کچھ وقعت بات کی نہیں ہو جاتی۔ اسی بات کا جواب تو دیا آپ پھر اس کو دہراتے ہیں میں بار بار جواب کو دہرانے میں وقت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا (حضرت کو ان کی اس گفتگو سے الجھن ہوتی تھی اور رات کو نیند بھی خراب ہوئی تھی اس وجہ سے طبیعت مضمحل تھی مکرر سہ کرر ایک بات کو سننے سے بڑا تکدر رہا۔

بلا کافی علم کے مخالف سے گفتگو کرنا خطرناک ہے

فرمایا میں بطور نصیحت عرض کرتا ہوں کہ بلا کافی علم کے ان قصوں میں پڑنا خطرناک ہے اس سے کہہ دینا چاہئے کہ اس بحث کو علماء جانیں ان سے گفتگو کرلو۔ سائل نے کہا وہ علماء سے گفتگو نہیں کرسکتا عامی آدمی ہے اس کی تسلی تو عام فہم جواب سے ہی ہونا چاہئے۔

فرمایا تو آپ کے لئے اس کی صحبت بھی اچھی نہیں اور اگر صحبت کی ضرورت ہے تو اس سے یہی کہہ دیجئے کہ ہمارے علماء سے جا کر پوچھ لے کہا وہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے اگر اس وقت اس کو جواب نہ ملے تو بڑی خفت کی بات ہے۔ فرمایا کچھ خفت نہیں۔ جو بات آپ جانتے نہیں ہیں اس کا جواب نہ دینے میں کیا بے وقعتی ہے آپ نے طب نہیں پڑھی ہے اگر کوئی چاہئے کہ آپ سے کسی مریض کے لئے نسخہ لکھوائے تو آپ یہی کہیں گے کہ میں طبیب نہیں ہوں۔ یا وہاں بھی اس خیال سے کہ بڑی خفت ہوگی نسخہ لکھنے کو بیٹھ جائیں گے یا کوئی آپ سے چارپائی بنوانا چاہے تو اس کہنے سے آپ کو ذرا بھی باک نہ ہوگا کہ یہ کام مجھے نہیں آتا کھٹینے کے پاس جاؤ تمام کاموں میں جب یہ حالت ہے تو دین ہی میں اگر یہ کہہ دیا جائے گا کہ یہ کام ہم کو نہیں آتا اس کام کے آدمیوں کے پاس جاؤ تو کیا بیوقعتی ہو جائے گی۔ دین کو لوگوں نے ایسا سہل سمجھ رکھا ہے کہ بے پڑھے لکھے ہی آ جانا چاہئے اور ہر شخص اس میں گفتگو کرسکتا ہے نسخہ لکھنا اور چارپائی بننا تو سیکھنے کا محتاج ہے اور دین نہیں عجیب (یہ گفتگو حضرت والا نے ذرا تیزی کے

ساتھ کی مگر سائل پر ذرا اثر نہ ہوا۔اور بے تکلف بیباکی کے ساتھ بے ربط ایک اور سوال شروع کردیا۔

ازواج مطہرات کی نسبت ایک سوال

سوال۔ازواج مطہرات کی سورہ ''تحریم'' میں سخت الفاظ سے تنبیہ کی گئی ہے اس سے ان کی بے وقعتی ہوتی ہے۔فرمایا سخت نہیں ہاں تعداد میں الفاظ بہت ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حق تعالی کے نزدیک ان کی وقعت زیادہ ہے۔دیکھئے سلطنت کے مقابلہ میں اگر کوئی سلطنت کھڑی ہوتو اس سے جنگ کی جاتی ہے اور کوئی معمولی آدمی مقابلہ کے لئے کھڑا ہوجائے تو اس کا جواب بھی نہیں دیا جاتا تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلطنت کی وقعت ہے اور معمولی آدمی کے مقابلہ میں سکوت کیا جاتا ہے۔اس خیال سے کہ اس کو جب چاہیں گے ایک چانٹے میں سیدھا کرلیں گے۔

ایک ولایتی کی حکایت

حضرت والا نے سائل کو پھر فہمائش کی کہ یہ باتیں آپ عیسائیوں کی کتابوں سے نقل کررہے ہیں یہ کتابیں دیکھنا چھوڑ دیجئے۔

کہا' یہ ناممکن ہے بلکہ جواب حاصل کرنے کے لئے دیکھی جاتی ہیں فرمایا تو اسکی مثال اس ولایتی کی سی ہے جس کے ساتھ کسی نے یہ احسان کیا تھا کہ وہ زخمی تھا اس کی مرہم پٹی کی جس سے وہ اچھا ہوگیا۔اتفاق سے یہ شخص ولایتی کے ملک میں جانکلا وہ ان کو گھر لے گیا اور بٹھا کر کہا۔ٹھیرو ہم آتا ہے یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔اس شخص کی بی بی نے اس کا حال پوچھا اس نے بتلایا اس نے کہا کہ ہاں یہ تمھارا ذکر کرتا تھا کہ ہم اسکو یہ بدلہ دے گا کہ زخمی کرکے علاج کرے گا۔اب وہ چھرا لائے گا اور تم کو زخمی کرے گا۔ پھر تمھارا علاج کرے گا۔تاکہ احسان کا بدلہ احسان ہو۔یہ وہاں سے بھاگے جن جوابوں کی آپ کوشش کرتے ہیں وہ ایسے ہیں۔جواب الزامی سے شبہ رفع نہیں ہوتا بلکہ وہ شبہ بحال اور جدید شبہ اور پیدا ہوجاتا ہے اور تحقیقی کے جوابات بے رنگ ہوتے ہیں مگر محقق اور اٹل ہوتے ہیں اور چاہے اس وقت آپ کو وہ پسند نہ آئیں۔مگر دس برس کے بعد آپ کو بھی یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا اور میں بتائے دیتا ہوں کہ ''ایں کار بیکاران است''۔اگر دنیا کا یا دین کا کوئی بھی مشغلہ ہوتو ان باتوں کی فرصت ہی نہ ہو۔سائل نے کہا کہ یہ بات تو ٹال دینے کی ہے کہ دوسروں کی کتابیں نہ دیکھو آپ ان کتابوں کو دیکھیں تو آپ کو بھی

جوش آ جائے کس قدر بدتمیزیاں ان میں بھری ہوئی ہیں میرے نزدیک علماء کو بھی انکا دیکھنا ضروری ہے۔ فرمایا مجھے آپ مشورہ نہ دیجئے میری بات سن لیجئے یہ میرا مشورہ ہے جو عرض کیا مجھے آپ سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں آپ نے پوچھا جب ہم نے جو اپنے نزدیک سمجھا وہ مشورہ دیا۔

اگر آپ ہم کو جاننے والا اور تجربہ کار سمجھ کر پوچھتے ہیں تو ہمارا کہنا مان لیں کہ انکی کتابیں نہ دیکھیں اور اگر جاننے والا نہیں سمجھتے تو پوچھنا فضول ہے اور جاننے والا سمجھ کر مشورہ کو نہ ماننا اور اعتراضات کے جواب پوچھنے کا حاصل یہ ہے کہ ہم نوکر ہیں کہ الٹے سیدھے جس راہ آپ چلائیں ہم کو چلنا چاہئے اگر حل کرنا ہے شبہات کا تو ترتیب وار چلئے اور خدا کے متعلق ملاحدہ کے شبہات پیش کرتا ہوں کتابیں دیکھ کر یا علماء سے پوچھ کر حل تو کر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں تکلیف دیں اول مرتبہ تو خدا کا ہے اسی کے متعلق پہلے بحث کرلیں۔ ہم سے عیسائی سوال کرتے ہیں کہ کیسے بے دیکھی چیز کو مان لیا ہزار برس تک کوئی عیسائی جواب دے دے جس کو کتاب دیکھ کر شبہات ہوتے ہوں اور ان کے حل کرنے کی وہ قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اسکو ان کتابوں کا دیکھنا زہر قاتل ہے پہلے علم حاصل کرنا چاہئے ورنہ بلا ہتیار کے میدان جنگ میں جانا ہے سائل کی تسلی باوجود اتنی تقریر کے نہ ہوئی مگر طوعاً کرہاً خاموش ہو گئے۔

قصہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بابت نہی عن قراءت التوراۃ

حضرت والا بھی ذرا دیر خاموش بیٹھے رہے پھر فرمایا میرے اس مشورہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمرؓ کو قراءت توریت سے منع کرنے میں کیا فرق ہے۔ یہ بڑے کام کی بات ہے اسکی قدر خلو ذہن کے وقت ہو سکتی ہے مگر آج کل لوگ اس کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ علماء سے جواب نہیں آتا۔ حالانکہ علم کلام کی کتابیں مشکل سے مشکل اعتراضوں سے بھری پڑی ہیں۔

اسلامی علماء کے اطفال مکتب ان کے جواب دے سکتے ہیں علماء اسلام تو علم کلام کتابوں میں اعتراضوں کو پڑھتے پڑھتے عادی ہو گئے ہیں اور ان کے نزدیک یہ اعتراضات کوئی بڑی اور نئی بات نہیں ہیں۔ سائل نے کہا مجھے افسوس ہے کہ عیسائی ہر شخص سے الجھتا ہے اور چھیڑ چھاڑ کرتا ہے اور ہماری طرف کوئی بھی ایسا نہیں فرمایا اہل باطل کو عادت چھیڑ چھاڑ کی ہوتی ہے اور اہل حق کو یہ عادت نہیں ہوتی۔ سائل نے کہا اگر ہم کو ان کا جواب معلوم ہو تو فوراً روک دیں۔

جواب جب دینا چاہئے کہ سائل کو طلب ہو اور امید نفع ہو

فرمایا اگر آپ نے ایک شبہ کا حل سن بھی لیا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ ذرا دیر میں اور کوئی شبہ پیدا ہو گا۔ اگر حلف نامہ داخل کیا جائے کہ ہم آئندہ دوسروں کی کتابیں نہ دیکھیں گے تو میں پرانے شبہات کے حل کرنے کے لئے تیار ہوں اور جتنا بھی وقت لگے پرواہ نہیں خواہ تمام عمر صرف ہو جائے۔ کیونکہ کچھ نتیجہ تو نکلے گا۔ اور اس سے تو کچھ بھی نتیجہ نہیں آج ایک شبہ حل کر دیا۔ کل کو دس اور موجود ہیں سائل نے کہا اگر جواب مل جائے تو اسکا منہ بند ہو۔ پھر ممکن ہے کہ وہ راہ راست پر آ جائے۔ یا کم از کم دوسرے مسلمان تو بچ جائیں گے۔ فرمایا آپ اپنی کملی کی خیر منائیں۔ دوسروں کی فکر کی آپ کو ضرورت نہیں یہ کام آپ کا نہیں۔ نہ آپ سے اس کا سوال ہوگا۔ کہ کیوں آپ نے مسلمانوں کو نہ بچایا تھا جن کا یہ کام ہے انہیں سے باز پرس ہوگی۔

اور وہی اس کام کو کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ پھر فرمایا ایک اور بات یہ بھی ہے کہ محققین جواب بھی جب دیتے ہیں کہ ثابت ہو جائے کہ واقعی سائل کو طلب ہے اور نفع کی امید ہے اور صرف مشغلہ نہ ہو اور آپ جو اس کا جواب دینے کی فکر میں رہتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہے بلا علم جواب دینے میں کبھی نہ کبھی خفت تو ہوگی ہی۔

مباحثہ کی خرابیاں

ان مباحثوں اور باہمی گفتگو میں علاوہ بیکار ہونے کے بہت سی خرابیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ بے ادبی لازم آ جاتی ہے سماعاً یا تکلماً جیسے ایک عیسائی تعدد ازواج پر اعتراض کر رہا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فوقیت ثابت کر رہا تھا کہ آپ نے ایک نکاح بھی نہیں کیا ایک شخص نے کہا اس کا بھی کچھ ثبوت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مرد بھی تھے۔ یا کسی نے عیسائی کے مقابلہ میں کہا تھا کہ ایک ہی بیٹا ہوا خدا کے میرے تو ہو لئے بیس اور ابھی اور ہوں گے یہ کیا خرافات ہیں اور نتیجہ کچھ بھی نہیں مجھے مناظرہ کا بڑا شوق تھا۔ کہیں الزاماً اور کہیں تحقیقاً مگر اب اتنی ہی نفرت ہے۔

حضرت حاجی صاحب نے سخت منع فرمایا۔ اسوقت دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ کھانے میں ذرا دیر تھی حضرت والا کو صاحب خانہ گھر میں بلا کر لے گئے۔ اور وہ سائل صاحب جوش میں بھرے

بیٹھے رہے خواجہ صاحب سے اور احقر سے بہت دیر تک گفتگو ہوئی ۔مگر وہ ---------- وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہانکتے رہے ۔ یہ وہی صاحب تھے جنہوں نے ذرا دیر پہلے دو روپیہ ہدیہ دیئے تھے ۔ حضرت والا نے ایک موقع پر خدام سے فرمایا کہ اس گفتگو سے مجھے نہایت تکدر رہوا ۔ اور بے اختیار دل چاہا کہ اس ہدیہ کو واپس کر دوں مگر یہ خیال ہوا کہ واپس کرنے سے اور تنافر بڑھے گا ۔ بس میں ایسا بن گیا کہ گویا ہدیہ کو میں بھول گیا ۔ اور نہ یہ گفتگو مجھ سے ہوئی ۔

ایک منی آرڈر پندرہ آنہ کا پہنچا ۔ یہ منی آرڈر مولوی ابوالحسن صاحب نے مئو ضلع اعظم گڈھ سے بھیجا اصلیت اس کی یہ تھی کہ ایک روپیہ حضرت والا کا پالکی میں سے اترتے وقت مئو میں گر گیا تھا ۔ اس وقت تلاش کیا گیا ۔ مگر نہ ملا مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ یہ روپیہ مجھ سے لے لیا جائے میں اس گم شدہ روپیہ کو تلاش کر لوں گا ۔ فرمایا اسکی کیا ضرورت ہے اول تو ایک روپیہ چیز کیا ہے اگر مل جائے تو آپ رکھ لیں یا اگر یہ گوارا نہ ہو تو میرے پاس بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں ۔ عرض کیا فیس منی آرڈر کون دے گا فرمایا اسی میں سے دے دیا جائے ۔ چنانچہ ایک آنہ فیس کا دے کر پندرہ آنہ بھیجتا ہوں ۔ اور مئو میں میں نے حضرت والا کے واسطے مچھلی پکوا کر ساتھ کر دی تھی اسکے چند قتلے یہاں بچوں نے کھا لئے تھے اسکو معاف کر دیں ۔ فرمایا حضرت والا نے مولوی صاحب کے مزاج میں کس قدر احتیاط ہے (راقم الحروف کہتا ہے یہ ہے حسن معاشرت جسکی نظیریں بعض صحابہ کے قصوں میں پائی جاتی ہیں یہ مچھلی حضرت والا کی ملک نہ تھی ۔ بلکہ مولوی ابوالحسن صاحب نے خود خرید کر پکوائی تھی ۔ چونکہ حضرت والا کا نام لگ گیا اسوسطے شرکت غیرے گوارا نہیں کی ۔) جب یہ منی آرڈر پندرہ آنہ کا پہنچا تو ایک آنہ خواجہ صاحب نے ہدیہ دیا تا کہ روپیہ پورا ہو جائے ۔

فرمایا عبدالرحمٰن خان صاحب ملک مطبع نظامی کا قصہ ہے کہ ریل میں ایک مرتاض ہندو سے ان کی آنکھیں چار ہو گئیں تو ایسا اثر ہوا کہ قلب پر ظلمت چھا گئی ۔ خاں صاحب نے مجھ سے کہا میں نے کچھ اللہ کا نام بتا دیا وہ بات رفع ہو گئی اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ۔ من سمع بالدجال فلینامنہ یعنی جو کوئی دجال کے نکلنے کی خبر سنے تو چاہئے کہ اس سے دور رہے خواہ مخواہ اس کے سامنے نہ جائے ۔

بری صحبت سے بچنا

یہ ہے اصل اس بات کی کہ بری صحبت سے منع کیا جاتا ہے لوگ بری صحبت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں

ہیں عیسائیوں سے دوستی ہے۔ ہندوؤں سے دوستی ہے آریوں سے دوستی ہے اور ان سے مذہبی چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں اور علم کچھ ہے نہیں حضرت برے آدمی کے پاس بیٹھنے کا بعض وقت یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کی حالت ایک دم بدل جاتی ہے۔خدا بچائے۔

قصہ شاہ عبدالحق صاحب دہلویؒ

فرمایا ایک جگہ لکھا دیکھا ہے کی شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کو مدینہ طیبہ سے حکم ہوا ہندوستان جانے کا تو منجملہ وصایا یہ بھی تھا کہ خاکساران ہند کے حال پر عنایت رکھنا۔ شیخ نے وقت رخصت عرض کیا کہ حضور کی زیارت کیسے ہوگی ۔ارشاد ہوا کہ روز ہوا کرے گی ۔ چنانچہ روز ہوتی تھی ۔ راستہ میں ایک فقیر کو سنا حسب وصیت ملنے گئے تو اس نے شراب پیش کی انہوں نے انکار کیا اس نے کہا پچھتاؤ گے ۔ انہوں نے کچھ التفات نہ کیا ۔رات کو دیکھا کہ حضور کا دربار ہے ۔ انہوں نے چاہا کہ وہ اندر جائیں ۔مگر دیکھا کہ وہ فقیر دروازہ پر کھڑا ہے اور کہتا ہے جب تک شراب نہیں پیئے گا ہرگز نہ جانے پائے گا۔ چنانچہ محروم رہے انہوں نے کہا زیارت واجب نہیں اور شراب سے بچنا واجب ہے ۔ اگلے دن بھی یہی قصہ پیش آیا۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی دیکھا۔ بس انہوں نے مجلس کے باہر سے آواز دی یارسول اللہ اغثنی حضور ﷺ نے اس فقیر کو ڈانٹا اور فرمایا اخساء یا کلب ۔ اور ان کو اندر بلالیا۔ صبح کو انہوں نے اس فقیر کے مکان پر جا کر دیکھا تو وہ فقیر ندارد تھا۔ لوگوں سے پوچھا کہاں گیا فقیر کسی نے کہا معلوم نہیں ہاں اتنا دیکھا کہ ایک کتا یہاں سے نکل کر چلا گیا فرمایا حضرت والا نے ایسے تصرفات بھی اہل باطل کے ہوتے ہیں۔

دو طالب علموں کا قصہ

میرے یہاں کے دو طالب علم ایک مبتدع شخص سے مناظرہ کرنے گئے مگر خدا جانے کیا ہوا ۔اس سے بیعت ہو گئے مجھے خبر ہوئی تو میں نے وہ بیعت ان سے علی الاعلان فسخ کرائی اسکو خبر ہوئی تو اس نے کہا میں چلہ کھینچتا ہوں دیکھنا ۴۰ دن میں کیا ہوتا ہے میں نے کہلا بھیجا کہ ۸ دن میں بھی کچھ نہ ہوگا بعد میں اس نے کچھ کیا ہوگا مگر پھر یہ ہوا کہ وہ شخص ایسا نرم ہوا کہ کبھی کبھی خط بھی بھیجا اس سے میں سمجھا کہ غالباً اس نے کچھ کیا ہے جب کچھ نہ ہوا جب وہ ڈھیلا ہوا۔ واللہ اعلم

حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ کے برکات

لیس ھذا اوان السکوت وملازمۃ البیوت قول بزرگاں ہے ہزاروں قزاق پھرتے ہیں۔ایک بجے کے قریب کھانا کھایا۔ بعد فراغ حاجی معشوق علی صاحب کے مکان کے متصل مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی۔ بعد نماز قیام گاہ کو واپس آتے میں ایک پنشن یافتہ سب انسپکٹر صاحب کے مکان پر گئے انہوں نے زیارت کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔

اور خود پیروں سے معذور اور دائم المرض تھے اور مستعد ایسے تھے کہ اسی حالت میں صلوٰۃ التسبیح روزانہ پڑھتے تھے اور تہجد اور اشراق اور چاشت کے بھی پابند تھے اور بڑے ہی بڑے کئی پارے قرآن شریف حفظ کر لئے۔ان صاحب نے حضرت سے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا کرائی۔ راستہ میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ کی برکت ہے کہ امور باطنی کے متعلق بندہ نواز گیسو دراز کی نسبت یہ شعر پڑھا۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد ☆ واللہ خلاف نیست کہ اوعشقباز شد

یہی کیفیت حاجی صاحب کی ہے اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہی آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔

مسجد اور مزار پر سے کبوتر مارنا کیسا ہے

راستہ میں بالا پیر صاحب کے مزار پر کبوتر بہت تھے کسی نے پوچھا مزار پر سے کبوتر مارنا جائز ہے فرمایا جائز ہے اور مسجد کے اوپر کے کبوتروں کا مارنا بھی جائز ہے۔لیکن احتیاط ہونا چاہئے کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے کیونکہ حدیث میں اقامت حدود فی المسجد سے ممانعت آئی ہے اس کی وجہ علماء نے یہی بیان کی ہے کہ مسجد کے ملوث ہو جانے کا خوف ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کوئی کام ایسا کرنا جس سے مسجد ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہو نہ چاہیئے۔

ذاکر کو شکار وغیرہ کا مشغلہ نہ چاہئے

حضرت حاجی صاحب کے پاس تھانہ بھون میں ایک شخص ذکر شغل کے لئے آئے ایک روز انہوں نے شاہ ولایت میں مور مارا۔ وہاں بڑا غل مچا کیونکہ لوگ شاہ ولایت کی تعظیم حرم شریف کی سی کرتے تھے۔ حضرت کو خبر ہوئی تو ان سے کہا تم شکار کرنے کو آئے ہو یا ذکر کرنے کو' جاؤ یہاں سے انہوں

نے بہت معذرت کی تب معافی دی۔

مزار پر عمارت بنانا اور چراغ جلانا جائز نہیں

فرمایا حضرت والا نے مزار پر تعمیر جائز نہیں حدیث میں ہے نهی عن تجصیص القبور وان یبنٰی علیها وان یسرج بلکہ چراغ جلانے پر لعنت آئی ہے حدیث کا لفظ ہے والمسرجین علیها۔ فرمایا مزاروں پر شکار مارنا جائز تو ہے مگر بعض جگہ اس سے فتنہ ہوتا ہے لہذا مناسب نہیں۔

جسمیں خود غرضی اور غلط فہمی نہ ہو وہ حق گو ضرور ہوگا

فرمایا حق بات نہ کہنے کی وجہ یا خود غرضی ہوتی ہے یا غلط فہمی جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو وہ حق بات کہنے سے کیوں چوکے گا۔

حضرت حاجی صاحب میں یہی تھا کہ کچھ نہ تھا

فرمایا مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حضرت حاجی صاحب میں کیا دیکھا جس سے معتقد ہوئے۔ فرمایا اسی سے معتقد ہوئے کہ کچھ نہیں دیکھا۔ (یعنی جو کچھ بھی تھا اس میں ڈھونگ نہ تھا۔)

۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز یک شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

نفلوں میں تعیین سورۃ کا حکم

شب یک شنبہ پوچھا گیا نفلوں میں بھی تعیین سورۃ منع ہے یا نہیں فرمایا فقہا نے مکروہ لکھا ہے مگر یہ جب ہے کہ کسی سورۃ کو افضل یا ضروری سمجھ کر معین کرے اور یہ بھی ان مواقع میں ہے جہاں فضیلت وارد نہ ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے اس کو ترجیح ہو تو مکروہ نہیں ہاں اسکو ضروری نہ سمجھے کہ زیادتی علی الشرع ہے۔

سورۃ یٰسین تہجد میں پڑھنا

حضرت حاجی صاحب سورۃ یٰسین تہجد میں پڑھنے کی نسبت فرمایا کرتے تھے یٰسین قلب قرآن ہے اور تہجد قلب لیل میں ہوتا ہے اور اسوقت قلب مصلی بھی حاضر ہوتا ہے مثل مشہور ہے کہ ”دو دل یک

شود بشکند کوہ را'' یہاں تین قلب مجتمع ہیں ۔ نماز عشاء اول وقت قنوج میں مکان پر پڑھی کیونکہ مسجد میں ابھی جماعت میں دیر تھی اور ریل پر جانا تھا چند اہل محلہ بھی شریک تھے ۔ تقریباً بیس آدمی تھے اور سورہ الم نشرح اور والعصر پڑھی ۔ اسباب پہلے سے تیار کر لیا گیا تھا ۔ اور بعد نماز اسٹیشن روانہ ہوئے ۔

آیت ان تتوبا الی اللہ کے متعلق

جائے قیام سے سڑک ذرا دور تھی ۔ وہاں تک پیادہ پا جانا ہوا ۔ اس راستہ میں فرمایا ۔ آیت ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل و صالح المومنین میں وان تظاہرا علیہ کی جزا محذوف ہے اور وہ لایضرہ ہے کیونکہ فان اللہ ھو مولاہ صلاحیت جزا کی نہیں رکھتا کیونکہ جزا متاخر عن الشرط ہوتی ہے اور ولایت حق تعالیٰ متاخر نہیں ۔

روانگی از قنوج

مولوی عبدالغنی صاحب ریاست بھرت پور جانے کیلئے ہمراہ تھے چونکہ سفر ڈیگ ملتوی ہو گیا ۔ لہذا وہ قنوج واپس ہو گئے ۔ قنوج کے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ جو ٹرین اس وقت جاتی ہے اس میں صرف دو گاڑیاں تو ایسی لگائی جاتی ہیں جو ایک درمیانی جنکشن پر کاٹ کر ہاترس جانے والی ٹرین میں لگا دی جاتی ہیں ۔ ان دو کے سوا تمام گاڑیاں بمبئی کی طرف چلی جاتی ہیں ۔ یعنی ان دو گاڑیوں کے مسافروں کو ہاترس تک گاڑی بدلنا نہیں پڑتی اور گاڑیوں کے مسافروں کو اس جنکشن پر تبدیلی کرنا پڑتی ہے ۔

بعض خیر خواہوں نے حضرت کا اسباب انہیں گاڑیوں میں رکھا دیا ۔ کہ راستہ میں بدلنا نہ پڑے ۔ یہ تجویز تو خیر خواہی سے کی مگر نتیجہ برعکس ہوا ۔ اور اس قدر تکلیف ہوئی کہ گاڑی تبدیل کرنے میں اس آسائش کی غرض سے انہیں دو گاڑیوں میں بیٹھتے تھے ۔ جس سے بہت زیادہ اژدہام ہو گیا ۔ گاڑیاں چھوٹی آدمی زیادہ مختلف الطبائع اشخاص سرمائی سامان ہر ایک کے ساتھ بچے اور عورتیں اور وقت شب ہونے کی وجہ سے آسائش کے خواہاں اس تمام سفر میں ایسی تکلیف کہیں نہیں ہوئی تھی ۔

بمشکل خدام نے حضرت والا کے لئے ایک چھوٹی سی بینچ نصف کے قریب خالی کر کے بستر بچھا دیا حضرت والا کی عادت ہے کہ جب تک ہمراہیان کی آسائش کا سامان نہ ہو جائے خود آرام نہیں فرماتے پوچھا اور لوگ کہاں کہاں بیٹھیں گے عرض کیا گیا جہاں موقعہ پائیں گے بیٹھ جائیں گے اور جیسے

ہوگا گذر کر لیں گے حضرت آرام فرمائیں۔ کیونکہ آج دن میں بھی آرام کا موقعہ نہیں ملا ہے خیر طوعاً کرہاً حضرت والا لیٹ گئے۔ لیکن طبیعت سے مجبوری ہے بار بار منہ کھول کر دیکھتے کہ خدام کس حال میں ہیں۔

خدام نے اس خیال سے کہ حضرت والا کو ہماری تکلیف دیکھ کر تکلیف ہوگی یہ کیا کہ دونوں بنچوں کے درمیان میں اسباب تلے اوپر رکھ کر اوپر بستر بچھا دیا خواجہ صاحب اس پر لیٹے اور احقر کو لیٹنے کی جگہ بالکل نہ ملی تو بینچ پر بیٹھ کر خواجہ صاحب کے پیروں کے اوپر پیر پھیلائے اس بینچ پر آدمی اس قدر تھے کہ بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ لیٹنا تو کیسا سب نیند میں جھوم رہے تھے۔ ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ ذرا دیر کو لیٹنے کی جگہ مل جائے۔ ادہر مولوی محمد یوسف صاحب برائے نام بینچ پر بیٹھے ہوئے پیر نیچے کو پھیلائے ہوئے تھے اور سخت بے چین تھے درمیان میں اسٹیشنوں پر اور دو چار مسافر بھی اسی حالت میں آ کر بھر گئے خواجہ صاحب کی آنکھ تو احقر کی بے چینی ان سے نہ دیکھی گئی اور کہا تم میری جگہ لیٹ جاؤ اور میں تھوڑی دیر کے لئے تمھاری جگہ بیٹھ جاؤں۔

احقر نے کہا اس سے کیا حاصل ہوگا۔ ایک آدمی کو بہر حال تکلیف تو ضرور ہوگی وہ مجھ ہی کو سہی کہا میں بینچ پر بھی جیسے ممکن ہوگا کمر ٹیکنے کی جگہ کر لوں گا۔ خیر احقر نے جگہ بدل لی۔ لیکن آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا کا مصداق ہوا۔ خواجہ صاحب نے تو جیسے تیسے مسافروں کو دبا دبو کر کمر ٹیک لی مگر وہ جگہ ایسی بری تھی کہ احقر لیٹ تو گیا اور لیٹتے ہی غلبہ نیند سے خبر نہ رہی۔ ذرا دیر نہ گذری تھی کہ ایک دم گھبرا کر آنکھ کھلی تو یہ معلوم ہوا کہ قبر کے اندر دفن کر دیا گیا ہوں نصف حصہ جسم کا بستر کے اوپر ہے اور پیر نیچے ہیں اور میرے پیروں کے اوپر خواجہ صاحب کے پیر ہیں۔ اور خواجہ صاحب کے پیروں پر ایک اور مسافر کے پیر ہیں اور اسطرح سے دبا ہوا ہوں کہ نکلنا مشکل ہے۔ بدشواری تمام اٹھ کر بیٹھا برابر میں بینچ پر حضرت والا لیٹے ہوئے تھے احقر نے کوشش کی کہ اس طرح سے اٹھے کہ حضرت والا کے آرام میں خلل نہ پڑے مگر حضرت والا خدام کی تکلیف دیکھ خود بے چین تھے۔ اور گو لیٹے تھے مگر خدا جانے نیند آئی تھی کہ نہیں احقر کے اٹھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کیا ہے عرض کیا کچھ نہیں۔ فرمایا آرام نہیں ملا۔ لہٰذا میری جگہ آ جاؤ میں سو لیا ہوں اب تم سو جاؤ۔ عرض کیا حضرت جیسے کچھ سو لئے ہیں میں برابر دیکھ رہا ہوں۔ جناب وہیں آرام فرمائیں احقر کو کچھ تکلیف نہیں غرض ایسی تکلیف اس سفر میں ہوئی کہیں نہیں ہوئی تھی جیسی اس مسافت میں ہوئی و **بضدھا تتعرف الاشیاء،**

حق تعالیٰ نے گذشتہ سفر کی آسائشوں کی قدر اس حصہ سفر میں دکھادی بہ ہزار وقت ۴ بجے کے ہاترس کے اسٹیشن پر پہنچے ٹائم ٹیبل سے معلوم ہوا تھا کہ ہاترس سے ریل ۶ بجے چھوٹتی ہے لیکن اترتے ہی معلوم ہوا کہ ۲ بجے والی ایکسپرس لیٹ ہو کر ۴ بجے آئی ہے اور تیار کھڑی ہے سب کی رائے ہوئی کہ اسی میں چل دینا چاہئے چنانچہ بہت جلدی کر کے اس میں پہنچے وہ ایسی تیار کھڑی تھی کہ ملنا بھی مشکل تھا۔ مگر اتفاق سے اس میں کچھ قیدیوں کی روانگی تھی اس وجہ سے ذرا دیر میں چھوٹی ہم سب بوجہ جلدی کے ان قیدیوں کے ہی درجہ میں گھس گئے بعض سپاہیوں نے مزاحمت کی مگر ہیڈ مسلمان تھا حضرت والا کو دیکھ کر اس نے کہا بیٹھ جانے دو۔

غرض اسی گاڑی میں روانہ ہوئے اس میں نہ پائخانہ تھا نہ پانی تھا نماز فجر کا وقت ہو گیا اور اسٹیشن بہت دور تھا۔ اخیر وقت میں علی گڈھ پہنچے بعض خدام کو پائخانہ پیشاب کی ضرورت تھی حضرت والا نے اور مفتی محمد یوسف صاحب نے جماعت کی اور معوذتین پڑھیں اور احقر اور خواجہ صاحب نے الگ الگ پڑھی۔

غازی آباد پہنچے تو میرٹھ کی ریل میں دیر تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایک دو قلی لینا چاہئے اسباب زیادہ ہے اور پلیٹ فارم دور ہے۔ خدام نے عرض کیا وقت بہت کافی ہے حضرت والا اسباب کے پاس کھڑے رہیں اور ہم خدام اسباب پہنچائے دیتے ہیں ایک پھیرا اس طرح ہوا دوسرے پھیرے میں حضرت والا بھی ایک بھاری عدد لے کر سب کے ساتھ دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچے اور میرٹھ روانہ ہوئے۔

بلا قصد کے اصلاح نہیں ہوتی

ریل میں ذکر ہوا کہ بڑی پیرانی صاحبہ پر عقد جدید سے بڑا اثر ہے اور وہ اب تک رفع نہیں ہوا۔ اور انہوں نے خود سکون قلب کا ارادہ نہیں کیا۔ ورنہ سکون ہو جاتا۔ فرمایا ہاں مشکل یہ ہے کہ ایک کا قصد دوسرے کے فعل کے لئے کارآمد نہیں ہوتا میں نے بہت کافی تدبیریں کیں۔ لیکن انہوں ان سے انتفاع کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ عرض کیا گیا اس سے حضرت کا عیش بھی منغص ہوگا۔ فرمایا ہاں اثر تو ضرور ہوتا ہے۔

خیر ہم نے تو سوچ لیا ہے کہ ہم عافیت کی فکر ہی کیوں کریں جو امر منجانب اللہ ہے اسی میں مصلحتیں ہیں اس کا فکر ہی چھوڑ دینا چاہئے عرض کیا گیا ایسے موقعہ پر دعا کرنے میں تو کچھ حرج نہیں۔ فرمایا ہاں دعا تو کرنا چاہئے۔ حقیقت تو عافیت کی نصیب نہیں ہو سکتی واقعات سے صدمہ ہوتا ہی ہے ہاں دعا سے

پریشانی غالب نہیں ہو سکتی۔

آیت ہل یستطیع ربک کے ایک لطیف معنی

پوچھا گیا آیت ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء کے کیا معنی ہیں ظاہرا تو ثابت ہوتا ہے کہ حوارئین خدا تعالی کو اتنا بھی قادر نہ مانتے تھے کہ مائدہ کو اتارے اس سے تو ان کے ایمان میں بھی شبہ ہوتا ہے۔ فرمایا اس کا بیان با قاعدہ تو یہ ہے کہ دو معنی ہیں ایک بمعنی قدرت جو قبل الفعل ہے۔ دوسرا استطاعت حقیقہ جو مع الفعل ہے جسکے بعد وجود فعل لازم آتا ہے۔ یہاں مراد یہ دوسرے معنی ہیں۔ یعنی ہر اہل نیزل ربک علینا مائدۃ۔ اور اس مضمون کو عام فہم کرنے کیلئے مجھے یہ نیا محاورہ بہت کار آمد معلوم ہوا کہ حق تعالی ہمارے اوپر مائدۃ اتار سکتا ہے یہ ایسا ہے جسے آجکل کہتے ہیں کیا آپ میرے یہاں آ سکتے ہیں۔

مسجد میں بجلی کی روشنی اور پنکھا لگانا کیسا ہے

۱۱ بجے دن کے ۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز یک شنبہ کو میرٹھ پہنچے ۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء میں عصر کے وقت سیاہی والی مسجد محلہ کرم علی میں پوچھا گیا کہ مسجد میں بجلی کا پنکھا اور بجلی کی روشنی لگانا کیسا ہے۔

فرمایا پنکھا آدمی کے کھینچنے کا استعمال کرنا تو مخدومیت کا نشان ہے اور خلاف عبودیت ہے اور نماز میں نہایت تذلل کی ضرورت ہے اور بجلی کا پنکھا ایسا ہے جیسے قدرتی ہوا۔ مگر یہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ حق تعالی کے سامنے کھڑے ہوتے وقت تکلفات کا کیا موقعہ ہے اور نماز میں دیر ہی کتنی لگتی ہے صرف چار پانچ منٹ پھر سلام پھیرتے ہی جتنا چاہے پنکھا جھلوا اور بجلی کی روشنی میں خرچ بہت ہے جو زائد از ضرورت ہے اس کا شمار بھی تکلفات ہی میں کرنا چاہئے اس مرتبہ کانپور کی جامع مسجد میں دیکھا کہ بجلی کی روشنی لگ گئی ہے۔ اب وہ مسجد تو معلوم ہوتی نہیں اچھا خاصہ اسٹیشن معلوم ہوتا ہے۔ احقر کے سفر خرچ کا حساب پوچھا تو عرض کیا بارہ روپیہ بارہ آنہ احقر کے متعلق خرچ ہوئے ہیں فرمایا میرا اندازہ تیرہ روپیہ کا تھا اس حساب میں جملہ وہ اشیاء لگالینا جو سفر میں خریدی ہوں۔ عرض کیا ایک ٹائم ٹیبل دو آنہ کی خریدی ہے اور حضرت مجھ کو تیرہ روپے دے چکے ہیں دو آنہ اب بھی زیادہ ہیں۔ فرمایا اور کوئی چیز خریدی ہو تو یاد کر لینا اور حساب تیرہ روپیہ سے بڑھ گیا ہو تو لے لینا اور دیوبند چلنا ہو تو دو روپیہ اور یہ حاضر ہیں۔

احقر نے وہ روپیہ لے کر سر پر رکھ لئے۔

ذکر لطائف کا حکم

ذکر لطائف کے متعلق سوال کیا گیا کہ بعض بزرگوں کے یہاں بالکل متروک ہے فرمایا ہاں ذکر بہت قسم کے ہیں کچھ ذکر لطائف پر منحصر نہیں۔ ذکر لطائف ہر شخص کے مناسب ہے نہ مقصود بالذات ہے صرف اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ ذریعہ یک سوئی مقصود بالذات ہے۔

۶ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز دوشنبہ یکم جنوری ۱۹۱۷ء

شب دوشنبہ سراہنے پائتی بیٹھنے کا ذکر تھا ایک قصہ بیان فرمایا کہ مولانا محمد مظہر نانوتوی پائتی بیٹھتے تھے حجام خط بنانے آیا تو کہا بیٹھ جا اس نے سراہنے بیٹھنے سے انکار کیا تو کہا جب میں سراہنے بیٹھا ہوا ہوں اس وقت آنا یا! آخر اس کو سراہنے بٹھا کر خط بنوایا بس سراہنے پائتی میں کیا رکھا ہے۔

حفظ مراتب کی بحث

اس پر حضرت والا سے کسی نے پوچھا کہ حفظ مراتب بھی تو ایک چیز ہے اگر چھوٹے بڑوں کے سراہنے بیٹھنے لگیں تو یہ تو ٹھیک نہیں ہے اور کوئی زبان سے نہ کہے مگر بے موقعہ بات تو دل میں کھٹکتی ہے ہی۔ فرمایا تعلیم تواضع میں تو یہی کہا کرتے ہیں کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں (یعنی تواضع کی تعلیم کسی کو کرنا ہو تو یہی کہا جائے گا کہ فرق کرنا سراہنے اور پائتی میں کبر ہے اور میں اس وقت تواضع کی تعلیم کر رہا ہوں اور تعلیم ادب کے وقت یہ کہا جائیگا فرق ہے۔)

اسی واسطے شیخ کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ کون سا موقعہ کس تعلیم کا ہے جو کچھ کہے طالب اس کو تعلیم سمجھے۔ تحقیق کلی متعلم کا کام نہیں۔ چنانچہ تعلیم ہر شخص کو کی جاتی ہے۔ اگر عوام میں سے ہر شخص کے سامنے تحقیق بیان کی جائے تو عوام الجھن میں پڑ جاوئیں اور کوئی بات بھی سمجھ میں نہ آئے۔

پوچھا گیا حجام و دیگر خدمتگاروں وغیرہ کو سراہنے بٹھانے میں یہ نقصان ہے کہ ان کے دل میں رعب نہیں رہتا۔ پھر وہ کام نہیں کرتے۔ فرمایا ہاں ان کو سراہنے بٹھانے میں ان کا بھی نقصان ہے کہ وہ کہیں پٹ جائیں گے گو اپنی تواضع ہے کاندھلہ میں ایک حجام میرے پاس آیا اور اس نے شیوخ و رؤساء کے مجمع میں تان کر بڑے زور سے سلام کیا پھر اس نے وہیں مجھ سے پوچھا کہ جو کوئی سلام علیکم کہنے سے برا

مانے وہ کیسا ہے یہ تعریض تھی۔ شیخ زادوں پر اور مقصود تھا ان کو فتوی سنانا میں سمجھ گیا میں نے کہا سلام سے برا ماننے والا برا۔ اور متکبرانہ لہجہ میں سلام کرنے والا بھی برا۔ لہجہ تو بہر حال نیاز مندی کا چاہئے اپنی حیثیت سے بڑھنا نہیں چاہئے۔

چھوٹوں کے افعال ناگوار ہونے کی کئی وجہ ہیں

اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ چھوٹوں کے افعال ناگوار ہونے کی وجہ کئی ہوتی ہیں۔ ایک تو اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھنا یہ کبر ہے دوسرے اس فعل کو چھوٹے کے لئے ناموزوں سمجھنا کہ وہ اس کے رتبہ سے بڑھ کر ہو۔ یہ افعال شرعیہ میں ہو ہی نہیں سکتا یا ایک اور وجہ اس فعل سے کسی خلق ذمیم کا اس کے اندر دریافت ہونا اس صورت میں درحقیقت ناگواری اس فعل کی نہیں ہوتی بلکہ اس ذمیمہ کی ہوتی ہے مثلاً اس حجام کا سخت لہجہ سے سلام کرنا ناگوار ضرور ہے مگر وجہ اس کی جیسے یہ ہوسکتی ہے کہ سننے والا اپنے آپکو بڑا سمجھتا ہے ایسے ہی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کا لہجہ اس کے دل میں تکبر ہونے کا پتہ دیتا ہے تو ناگواری دراصل اس خلق ذمیم کی ہے نہ کہ سلام کی جیسے اس نے پوچھا کہ جو کوئی سلام سے برا مانے وہ کیسا ہے یہ بات باریک ہے اور ان صورتوں میں امتیاز کرنا مشکل معیار یہ ہے کہ اگر وہ حرکت وہی شخص کسی دوسرے اس کے ہم مرتبہ شخص کے ساتھ کرے تب بھی اس کو اتنا ہی ناگوار ہو خصوصاً جب وہ شخص اس کا مخالف بھی ہو۔ صراط مستقیم جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے یہی ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی باریک بینی

اس فن کے محقق حضرت حاجی صاحب تھے کیا مجال تھی کہ باریک سے باریک اور پیچیدہ سے پیچیدہ بات میں حضرت کی نظر تک نہ پہنچ جائے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ الگ نہ کر دیں۔

رات میں حافظ فصیح الدین صاحب سوداگر میرٹھ زیارت کے لئے تشریف لائے اور صبح کی دعوت کے لئے اصرار کیا فرمایا صبح کو ۹ بجے کی ریل سے دیوبند جانا ہے اگر کوئی ایسی چیز پک سکے جو صبح سویرے تیار ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ عرض کیا سب چیزیں پک سکتی ہیں۔ فرمایا ایسی چیز کھچڑی ہے جو بے تکلف صبح سویرے تیار ہو سکتی ہیں باقی جملہ چیزوں میں کچھ نہ کچھ تکلف کرنا پڑیگا۔ لہذا بے تکلف کھچڑی پکوا لیجیے۔ سردی کی موسم میں اکثر گھر پر کھچڑی کھایا کرتا ہوں' پوچھا کھچڑی مونگ کی ہو یا ماش کی فرمایا۔

جس میں سہولت ہو۔

غرض یہ قرارداد ہوئی کہ صبح بعد نماز صدر سے گاڑی آ جائے اور مع اسباب روانہ ہو کر صدر میں کھانا کھا کر ریل کو روانہ ہوں۔ چنانچہ علی الصباح حافظ صاحب نے ایک فٹن اور ایک پال گاڑی بھیج دی اسباب کچھ فٹن میں رکھا گیا اور کچھ پال گاڑی میں ۔ فٹن میں حضرت والا اور احقر اور دو آدمی اور سوار ہوئے اسباب پائدان میں اتنا بھر گیا کہ پیر رکھنے کو بھی جگہ نہ رہی حضرت والا کے پیر باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

فٹن فتن ہے

غالباً خواجہ صاحب نے کہا اسباب نے تو فٹن کو بھی شرما دیا فٹن تو صرف ہوا خوری کے لئے ہوتی ہے اس اسباب سے تو چھکڑا معلوم ہوتی ہے فرمایا اسی اسباب سے تو یہ فٹن ہے ورنہ پھر فتن ہے۔ (جمع فتنہ کی ہے۔)

قصہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب

ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کا واقعہ ہے کہ وہ حضرت حاجی صاحب کے پاس رہ کر آئے تھے ایک کیفیت نوارنی قلب میں پیدا ہو گئی تھی ۔ مظفر نگر میں ایک بنئے نے بلایا اور فٹن بھیجی انہوں نے کہا میں پیدل چلتا ہوں مگر ہمراہی آدمی نے نہ مانا۔ فٹن میں پیر رکھنا تھا کہ وہ کیفیت جاتی رہی پھر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

روانگی از میرٹھ

۹ بجے کی ریل میں دیوبند کو روانہ ہوئے حاجی وجیہ الدین صاحب سوداگر صدر بھی ہمراہ تھے اور میر معصوم علی صاحب تاجر جوتہ بھی میرٹھ سے ہمراہ ہوئے راستہ میں خواجہ صاحب نے کہا دل چاہتا ہے کہ سب جھگڑوں کو چھوڑ کر محض متوکل بن جاؤں اور عبادت ہی میں رہا کروں ۔ فرمایا حضرت یہ مباح تعلقات ہی کی برکت ہے کہ عبادت سے دل نہیں گھبراتا ورنہ دو چار ہی دن میں عبادت سب جاتی رہے یہ مکر شیطان ہے کہ ہر شخص کی موجودہ حالت کو خراب بتاتا ہے اور دوسری حالت کو تجویز کرتا ہے اور اس مکر میں اچھے اچھے سمجھ دار لوگ بھی آ جاتے ہیں ۔ آخری نتیجہ اسکا حیرانی اور ترک عبادت ہوتا ہے۔ اس

مضمون پر قریب چالیس منٹ کے تقریر رہی وہ تقریر مثل دیگر چند تقریروں کے علیحدہ لکھی گئی اور بحمد للہ صاف ہو چکی نام اسکا ''ادب الترک'' تجویز فرمایا۔

داڑھی کٹوانا باعث ذلت ہے

فرمایا داڑھی کٹوانا باعث ذلت ہے دلیل یہ ہے کہ قیدیوں کی داڑھی کٹوائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ متمدن اقوام نے اسکو قیدیوں کے لئے باعث ذلت ہی سمجھ کر تجویز کیا ہے۔ نہ کہ باعث عزت سمجھ کر اور کسی قانون میں یہ نہ ملے گا کہ کسی اعزاز کے موقعہ پر داڑھی منڈانا تجویز ہوا ہو۔ تعجب ہے کہ جو لوگ ذلت سے بچتے ہیں وہ اس کو باوجود باعث ذلت تسلیم کرنے متمدن اقوام کے اختیار کرتے ہیں اور باعث عزت سمجھتے ہیں۔

سابر کے موزہ میں خرابیاں

ریل میں ذکر ہوا کہ آجکل یعنی موسم سرما میں سابر کا موزہ بہت آرام کی چیز ہے۔ فرمایا ہاں میں نے بھی ایک دفعہ پہنا تھا۔ مگر میرا جی گھبرایا۔ اس میں تین خرابیاں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ پیر ٹھنڈا رہتا ہے دوسرے یہ کہ اسکو پہن کر جوتا نہیں پہنا جاتا ہے کہ کس کا ہے کیونکہ جلد جو موضع حس ہے وہ مستور ہوگئی۔ تیسرے یہ کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیر گویا قید میں آ گیا۔ اس میں سوائے مسح کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ خواجہ صاحب نے مسح خفین کے متعلق کچھ مسائل پوچھے تو فرمایا استفتا کیجیے جزئیات زبانی یاد نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ نماز روزہ میں رہوں۔ اور سوائے اصلاح باطن کے مجھ سے کچھ نہ پوچھا جائے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ☆ الا حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

زیارت قبور میں غلو نہ چاہئے

ریل میں ذکر ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کا مزار دیوبند میں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بڑی برکت کی جگہ ہوگی۔ فرمایا ہاں خواجہ صاحب نے کہا میں تو وہاں ضرور جاؤں گا۔ فرمایا ہاں کیا حرج ہے۔

عرض کیا حضور بھی چلیں تو کیا مضائقہ ہے۔ فرمایا جتنا وقت زندوں کی صحبت میں اور خدمت

میں گذرے میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں مجھے مردوں کی خدمت سے چنداں دلچسپی نہیں ۔نیز بعض مزارات پر میرے جانے سے عوام پر اثر برا ہونے کا احتمال ہے ۔یہ عذر بھی ہے ہاں میں مردوں کے لئے دعا ضرور کیا کرتا ہوں۔

زیارت قبور کے فوائد

عرض کیا گیا مزاروں پر جانے سے نفع تو ہوتا ہوگا۔فرمایا عوام کو تو صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ یہ دعا کرتے ہیں مردوں کیلئے ثواب ہوتا ہے اور مردے ان کے لئے دعا کرتے ہیں ۔نیز موت یاد ہوتی ہے اور باطنی نفع اہل باطن کو ہوتا ہے عرض کیا گیا اہل نسبت کو تو نفع بہت ہوتا ہوگا۔فرمایا صاحب نسبت کو بھی نفع قلیل ہوتا ہے ۔یعنی صرف تقویت نسبت جو کہ ذکر اللہ سے بھی ہوسکتا ہے ۔باقی نفع تعلیم واصلاح تو علم ہوتا ہے بتانے سے اور اصلاح ہوتی ہے ۔صحبت سے اور حالات کے دیکھنے سے سو یہ زندہ ہی سے ہوسکتا ہے نہ مردہ سے ۱۱ بجے کے قریب دیوبند پہنچے اور مہتمم صاحب کے مکان پر قیام ہوا۔

انبساط بلا ہم جنس کے نہیں ہوتا

مدرسہ دیوبند میں تھے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہوا کہ چاہے کیسے ہی اسباب دلبستگی کے جمع ہوں مگر بغیر مجانست کے انبساط نہیں ہوتا۔لوگ اس سفر میں بھائی کے علاقہ سے بڑی مدارات کرتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے مانگے کے کپڑے پہن لئے ۔پھر کچھ لوگ غرباء اہل عقیدت مل گئے ان سے مل کر انبساط ہوا۔

۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز سہ شنبہ ۲ جنوری ۱۹۱۷ء

شب سہ شنبہ طلباء کے اصرار سے بعد مغرب مسجد مدرسہ میں وعظ ہوا اسی حدیث کا بیان ہوا جس کا قنوج میں ہوا تھا من تواضع للہ رفعہ اللہ کا اور اگلے دن سہار نپور میں پھر اسی حدیث کا وعظ ہوا۔ تینوں بیانوں میں فرق یہ ہوا کہ قنوج میں عوام کے تواضع کا بیان ہوا ۔اور دیوبند میں علماء کے تواضع کا اور سہار نپور میں مشائخ اور فقراء کے تواضع کا۔وعظ قنوج کا نام اوج قنوج اور وعظ دیوبند کا نام پند دیوبند اور وعظ سہارنپور کا نام دستور سہار نپور تجویز ہوا (فللہ درہ من واعظ) دیوبند میں وعظ ۳ گھنٹہ ۱۷ منٹ ہوا ۔احقر نے اور خواجہ صاحب نے لکھا اور سہارن پور کا بیان اسعد اللہ نام ایک مولوی صاحب نے لکھا اور اس

کی تبییض بھی کر لی۔ سحر کو اٹھتے ہی فرمایا کہ آج نیند نہیں آئی رات کے وعظ سے بہت تکان اور یبس ہو گیا۔

اکل حلال کی تاکید خواب میں

اور خواب عجیب دیکھا کہ مولوی یونس مرحوم آئے اور کہا مرغی کھائی تو ہے یہ بھی معلوم کیا کہ اس کے دام دیئے گئے یا نہیں۔ (فرمایا حضرت والا نے مرغی وہ ہے جو ناشتہ میں ساتھ کر دی تھی۔ اور ریل میں کھائی گئی لوگ احتیاط نہیں کرتے۔)

اسکے بعد مولوی یونس نے کہا آپ کی طبیعت مضمحل ہے میں نے کہا کچھ تدبیر بتاؤں کہا تین چار روز دودھ پی لیجئے۔ صبح کے ۹ بجے بندہ اور خواجہ صاحب اور میر معصوم علی صاحب واپسی میرٹھ کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس واسطے تجویز ہوئی کہ کھچڑی پکالی جائے کیونکہ سہل الحصول ہے۔ چنانچہ کھچڑی ماش کی تیار ہوئی اور آچار اور گھی وغیرہ کے ساتھ کھائی گئی۔

حافظ احمد صاحب مہتمم نے بیان فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب سے جو کچھ میں نے تقریراً یا تحریراً کہا انہوں نے ہمیشہ خوشی سے قبول کیا۔ مگر ایک دفعہ ایسا کورا جواب دیا کہ میں دیکھتا رہ گیا وہ یہ کہ نواب محمد علی صاحب رئیس ٹونک نے بعد معزولی مکہ معظمہ میں حرم شریف میں بخاری کا ختم کرانا چاہا۔ حضرت حاجی صاحب سے سفارش کرائی حضرت نے مولانا سے فرمایا کہ میں وعدہ کر چکا ہوں آپ ختم میں شریک ہو جائیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ حضرت میں نے تو بخاری اسلئے نہیں پڑھی تھی فرماتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کہ میرے اوپر اسکا بڑا اثر ہوا۔

ایک ترکی افسر کی زبانی علماء ہند کی تعریف

فرمایا حضرت والا نے کہ مجھ سے حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا خلیل پاشا بزرگ آدمی ہیں ان سے مل لو۔ میں ان سے ملا تو انہوں نے علماء ہند کی بے حد تعریف کی کہ ایسے متقی علماء کہیں کے بھی نہیں ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ وہ امراء سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔ خلیل پاشا مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہ سے ملے تھے اور خاص لوگوں میں سے تھے۔

ضبط ملفوظات کے فوائد

ایک موقعہ پر (غالباً میرٹھ میں) فرمایا حضرت والا نے کہ میں نہایت مسرور ہوں کہ حضرت

حاجی صاحب کے علوم میرے ملفوظات کے ذریعہ سے محفوظ اور قلمبند ہوتے جاتے ہیں یہ علوم وہ ہیں کہ کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ ان کی قدر کچھ دنوں کے بعد آئے گی ان کی نظیر کتب تصوف میں کم مل سکے گی اور یہ ایسے وقت پر کام دینے والے ہیں جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ دے سکیں۔ یہ حضرت حاجی صاحب کی مقبولیت کا اثر ہے کہ لوگ ان کو شوق سے اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں کسی کو کوئی نوع ان میں سے پسند ہے اور کسی کو کوئی نوع ہر شخص ایک ذہن میں لگا ہوا ہے۔ کھانا کھا کر دیو بند سے احقر اور خواجہ صاحب اور میر معصوم علی صاحب نے ارادہ واپسی میرٹھ کا کیا۔ اور ٹمٹم منگائی۔ حضرت والا بطور مشایعت مکان سے باہر سڑک تک تشریف لائے اور حضرت کے ساتھ مہتمم صاحب و دیگر علماء تشریف فرما تھے سب اٹھ آئے اور خدام کو رخصت کیا۔ اس وقت احقر کو یہ یاد کر کے کہ ایک وہ وقت تھا کہ احقر مراد آباد جا کر خوشی خوشی ہمرکاب ہوا تھا۔ اور آج ۲۱ یوم کے بعد یہ وقت ہے کہ جدا ہوتے ہوئے۔ بے حد قلق ہوا جس کا اثر کئی روز تک رہا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر سوار ہو گیا۔ اللھم یامن من علینا بمصاحبہ ابا ماعد یدۃ لاتجعلھا اخر مرۃ ومن علینا مرۃ اخری و اخری الی ان تمیتنا علی طریقتہ و تحشرنافی زمرتہ ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلناانک علی کل شیء قدیر ط فاغفرلناذنوبنا و کفرعنا سیئتنا وتوفنا مع الابرار ط و صلی اللہ تعالی خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ ماطلع النیران وتعاقب اللیل والنھار۔

تمت رسالہ خیر العبور

ایک اہم مغالطہ کا ازالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

حامداً ومصلیاً اما بعد ہمارے پاس ایک رسالہ بنام مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل آیا ہے چونکہ رسالہ مذکور عوام کو سخت مغالطہ میں ڈالنے والا ہے اور سنا گیا ہے کہ عوام اس سے دھوکہ کھا رہے اس لئے عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔ مؤلف رسالہ (جیسا کہ اس رسالہ کے دیکھنے سے معلوم

ہوتا ہے مسائل شرعیہ پر کلام کرنے کی مطلق اہلیت نہیں رکھتا اور جو دلائل اس نے سود کے جواز پر قائم کئے ہیں سراسر لغو اور حد تحریف تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پس کسی مسلمان کو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔ مسلمان دھوکہ نہ کھائیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ ہم اس رسالہ پر تفصیلی تنقید کریں گے۔

لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں کہ تنقید کب تک کی جا سکے گی۔ اور کب تک شائع ہوگی۔ اس لئے اس وقت اجمالی اطلاع پر اکتفا کیا جاتا ہے تا کہ مسلمان دھوکہ سے بچ سکیں۔ مؤلف رسالہ نے قرآن وحدیث میں تو تحریفیں کی ہی تھیں مگر ایک غضب کی جراءت اس نے یہ کی ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کے ایک فتویٰ سے اپنے مدعا پر استدلال کیا ہے مگر ہم مسلمانوں کو مطلع کرتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہم العالی ہرگز مؤلف کے غلط خیال سے متفق نہیں ہیں۔ اور وہ دو قسم کے سود کو مطلقاً ناجائز اور حرام فرماتے ہیں۔ خواہ دار الحرب میں ہو۔ یا دار الاسلام میں ہو۔

چنانچہ حضرت والا نے اپنے رسالہ ''تحذیر الاخوان'' میں اس کی حرمت کو نہایت بسط اور تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے وہ فتوی جو کہ مؤلف نے حسن العزیز سے نقل کیا ہے سو اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس میں مؤلف کے مقصود کی تائید ہو کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ بنک میں روپیہ جمع نہ کرنا چاہئے۔ پس اگر حضرت مولانا سود لینے کی اجازت دیتے تو بنک میں روپیہ جمع کرنے کی کیوں ممانعت فرماتے اور اگر اس سے شبہ ہو کہ حضرت مولانا نے فرمایا ہے۔ لیکن اگر جمع کر دیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ جو نفع وہاں سے ملے اسکو لے کر مساکین کو دیدے اور اگر کوئی شخص خود ہی مسکین اور قرض دار ہے تو بعض علماء کے نزدیک اس کو اپنی حاجت میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ ----- تو وہ شبہ اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے سود کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ حرمت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تصدق کا حکم املاک خبیثہ و اموال محرمہ میں ہوتا ہے نہ کہ اموال ظاہرہ میں۔ پس اگر سودی معاملہ جائز ہوتا تو تصدق کا حکم کیوں کیا جاتا۔

اور اپنے استعمال کے لئے مفلسی کی شرط کیوں لگائی جاتی۔ اور گنجائش کو بعض علماء کی طرف کیوں منسوب کیا جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ اس فتوی کو اپنے مدعا کی تائید میں پیش کرنا بالکل غلط ہے اور فتوی کا حاصل یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے اس لئے بنک میں روپیہ نہ جمع کرنا چاہئے۔ لیکن اگر کسی نے اس فعل ناجائز کا ارتکاب کرلیا۔ اور سود لے لیا تو اس پر تصدق واجب ہے۔ کیونکہ وہ مال خبیث اور واجب

التصدق ہے۔اور اگر خود ہی صدقہ کا اہل ہوتو بعض علماء کی رائے پر نہ کہ خود حضرت مولانا کے مسلک پر اسکو اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے

خلاصہ یہ کہ فتوی مذکورہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمانوں کو سود لینا۔اور سود کو اپنے ذاتی اور قومی وملکی کاموں میں صرف کرنا جائز ہے پس مؤلف کا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس وقت نہ صرف بعض افراد قوم مقروض ومسکین ہیں بلکہ مجموعی طور پر کل قوم دیگر اقوام دینا کے مقابلہ میں حد درجہ مقروض ومسکین ہے۔اور کل قوم کی قرض داری اور مسکنت دور کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ پس انداز کیا ہوا۔روپیہ اور اس کا منافع ذاتی اور قومی اور ملکی کاموں میں ہے۔پس حضرت کا یہ فتوی قوم کے حق میں آب حیات کا کام دے گا---بالکل غلط ہے اور سراسر تحریف ہے۔اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں۔کہ فتوی مذکور سے مؤلف نے نتیجہ مذکور نکالنے میں غلطیاں کی ہیں۔:۔

غلطی اول ۔حضرت مولانا نے سود لینے کو نہ کسی امیر کے لئے جائز کہا تھا اور نہ کسی غریب کے لئے مگر مولف نے امیر وغریب سب کے لئے جائز کردیا۔

غلطی دوم ۔حضرت مولانا نے سود کا مصرف صرف فقراء کو قرار دیا تھا۔مولف نے اغنیاء اور دولت مندوں کو بھی اس کا مصرف بنادیا۔

غلطی سوم ۔حضرت مولانا کے کلام میں مسکین سے مراد شرعی مسکین تھا۔مولف نے مسکین اضافی کو بھی اس میں داخل کردیا۔

غلطی چھارم ۔حضرت مولانا کے کلام میں مساکین سے مراد افراد تھے مولف نے قوم مسلمان ہیئت مجموعی کو بھی ان میں ڈھونس دیا۔

غلطی پنجم۔ جب مولف نے قوم بہیت مجموعی کو اضافۃً مفلس قرار دے کر سود کو اسکے لئے حلال کردیا تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب مسلمانوں پر نہ زکوۃ فرض ہے۔نہ حج۔نہ قربانی۔نہ صدقہ فطر وغیرہ حالانکہ یہ نتیجہ بالکل غلط ہے اور کوئی مسلمان اسے قبول نہ کرے گا۔

اب مسلمان انصاف کریں کہ جو شخص ایک اردو کلام کے سمجھنے میں اتنی اور ایسی فاحش غلطیاں کرے وہ قرآن وحدیث میں اجتہاد کرنے کا کہاں تک حق رکھتا ہے ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ مولف نے خود اپنے نفس پر بھی اور مسلمانوں پر بھی نہایت ظلم کیا کہ بدون علم اور فہم کے ایک شرعی مسئلہ پر کلام کر

کے آخرت کا وبال اپنی گردن پر لیا۔ ہم مولف کو خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات سے رجوع کرے۔

ورنہ جس قدر مسلمان اس رسالہ سے گمراہ ہوں گے سب کا وبال مولف کی گردن پر ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ۔'' اس مقام پر بات بھی خصوصیت کے ساتھ قابل تنبیہ ہے۔ کہ گو مولف نے حضرت مولانا کے عبارت کو (انورٹڈ کاماز) یعنی ان علامتوں ''-----------'' کے درمیان بند کر کے اس کو اپنی عبارت سے ممتاز کر دیا ہے مگر جو لوگ اس اصطلاح سے واقف نہیں ہیں ان کو دھوکہ ہو سکتا ہے۔

اس لئے عوام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا کی عبارت (خرچ کرنے کے گنجائش ہے۔) پر ختم ہوگئی ہے۔ اور بعد کی عبارت جو کہ ان الفاظ سے شروع ہوئی ہے اس وقت نہ صرف بعض افراد قوم الخ۔ وہ حضرت مولانا کی عبارت نہیں ہے۔ بلکہ خود مولف کی عبارت ہے جو کہ اس نے اپنے مقصود کے ثابت کرنے کے لئے بطور نتیجہ فتوے کے لکھی ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب دھوکہ نہ کھائیں۔ فقط

حررہ

حبیب احمد الکیرانوی

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

ادب الاعلام ملقب بالکنز النامی

بمناسبت بڑھل گنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ در کیمپ نرہر پور ضلع گورکھپور مورخہ ۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ روز دوشنبہ شروع ۷ بجے ۳۲ منٹ صبح اور ختم ۸ بجے درراہ بڑھل گنج مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء کو وقت کل ایک گھنٹہ ۱۳ منٹ ماہ صفر ۱۳۳۵ھ میں حضرت والا کا سفر بغرض تبدیل آب وہوا۔ اور ملاقات اپنے بھائی منشی اکبر علی صاحب منیجر ریاست مجھولی ضلع گورکھپور کے ہوا۔

چونکہ منشی اکبر علی صاحب دورہ پر تھے اور مقام نرہر پور میں قیام تھا اس واسطے حضرت والا وہیں تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک قصبہ بڑھل گنج قریب میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں کے لوگوں کے اشتیاق ظاہر کرنے کی وجہ سے تجویز ہوئی کہ صبح کو بوقت ہواخوری اسی طرف تشریف لے چلیں۔

چنانچہ منیجر صاحب نے ہاتھی کھنچوا دیا اور حضرت والا مع چار خدام کے بڑھل گنج کو روانہ ہوئے۔ ہاتھی پر گھنٹہ بھی تھا راستہ میں اسی پر گفتگو شروع ہوئی اور اس تقریر کو ایسا امتداد ہوا کہ بڑھل گنج پہنچ کر مسجد میں بھی دیر تک منقطع نہ ہوئی۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ تک سلسلہ جاری رہا۔

چونکہ مضمون نہایت معنی خیز تھا اس واسطے دل چاہا کہ یہ تقریر علیحدہ دیگر مواعظ کی طرح ضبط ہو جائے۔ اور احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ اس کا نام بھی علیحدہ تجویز فرما دیا جائے۔ چنانچہ حضرت نے مجموعہ مضامین پر خیال فرما کر ”ادب الاعلام“ نام تجویز فرمایا۔ جس کی مناسبت مطالعہ تحریر ہذا سے بخوبی واضح ہو جائیگی اور بمناسبت بڑھل گنج لقب اس کا کنز نامی تجویز ہوا۔

فرمایا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ گھنٹہ جائز ہے یا ناجائز ترجیح اسی کو دی ہے کہ جائز ہے۔ احقر نے عرض کیا حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی ہے۔ فرمایا اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی نے اسکو معلل سمجھا اور کسی نے غیر معلل مجوزین نے علت اس کی تفاخر قرار دی ہے۔ جہاں یہ علت نہ ہو وہاں حکم منع بھی نہ رہے گا۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ راستہ والوں کو خبر کرنے کیلئے یا جانور کو نشاط میں لانے کے لئے درست ہے ہاں جہاں کوئی فائدہ نہ ہو اور صرف تفاخر رہ جائے تو درست نہیں جیسے امراء اکثر صرف نمود

اور ارفع شان کے لئے لگاتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ایجاد تو غرض صحیح کے لئے تھی اس میں پھر نمود اور تفاخر شامل ہو گیا۔ اور اب تک بھی غرض صحیح اس میں موجود ہے چنانچہ میں نے ایک گاڑی بان سے پوچھا کہ تم لوگ گھنٹہ اور ٹالیں کیوں لگاتے ہو کہا اس سے بیل چلتے زیادہ ہیں اور ہاتھی کے گھنٹہ سے راستہ والوں کی اطلاع کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہے کہ آبادی میں کو جائے تو وہ عورتیں پردہ کر لیں جن کے مکانوں کی دیواریں پست ہیں محدثین نے اس کی علت صرف یہ سمجھی ہے کہ جرس سے اس واسطے منع فرمایا گیا ہے کہ دشمن کو خبر نہ ہو جائے یہ علت سوائے جہاد کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

اس واسطے سوائے مجاہدین کے قافلہ کے اور کہیں ان کے نزدیک منع نہ ہوگا۔ اور فقہاء نے علت تفاخر کو سمجھا لہٰذا جس جگہ بھی یہ علت ہو منع ہوگا تو فتوی محدثین کا اس بارہ میں اوسع ہے۔ فقہاء سے محدثین کا مطمح نظر روایت ہوتی ہے اور فقہاء درایت سے کام لیتے ہیں۔ جیسے غنا محدثین کے نزدیک بلا مزامیر جائز ہے کیونکہ حدیث میں لفظ "معازف" کا آیا ہے اور فقہاء کے نزدیک بلا مزامیر بھی جائز نہیں۔

غنا کے متعلق فقہاء و محدثین اور صوفیہ کا اختلاف

کیونکہ وہ علت کو سمجھتے ہیں اور وہ خوف فتنہ ہے۔ وہ جیسے مزامیر میں ہے غنا صرف میں بھی موجود ہے۔ محدثین موقع نص سے تجاوز نہیں کرتے اور فقہاء اصل منشاء حکم کو معلوم کر کے دیگر مواقع تک حکم کو متعدی کرتے ہیں (پھر ایک مضمون کے سلسلہ میں محققین کا ذکر ہوا۔ اس پر فرمایا) محقق کی نظر بہت وسیع ہوتی ہے وہ حقیقت کا جویاں ہوتا ہے لایعنی باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔

صحابہ کا اختلاف تحقیق پر مبنی تھا

صحابہ کی شان بھی یہی تھی ان کے آپس کے اختلافات دیکھ کر شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے کیسے اخلاق تھے۔ چنانچہ بعض جاہل ان حضرات پر اعتراض کرتے ہی ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جہاں موقعہ اتحاد کا ہوتا تھا۔ وہاں ایسے ایک جان دو قالب ہوتے تھے کہ کہیں دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوں کہ اخلاق ایسے خراب ہوں کہ ایسی ایسی منازعتیں ان میں اور دوسرے وقت وہ ہی حضرات ایسے پکے دل ہو جائیں گویا منازعت کا ان میں مادہ ہی نہیں ضرور ہے کہ وہ منازعت فساد و اخلاق پر مبنی نہ تھی بلکہ تحقیق پر مبنی تھا۔

دو محقق کی رائے مل نہیں سکتی

دو محقق جو انتہا درجہ کے محقق ہوں بہت کم ایک بات پر متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ظاہراً بعید سی معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن بالکل صحیح ہے اور یہ کچھ دین ہی پر موقوف نہیں۔ دنیا کی باتوں میں بھی دیکھ لیجئے۔ کسی فن کو اٹھا کر دیکھیے دو محقق کی رائے کبھی موافق نہ ہوگی۔ طبی مسائل میں جالینوس کی تحقیق اور ہے اور شیخ کی اور ہے اور بقراط کی اور ہے یہ اختلاف کیوں ہے ظاہر ہے کہ یہ سب ائمہ فن تھے اور ان کو طب کی ترقی کی کوشش تھی طب کے ساتھ ان کو عداوت نہ تھی پھر ان کے کیا معنی انصاف کی نظر دیکھا جائے تو یہ اختلاف اسی اصول پر مبنی ہے کہ دو محقق کی رائے متفق نہیں ہوتی۔ محققین کی شان یہی ہوتی ہے کہ حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اور حقیقت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں اور احاطہ سب پہلوؤں کا۔

محقق بدتہذیب نہیں ہوتا

یہ خدا کا کام ہے تو ایک ایک پہلو پر نظر جاتی ہے اس لئے ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کرتا۔ وسیع النظر اتنا ہوتا ہے کہ دوسرے محقق کی نسبت کوئی برا لفظ بھی کہنا پسند نہیں کرتا ائمہ و مجتہدین کا اختلاف بھی اسی قسم کا ہے کہ آپس میں اتنا اختلاف ہے کہ ایک صاحب ایک چیز کو فرض کہتے ہیں اور دوسرے اسی کو حرام کہتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا اختلاف ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ حالت بھی انہیں کی ہے کہ امام شافعی کا ادب امام ابوحنیفہ کے ساتھ مشہور ہے دیکھیے اتنا اختلاف اور اتنا اتحاد اس اختلاف کی وجہ سوائے غائت درجہ کے محقق ہونے کے کچھ نہیں ہے۔

محقق فضول منازعت سے بچا کرتا ہے۔ اور جاہل سے ہار جاتا ہے

اور محقق ہمیشہ وسیع النظر ہوتا ہے۔ اور ایک شان محقق کی یہ ہوتی ہے کہ فضول مباحثہ سے بچتا ہے اور غیر محقق اور غبی سے گفتگو نہیں کرتا بلکہ اگر غبی سے گفتگو ہو تو ذرا میں خاموش ہو جاتا ہے جس کو عوام ہار جانا سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس کے پاس دلیل نہیں ہے اور یہ کہ وہ واقع میں ہار گیا۔ بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناحقیقت شناس کو سمجھانا وہ مشکل سمجھتا ہے اور ہار مان جانے کو سہل سمجھتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سوانکھا شخص آفتاب کو دیکھ رہا ہے۔ اور ایک مادرزاد اندھا آفتاب کا انکار کر رہا ہے اگر وہ اندھا اس سوانکھے سے الجھے کہ آفتاب کے طلوع کا کوئی ثبوت لاؤ تو وہ کیا ثبوت دے سکتا ہے اس کو یہ کہنا سہل

ہے کہ میں ہارا اور تو جیتا۔ آفتاب کو وجود نہ سہی تو اپنے خیال میں خوش رہ۔ میں اپنے خیال میں خوش ہوں اب بتائیے کہ یہ سوانکھا شخص ہارا ہوا ہے یا جیتا ہوا۔

آجکل کے اختلافات کی بنا ہوائے نفسانی ہے

آجکل بعضے لوگ کہتے ہیں کہ ہم حق کے متلاشی ہیں اور یہ لوگ ائمہ کے ساتھ اختلاف مسائل میں بے ادبی کرتے ہیں۔ اور اس اختلاف کی بناء احادیث کی مخالفت بتلاتے ہیں۔ اگر ان کے حالات کو دیکھے تو صاف ظاہر ہو جائے کہ تحقیق کا تو پتہ بھی نہیں۔ نہ تحقیق کے لائق علم اور نہ تحقیق کا ارادہ صرف اس مخالفت کی بنا ہوائے نفسانی پر ہے۔ کس درجہ سب وشتم صالحین کے بارے میں کرتے ہیں ائمہ کا اختلاف تو بلاشبہ اختلاف امتی رحمۃ میں داخل تھا۔ اور ان لوگوں کا اختلاف ویتبع غیر سبیل المومنین کی جنس سے ہے۔

آجکل خیریت اتباع میں ہے

آجکل خیریت ہے تو سلف کے اتباع میں ہی ہے اور رائے کو دخل دینے میں مفاسد ہی مفاسد ہیں تجربہ ہے کہ اتباع سے نکل کر آدمی بڑی دور پہنچتا ہے حتی کہ بعض اوقات اسلام سے نکل جاتا ہے۔

حدیث کذب حضرت ابراہیم صحیح ہے

دیکھئے رائے پر عمل کرنے سے بڑے بڑوں سے ایسی غلطی ہوتی ہے کہ امام رازی نے حدیث لم یکذب ابراھیم الاثلث کذبات سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے کہ کذب انبیاء علیہم السلام سے محال ہے۔ اور جمہور نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کذب میں تاویلیں کی ہیں۔

امام رازی نے تو اپنے نزدیک بڑا کام کیا کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں رکھی۔ لیکن کس قدر فاحشہ غلطی کی۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی حدیث کو جو سند صحیح سے ثابت ہے ایسے اشکالوں کی وجہ سے رد کر دیا جائے تو اس کا باب مفتوح ہوتا ہے کہ ہر شخص کو مجاز ہوگا کہ جس حدیث میں اپنے نزدیک کوئی اشکال پائے اس کو رد کر دے اس سے تمام دین کی اساس ہی منہدم ہوتی ہے ایسے امام سے یہ غلطی کس وجہ سے ہوئی صرف اتباع رائے سے۔

حضرت والا کا ایک خواب

میرا ایک خواب ہے جو موافقت قواعد صحیحہ کی وجہ سے میرے نزدیک خوب ہے اور اس سے

اچھا فوٹو اس مبحث کا شاید ہی ملے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور یہ زمانہ طالب علمی دیو بند کا ذکر ہے کہ غیر مقلد اپنے ہر مدعا پر حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو ہمارے امام کے خلاف ہوتی ہے۔ شاید ان کا ہی طریق حق ہو۔ خواب دیکھا کہ میں دہلی میں ایک محدث میاں صاحب کے مکان پر ہوں دیکھا کہ وہاں چھاچھ تقسیم ہورہی ہے۔ مجھے چھاچھ کا شوق ہے انہوں نے مجھے بھی دی مگر میں نے نہیں لی بس آنکھ کھل گئی معاً تعبیر ذہن میں آئی کہ علم کی صورت رویا میں لبن ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور چھاچھ کی صورت تو دودھ کی ہے۔ مگر حقیقت بالکل متغائر ہے معنی اور مغز اس میں نہیں پس یہ سمجھ میں آیا کہ ان کا طریقہ صورت دین تو ہے مگر اس میں معنی دین بالکل ندارد ہے۔

امام صاحب نے حدیث کے معنیٰ و مغز پر نظر رکھی ہے

یہ لوگ امام صاحب پر خلاف حدیث کا اعتراض کرتے ہیں امام صاحب نے بھی حدیث کے خلاف کوئی بات نہیں کہی مگر معنی اور مغز کو لے کر اور یہ لوگ صرف صورت سے شبہ کرتے ہیں تو یہ معارضہ ٔ معارضہ حدیث نہ ہوا بلکہ معارضہ معنی وصورت حدیث ہوا۔ اور ایسا ممکن ہے جیسا کہ میں چند نظیروں میں دکھاتا ہوں۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود امر حضور ﷺ کے اس غلام پر حد جاری نہ کی اس سے کوئی ظاہر میں کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حدیث کی مخالفت کی جیسا کہ یہ لوگ ہر بات میں امام صاحب کو طعنہ دیتے ہیں کہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن معنی فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علی نے گو ظاہر حدیث کی مخالفت کی لیکن حقیقت میں مخالفت نہیں کی۔ اور ان کو یہی کرنا چاہئے تھا۔

چنانچہ حضور ﷺ نے بعد میں اسی کی تصویب فرمائی حضرت علیؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ از روئے کتاب وسنت غیر زانی پر حد نہیں ہوسکتی جب کہ وہ غلام مقطوع الذکر تھا تو اس سے زنا ممکن ہی نہ تھا پھر حد کیسی۔ انصاف سے کہئے کہ تعمیل حدیث یہ ہے یا وہ ہوتی اسی طرح امام صاحب کے اقوال ہیں کہ وہ مغز حدیث پر مبنی ہیں اور ان لوگوں کے اقوال صرف صورت حدیث پر مغز کا نام بھی نہیں اور وہ بھی دو چار مسئلوں میں۔

قنوج کا قصہ

میں نے قنوج میں ایک مرتبہ وعظ کہا اور کچھ رسوم مروجہ کے متعلق گفتگو کی منصف غیر مقلدوں

نے کہا کہ آج معلوم ہوا کہ متبع سنت ہم بھی نہیں صرف دو چار سنن پر عمل کر رکھا ہے ۔ اسی طرح ایک غیر مقلد گندھی نے کہا کہ ہم لوگوں میں احتیاط بالکل نہیں ہے ہمارا عمل بالحدیث صرف آمین بالجہر اور رفع یدین میں ہے اس کے سوا کسی عمل کی طرف ہمارا ذہن ہی نہیں جاتا ۔ چنانچہ میں عطر میں تیل ملا کر بیچتا ہوں اور واقعی متقی جس کو کہتے ہیں وہ ان میں ایک بھی نہیں ۔

الا ماشاء اللہ یہ کیسی گہری بات ہے اس میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیوں ان میں متقی نہیں ہوتے جبکہ ہر بات میں عمل بالحدیث کا دعویٰ ہے وجہ یہی ہے کہ کسی ایک کے پابند نہیں ہیں ۔ ذرا کوئی بات پیش آئی سوچ کر کسی ایک روایت پر عمل کر لیا اور روایتوں میں سے انتخاب کرنے کے لئے اپنی رائے کو کافی سمجھا ۔ پس اس کو صورۃً تو چاہیے کوئی اتباع حدیث کہہ لے مگر جب اس کا منتہا رائے پر ہے تو واقع میں اتباع رائے ہی تو ہوا ۔

اتباع ہونے سے بچنا جب ہی ہوتا ہے جب ایک سے بندھ جائے ۔ ورنہ نرے دعوے ہی دعوے ہیں مقلدین میں بہت سے لوگوں کی حالت اچھی نکلے گی ۔ بخلاف غیر مقلدین کے کہ کوئی شاذ و نادر ہی متقی نکل آئے تو نکل آئے ورنہ بہت سے حیلہ جو اور نفس پرور ہیں ۔

ابوحنیفہؒ سے بندھتا ہے نفس ورنہ چھچھوندر کی طرح یہ ہانڈی جا سونگھی وہ ہانڈی جا سونگھی ۔ یوں کوئی محتاط بھی نکل آئے ۔ لیکن حکم اکثر پر ہوتا ہے اچھے اچھوں کے حالات ٹٹول کر دیکھ لئے ہیں ۔ اتقاء ایک میں بھی نہ پایا ۔ الا ماشاء اللہ اس کا اقرار خود ان کے گروہ کو بھی ہے ۔

احوط پر عمل کرنے والے کو ترک تقلید جائز ہے مگر مستلزم مفاسد ہے

ہاں اگر کوئی احتیاط کرے اور مختلف اقوال میں سے احوط پر عمل کرے تو اس کو اتباع نفس دنیوی نہ کہیں گے ۔ اور اس میں فی نفسہ کوئی حرج بھی نہیں لیکن اول تو ایسا کرتا کون ہے اور یہ بہت مشکل ہے ۔ کوئی کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر دشواریاں پیش آئیں گی ۔ اور ایسے محتاط کو بھی اجازت اس واسطے نہ دیں گے ۔ کہ دوسروں پر اثر برا پڑتا ہے اس کی احتیاط کی تقلید تو کوئی نہ کرے گا ہاں اس کی عدم تقلید کی تقلید کر لیں گے ۔ اور پھر وہی اتباع ہوی باقی رہ جائے گا ۔ ہاں اگر یہ شخص گمنام جگہ ہو اور اطمینان ہو کہ دوسروں پر اثر نہ پڑے گا تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے ۔ اگر اس کی نیت سچی ہے اور خوف خدا سے احوط کو اختیار کرتا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے لیکن ایسی نظیر شاید ایک بھی ملنا مشکل ہے یہ صرف توسع عقلی ہے ۔

عامی آدمی قول امام معارض نہیں کہہ سکتا

مفتی صاحب نے پوچھا کہ اگر عامی شخص کو کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے کہ مجتہد کا قول حدیث کے خلاف ہے تو اس وقت میں حدیث پر عمل کیوں جائز نہ ہوگا۔ ورنہ حدیث پر قول مجتہد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ فرمایا یہ صرف فرضی صورت ہے عامی کو یہ کہنے کا منصب ہی کہاں ہے کہ مجتہد کا قول حدیث کے معارض ہے۔ اس کو حدیث کا علم مجتہد کے برابر کب ہے۔ نیز وہ تعارض اور تطبیق کو مجتہد کی برابر کیسے جان سکتا ہے تو اول تو یہ صورت فرضی ہے کہ قول مجتہد حدیث کے معارض ہو۔ پھر میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس عامی شخص کا قلب گواہی دیتا ہو کہ اس مسئلہ میں مجتہد کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ترک تقلید جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب سے نسخہ لکھواتے ہیں تو اس نسخہ کو غلط کہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ عامی تو عامی کوئی دوسرا طبیب بھی اس نسخہ کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ دوسرا نسخہ دوسرا طبیب تجویز کردے۔ لیکن اس نسخہ کو غلط کہنے کا مجاز نہیں اس وقت تک کہ اس نسخہ کو بالکل صریح غلط ثابت نہ کر سکے۔ دوسری تجویز کے بہت سے وجوہ ہوسکتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی ایک وجہ ہوتی ہے کہ ایک دہلی کا تعلیم یافتہ ہے دوسرا لکھنؤ کا، لکھنؤ کا طرز مطب اور ہے اور دہلی کا اور ہے۔ اور اوزان ادویہ میں بھی فرق ہے تو ایک دہلی کے تعلیم یافتہ کو لکھنؤ کے نسخہ کو صرف اس وجہ سے غلط کہہ دینا کہ اس کے اوزان میں فرق ہے کیسے درست ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا مجتہدین کے اختلاف کے وجوہ بھی بہت ہیں۔

وجوہ اختلاف کا اختصار نہیں ہوسکتا

بعض وقت رائے کا اختلاف موضع کے اختلاف سے بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ امام شافعی صاحب کا فقہ جدید اور ہے قدیم کے منضبط کرنے کے بعد انہوں نے مصر کا سفر کیا تو بہت سے اقوال میں تغیر کرنا پڑا۔ جیسا کہ فقہ کے ماننے والوں سے پوشیدہ نہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ سفر کرنے سے دلیلیں بدل گئیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ سفر سے لوگوں کے حالات کا تجربہ مزید حاصل ہوا جس سے بہت سے مواقع حرج کے معلوم ہوئے جو پہلے معلوم نہ تھے۔ پہلے حکم اور تھا۔ اور حرج معلوم ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ حکم بدلنا ضرور ہوا۔ اسی طرح بہت سی رایوں میں اختلاف ہوا غرض وجوہ اختلاف کا احصاء مشکل ہے لوگوں نے اس کے واسطے قواعد منضبط ضرور کئے ہیں۔

اصول فقہ محیط نہیں

(جن کو اصول فقہ کہتے ہیں ۔) لیکن وہ قواعد خود محیط نہیں اس کی مثال علم نحو کی ہے جس میں کلام کی ترکیب کے قواعد منضبط کئے گئے ہیں اور یہ علم بہت مفید ہے لیکن اس کے انضباط کا مقصود یہ نہیں کہ اہل زبان اس کے پابند ہوں اور اس لئے اس کا احاطہ پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ محض غیر اہل زبان کے واسطے اہل زبان کا کلام سمجھنے اور ان کے ساتھ مکالمت کرنے کا آلہ ہے۔ پس اگر اہل زبان سے کوئی ایسا کلام ثابت ہو جائے۔ جس میں قواعد نحو جاری نہ ہو سکیں۔ تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا۔ کہ اہل زبان نے غلطی کی۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ علم نحو میں اتنا نقصان تھا کہ یہ قاعدہ ضبط سے رہ گیا ہے اسی طرح مجتہد کو اصول فقہ سے الزام دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسے موقعہ پر جہاں مجتہد کا قول اصول پر منطبق نہ ہوتا ہو یہ کہنا چاہئے کہ علم اصول ناقص رہا۔ اس تقریر کے بعد یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اس کے قول کی کوئی دلیل نہیں اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل ہوگی تو ترک تقلید جائز نہ ہوگا۔

اگرچہ امکان عقلی میں یہ بھی ہے کہ مجتہد کے پاس دلیل نہ ہو یا اس نے غلطی کی ہو۔ جیسے کہ درجہ امکان میں یہ بھی ہے کہ طبیب کیسا ہی بڑا ماہر کیوں نہ ہو غلطی کر سکتا ہے لیکن اگر ایسی فرضی صورتوں سے مجتہد کا اتباع چھوڑ دیا جائے۔ تو کارخانہ دین درہم برہم ہو جائے۔ جیسا کہ اسی کی نظیر یعنی امر معالجہ میں یہ فرضی صورت جاری کرنے سے کہ طبیب معصوم نہیں ہے غلطی کر سکتا ہے۔ اور اس کا اتباع چھوڑ دینے سے امر معالجہ درہم برہم ہوتا ہے۔ وہاں تو امر معالجہ کا نظام قائم رکھنے کے لئے یہ بات عام طور سے مان لی گئی ہے کہ طبیب زہر بھی کھلا دے تو چون و چرا بھی نہ کرنا چاہئے۔ حالانکہ یہ عقل کے خلاف ہے جب کہ ایک چیز کو زہر کہا تو زہر کے معنی قاتل نفس ہے پھر اس کے کھانے کے جواز کے کیا معنی۔ مگر اس جملہ کا کیا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ زہر جو طبیب کھلاتا ہے اس کو نہ اس واسطے کھا لینا چاہئے کہ وہ زہر ہے بلکہ اس واسطے کہ گو وہ صورۃً زہر ہے مگر حقیقت میں زہر نہیں۔ طبیب پر اطمینان ہے کہ وہ قاتل نفس شے نہ کھلائے گا۔ اسی طرح جب ایک شخص کو مجتہد مانا گیا تو (لفظ تو برا ہے) مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو اس کے زعم میں خلاف دلیل بات بھی بتلائے تو کر لی جائے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ طبیب زہر بھی کھلائے تو کھا لینا چاہئے۔

جو تاویل وہاں تھی وہ ہی یہاں بھی ہے کہ طبیب زہر نہیں کھلائے گا۔ ایسا ہی مجتہد خلاف دلیل بات نہ بتلائے گا پھر یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے یہ کہا اگر قلب ذرا بھی گواہی دے کہ مجتہد کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہوگی تو ترک تقلید جائز نہیں البتہ کوئی متبحر عالم اگر کسی مسئلہ کو خلاف دلیل سمجھے تو اس کا سمجھنا معتبر نہ ہوگا۔

مجتہد کس کو کہتے ہیں

اس پر مفتی صاحب نے پوچھا کہ مجتہد کس کو کہتے ہیں جبکہ ایک شخص کو مسئلہ کا علم دلیل سے ہے تو اس مسئلہ کا یہ بھی مجتہد ہے پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید لازم ہے جواب دیا کہ لغۃً تو ہر شخص کچھ نہ کچھ مجتہد ہے اس بنا پر تو تقلید سے آزاد کرنے کا انجام یہ ہی ہے کہ تقلید بالکل نہ رہے حالانکہ یہ بلا نکیر جاری ہے۔ اس کی ایک مثال ہے کہ مالدار ہمارے عرف میں کس کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مالدار ہے میں پوچھتا ہوں ایسا کون شخص ہے جو مالدار نہیں لغۃً تو مالدار وہ شخص بھی ہے جس کے پاس ایک پیسہ یا ایک پھوٹی کوڑی بھی ہو تو جو احکام مالداروں کے ساتھ متعلق ہیں دنیا کے ہوں یا دین کے ہر ہر شخص پر جاری ہونے چاہئیں۔ زکوۃ کا مطالبہ بھی ہونا چاہئے۔

اور خراج اور محصول بھی بادشاہ کو ہر شخص سے لینا چاہئے ''فما ھو جوابکم فھو جوابنا'' اسی طرح لغۃً مجتہد ہر شخص سہی لیکن وہ مجتہد جس پر احکام اجتہاد جاری ہو سکیں اس کے واسطے کچھ شرائط ہیں جن کا حاصل ایک ذوق خاص شریعت کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ معلل اور غیر معلل کو جانچ سکے اور وجوہ دلالت یا وجوہ ترجیح کو سمجھ سکے اور یہ اجتہاد ختم ہو گیا۔ پس ایک مسئلہ کی دلیل جان لینے سے اس مسئلہ کا وہ محقق تو نہیں ہو گیا۔ پھر وہ محقق کے اتباع کو کیسے چھوڑے گا۔

جیسے کہ محدث درجہ عبور میں ہر شخص ہو سکتا ہے۔ لیکن کمال اس کا بعض افراد پر ختم ہو گیا۔ اب کوئی محدث موجود نہیں ذالک فضل اللہ یوءتیہ من یشاء آجکل جو لوگ اجتہاد کے مدعی ہیں ان سے ایسی فاحش غلطیاں ہوتی ہیں کہ ہر شخص کا قلب ان کے غلطی ہونے کو تسلیم کرتا ہے جیسے کہ آجکل کوئی کچھ سندیں بنا کر محدث بننا چاہے تو اس کی محدثیت تسلیم نہیں کی جاتی آجکل تو سلامت اسی میں ہے کہ اجتہاد کی اجازت نہ دی جائے۔ نظم دین جو کچھ ہو گیا اس سے اس میں بڑا خلل پڑتا ہے میں تو کہتا ہوں کہ آجکل وہ زمانہ ہے کہ اگر کسی کام کو درجہ اولویت پر کرتے ہیں۔ عوام کے فساد کا احتمال ہو تو اس وقت خلاف

اولی کرنے والا مثاب ہوگا۔

نظیر اس کی قصہ حطیم ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ یہ میری تقریر ایسی ہے جس سے تقلید کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین ہی نے دین کی حقیقت کو سمجھا ہے پس جو لوگ تارک تقلید ہیں وہ کہنے کو تو ائمہ کے خلاف ہیں مگر درحقیقت دین کے خلاف ہیں اس کی بنا صرف خودرائی پر ہے اور اتباع ہوئی اور اعجاب سب جانتے ہیں کہ مہلک چیزیں ہیں جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ تارکین تقلید میں اکثر یہ دونوں مرض رگ و پے میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔

ہم سے بڑوں نے اور ان لوگوں نے جن کا علم مسلم ہے کیوں تقلید کو اختیار کیا اسلئے کہ ہماری رائے متہم اور غلط ہے تقلید شخصی چھوڑ کر گنجائشیں نکالی جائیں تو نتیجہ اس کا بہت جلد آزادی نفس پیدا ہو جاتا ہے۔

اجتہاد کا ثبوت

ان میں سے بعض کے نزدیک اجتہاد کوئی چیز ہی نہیں۔ بدون نص کے ان کے نزدیک کوئی حکم ہی ثابت نہیں حالانکہ احادیث میں اس کے ثبوت بہت ملتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عمرؓ کا ذوق اجتہادی ہے جس پر ایسا اطمینان ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بشارت سے روک دیا اور یہ روکنا عنداللہ مقبول رہا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی رائے کو قول رسول ﷺ اور نص پر ترجیح نہیں ہوسکتی مگر ان کے ذوق اجتہادی نے ہی بتادیا تھا کہ یہ بشارت نظم دین میں مخل ہوگی اور باوجود ابو ہریرہؓ کے دلیل پیش کرنے کے اس شدومد سے تردید کی کہ ان کو دھکا دے کر گرا بھی دیا اور حضور ﷺ کے سامنے یہ سارا قصہ پیش ہوا تو حضور ﷺ سے حضرت عمر مجرم کیوں نہ ہوئے۔ اس قصہ کے اجتہاد کا بدیہی ثبوت ملتا ہے کہ یہ کوئی کچا محل نہیں ہے۔ دین کا اہل اجتہاد نے من گھڑت باتوں پر بناء نہیں رکھی ہے ان کے یہاں خودرائی کا تو کام ہی نہیں جیسے کہ مجتہدین دوسروں کو پابند بناتے ہیں خود بھی پابند ہیں کوئی بات بلا حدیث وقرآن کے نہیں کہتے تو ان کی تقلید، تقلید قرآن وحدیث ہوئی۔

۱۸

نام اس کا چاہے کچھ رکھ لو جیسا صرف ونحو پڑھنے والا اولاً تو مقلد ہے اخفش اور سیبویہ کا لیکن اخفش وسیبویہ خود موجد زبان نہیں۔ بلکہ مقلد ہیں اہل زبان کے اس واسطے صرف ونحو پڑھنے والا درحقیقت مقلد ہوا۔ اہل زبان کا یہ کیسی غلطی ہے کہ مقلد فقہاء کو تو تارک قرآن وحدیث کہا جائے اور مقلد اخفش و سیبویہ کو تارک زبان نہ کہا جائے یہ مضامین یاد رکھنے کے ہیں ہر وقت ذہن میں نہیں آتے۔ ابن تیمیہ کی

کتاب ہے''دفع الملام عن الائمۃ الاعلام''اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ وجوہ دلالت کے اسقدر کثیر ہیں کہ کسی مجتہد پر یہ الزام صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اس نے حدیث کا انکار کیا یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن القیم استاد شاگرد ہیں۔

دونوں بڑے عالم ہیں بعض افاضل کا ان کے بارے میں قول ہے کہ'' علمھما اکثر من عقلھما '' یہ دونوں حنبلی مشہور ہیں۔ مگر حنبلی ہیں نہیں ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے خود مجتہد ہونے کے مدعی ہیں۔ ایسا محقق کسی بات میں ائمہ مجتہدین کے خلاف کرے تو مضائقہ بھی نہیں اور یہ تھوڑا ہی ہے کہ بولنے تک کی تمیز نہیں۔ اور ائمہ کے منہ آنے لگے ایک شخص کہتا تھا کہ بلا قراءت فاتحہ نماز کیسے ہوسکتی ہے حدیث میں تو ہے کہداج کہداج (خداج خداج) ایسے بیہودوں سے تو کلام بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا ایک صاحب کیدہ میں ملے اور پوچھا کہ ترک فاتحہ پر کیا دلیل ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایسی ہی لیاقت رکھتے ہیں جیسے کہداج والا تھا مجھے سخت گراں گذرا کہ ان کے ساتھ کیا مغز ماروں میں نے کہا پہلے یہ بتایئے کہ یہ مسئلہ اصول میں سے ہے یا فروع میں سے کہا فروع میں سے ہے میں نے کہا آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دین کی تحقیق کی طرف خاص توجہ ہے۔

جبکہ ایک فروعی مسئلہ کی طرف اس قدر توجہ ہے تو اصول کی طرف اور زیادہ ہوگی۔ اصول کی تو آپ شاید پوری تحقیق کر چکے ہوں گے۔ اور اب فروع کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ پس اصل الاصول توحید ہے اس کو آپ ضرور دلیل سے تحقیق کر چکے ہوں گے اگر ایسا ہے تو میں چند شبہات توحید پر پیش کرتا ہوں ذرا ان کا حل تو کر دیجئے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ توحید کو کسی کی تقلید سے مان لیا ہے تو آپ دلیل سے تحقیق نہیں کر سکتے تو بڑے تعجب کی بات کہ اصول میں تو تقلید کی اور فروع میں تقلید نہیں کرتے۔ حالانکہ اصول زیادہ اہم ہیں۔ تقلید سے خلع عنان کرنا اول تو مجتہدین کی سب وشتم کی طرف مفضی ہوتا ہے پھر صحابہ کے سب وشتم کی طرف پھر سب رسول کی طرف پھر حق تعالیٰ پر بھی کبھی نوبت پہنچتی ہے

ایک گستاخ غیر مقلد کا قصہ

مولانا فتح محمد صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ایک غیر مقلد حدیث پڑھا رہے تھے اور جہاں حدیث کی تاویل نہ بن آتی تو کہتے تھے تعجب ہے حضور ﷺ کہیں کچھ فرمادیتے ہیں کہیں کچھ فرمادیتے ہیں۔ یہ کیا فرمادیا یہ نتائج ہیں آزادی کے اس سے عار آتی ہے کہ ہم کسی کے محکوم کہے جائیں۔

خیر صاحب انہیں مجتہدین کی محکومیت سے عار ہوگی ۔ ہمیں تو بہت سوں کے حکومت میں رہنا پسند ہے امام ابوحنیفہؒ کی بھی حکومت ہے ماں باپ کی بھی حکومت ہے شیخ طریقت کی بھی حکومت ہے ۔ یہ بات نفس کے چاہے خلاف ہو ۔مگر یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ ہمارے اتنے مصلح ہیں نفس وشیطان ہمارا کچھ بھی نہیں کرسکتا ۔ بخلاف ان کے ائمہ کی حکومت میں سے تو نکل گئے اور شیطان کی حکومت میں آ گئے ۔ ہم جن کے محکوم ہیں وہ سب ہمارے خیر خواہ ہیں ۔

اور یہ جس حکومت میں گئے وہ عدو مبین ہے اپنی اصلاح کے لئے اپنے اوپر کسی کو بھی اعتماد نہ چاہئے ۔ دیکھو حضرت عمرؓ جیسے مبصر نے اس شخص سے کیا کہا ۔ جس نے کہا تھا کہ اگر تم بگڑو گے تو ہم اس تلوار سے تم کو سیدھا کریں گے ۔ تو فرمایا الحمد للہ میں ایسی قوم میں ہوں جس میں میرے محافظ بہت سے موجود ہیں ۔ بیعت مروجہ میں یہی مصلحت ہے کہ جانبین کو خیال ہو جاتا ہے دونوں کو ایک دوسرے سے اعانت کی امید ہوتی ہے ۔

حکایت ایک دیہاتی آدمی مجھ سے بیعت ہوا ۔ میں نے پوچھا بیعت کی تمہارے نزدیک کیا ضرورت ثابت ہوئی ۔ نماز روزہ تو بلا اس کے بھی کیا جا سکتا ہے کہا میں بیعت اس واسطے ہوا ہوں کہ ویسے تو ذرا سستی بھی نماز روزہ میں ہو جاتی ہے بیعت سے ذرا خیال ہو جاتا ہے کیا کام کی بات ہے ۔

تقریر ادب الاعلام ختم ہوئی

اسی سفر میں اس سے تیسرے دن یعنی بتاریخ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ روز بدھ اسی مقام بڑھل گنج میں ایک مختصر سی تقریر ہوئی جس میں تقلید کی بحث ہے وہ بھی یہاں درج کی جاتی ہے ۔

محکمہ تعلیم کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں

سوال : (یہ تقریر سفر نامہ گورکھپور کے بیضہ میں بھی موجود ہے ۔ (ص ۶۷/۷)) محکمہ تعلیم کے مصارف محکمہ چنگی سے پورے ہوتے ہیں تو محکمہ تعلیم کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں ۔ فرمایا استیلاء کافر موجب ملک ہے .... امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں بھی مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کا ہی کام آتا ہے ۔

ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت کسی کے فقہ پر نہیں چل سکتی سوائے فقہ حنفی کے ایک سیاسی شخص کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربہ کی خبر دیتا ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ کی عجیب نظر ہے دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کا توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ ڈالے تو ضمان لازم آئے گا ۔

احتساب سلطان کرسکتا ہے

یہ کام سلطان کا ہے وہ احتساب کرے اور توڑے پھوڑے۔ اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سوائے سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ وجدل وفتنہ ہو جاتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ ہیں فقہ بڑی مشکل چیز ہے فقیہ کو جامع ہونا چاہئے فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو متکلم بھی ہو۔ سیاسی دماغ بھی رکھتا ہو۔ بلکہ کہیں کہیں طب کی بھی ضرورت ہے بعضے امور میں تشریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے فقہ بڑی مشکل چیز ہے۔

غیر مقلد اشتعال دلاتے ہیں

مگر آجکل بعض لوگوں نے اس کی کیا قدر کی ہے کہ فقہا پر سب وشتم کرتے ہیں یہ گروہ نہایت درجہ مفسد ہے۔ یہ لوگ جان جان کر فساد کرتے ہیں۔ اور اشتعال دلاتے ہیں۔ بعض وقت تو ذرا سی بات میں فتنہ ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے کہا حضور ہاں ایک جگہ مقلدین کی جماعت میں ایک غیر مقلد آ گیا۔ اور آمین زور سے کہی تو اس پر بڑا فساد ہوا۔ اور پولیس تک نوبت پہنچی اور مقدمہ کو بڑا طول ہوا۔ فرمایا حضرت والا نے اسپر جنگ وجدل کرنا ہے تو زیادتی لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ عمل کچھ ہو مگر جس نیت سے کیا جائے اسکا اثر ضرور ہوتا ہے۔

اگر اس نے خلوص سے اور عمل بالسنت کی نیت سے کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ غیر مقلدین کی آمین اکثر صرف شورش اور مقلدین کے چڑانے کیلئے ہوتی ہے۔ میرے بھائی محمد مظہر نے قنوج میں غیر مقلدین کی آمین سن کر کہا آمین تو دعاء ہے اس میں خشوع کی شان ہونی چاہئے اور ان لوگوں کے لہجہ میں خشوع کی شان نہیں ہے خود سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو چھیڑتے ہوں اس نے عرض کیا کہ یہ واقعی بات ہے مقدمہ مذکور جب پولیس میں پہنچا تو ایک ہندو تھانیدار اس کی تحقیقات پر تعینات ہوا وہ بہت سمجھدار تھا اس نے فساد کا الزام غیر مقلد ہی پر رکھا۔ اور رپوٹ میں لکھا کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں اور بلا وجہ اشتعال دلاتے ہیں اور آمین صرف فساد اٹھانے کیلئے کہتے ہیں۔ اسپر غیر مقلدین نے بڑا غل مچایا۔ اور کہا کہ آمین مکہ میں بھی ہوتی ہے۔ داروغہ نے کہا کہ مکہ میں آمین خدا کی یاد کے لئے ہوتی ہوگی دنگے

کیلئے نہ ہوتی ہوگی یہاں دنگے کے لئے ہے فرمایا میرا شریک حجرہ ایک لڑکا بیان کرتا تھا کہ ایسے ہی ایک موقعہ پر ایک انگریز نے تحقیقات کی اور اخیر میں گویا تمام واقعہ کا فوٹو کھینچ دیا۔ اور کہا آمین تین قسم کی ہیں ایک آمین بالجہر اور اہل اسلام کے ایک فرقہ کا وہ مذہب ہے۔

اور حدیثیں بھی اس کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اور ایک آمین بالسر ہے اور وہ بھی ایک فرقہ کا مذہب ہے۔ اور حدیثوں میں بھی موجود ہے۔ اور تیسرے آمین بالشر ہے جو آجکل کے لوگ کہتے ہیں۔

عدم حد بنکاح بالمحرمات پر اعتراض

اس شخص نے بیان کیا کہ ہندو داروغہ کے سامنے غیر مقلدوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب قائل ہیں کہ اگر کوئی محرم عورت سے نکاح کر لے اور وطی کرے تو اس پر حد واجب نہیں یہ کیسی غلطی ہے۔ فرمایا حضرت والا نے اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اسکے بیان کے لئے دو مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ہے ادرؤا الحدود بالشبہات ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں۔ شبہ کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہت کے لئے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں۔ کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف امام صاحب نے حدود کے ساقط کرنے کے لئے ادنی درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے کہ باوجود حقیقت نکاح نہ ہونے کے مشابہ ہے تو نکاح کے۔ حد کو ساقط کر دیا۔ انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے بات یہ ہے کہ ایک صحیح معنی کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنا دی گئی ہے۔ اس فتوی کی حقیقت تو غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے۔

لیکن اس کو بیان اسطرح کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بالمحرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا۔ اس کے سوا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورت سے بیان کر کے اعتراض کیے جاتے ہیں۔ مسئلہ مذکور پر اعتراض جب تھا کہ اس پر امام صاحب پر کوئی زجرو احتساب تجویز نہ کرتے ایسے موقعوں پر جہاں حد کو فقہاء ساقط کرتے ہیں۔

تعزیر کا حکم دیتے ہیں ایسے موقعے تمام ائمہ کے نزدیک بہت سے ہیں کہ شبہ سے حد ساقط ہوگئی۔ آخر حدیث ادرؤا الحدود بالشبہات کی تعمیل کہیں تو ہوگی۔ اور کوئی موقعہ تو ہوگا۔ جہاں اس کو کر کے دکھایا جائے۔ کیا غضب ہے جو شخص حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھے وہ کسقدر عامل بالحدیث ہے

فدا ہو جانا چاہئے ایسے شخص پر تعجب ہے کہ امام مالک صاحب خبر واحد پر بھی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کو لوگ عامل بالحدیث کہتے ہیں۔ اور امام صاحب حدیث ضعیف پر بھی قیاس کو مقدم نہیں رکھتے اور ان کو تارک حدیث کہا جاتا ہے فقط۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَامِداً و مُصَلِّیاً

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ مسمی ادب الطریق ملقب ادب الرفیق

سفر گورکھپور میں مختلف موقعوں پر حضرت والا نے تقریریں فرمائیں ان میں سے جن کو ذرا امتداد ہوا ان کا نام بھی الگ تجویز فرمادیا۔ منجملہ ان کے ایک تقریر یہ ہے۔ جس کی مناسبت نام کے ساتھ مطالعہ سے معلوم ہو جائے گی۔ یہ تقریر اس وقت ہوئی کہ حضرت والا مقام نرہرپور ضلع گورکھپور سے بیل گاڑی پر مقام شاہپور کو روانہ ہوئے۔ بوجہ بعد مسافت راستہ میں ایک پڑاؤ قصبہ گوالا میں کیا رات کو وہاں رہے صبح کو شاہپور روانہ ہوئے۔ راستہ میں یہ تقریر ہوئی۔ حضرت والا کے ساتھ اس وقت احقر اور مفتی محمد یوسف صاحب رامپوری اور حضرت والا بھائی منشی محمد اختر صاحب اور ایک خادم اور تھے موخر الذکر خادم ایک مولوی صاحب تھے ان سے خطاب شروع ہوا۔ فرمایا آپ کے حالات سے اور مختلف وقتوں میں سوالات سے اور بات چیت سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔ عرض کیا ہاں کچھ پریشانی تو ضرور ہے۔ فرمایا پریشانی کو چھوڑ یئے اور حصول مقصود میں جلدی نہ کیجئے (یعنی اسکے جلدی حاصل ہونے کا انتظار نہ کیجئے نہ یہ کہ اسکی تحصیل میں جلدی نہ کیجئے) اس کا نتیجہ سوائے حیرانی کے کچھ نہیں۔ آپ کا کام طلب ہے باقی حصول مقصود کے آپ متعہد نہیں میرے خیال میں یہی وجہ پریشانی کی ہے مولوی صاحب کی حالت ان کلمات کو سن کر ایسی ہوئی جیسے کہ کوئی بچہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد یک لخت اپنی مادر مہربان کے پاس پہنچ جائے اور اس سے اپنی مصیبتیں کہنے لگے آبدیدہ ہو کر عرض کیا۔ سارا قصہ ہی کہہ دوں۔ میں ابتداء میں گیارہ مہینہ حضور کی خدمت میں تھانہ بھون میں رہا پھر کانپور چلا گیا۔ پھر...... گیا حضرت قدس سرہ حیات تھے حضرت کی تجویز یہ ہوئی کہ مجھے نقشبندیت سے مناسبت ہے۔ اور اسی کے موافق تعلیم فرمائی۔ اس سے پریشانی بہت پیدا ہوئی۔ حتی کہ نیند بالکل ندارد ہوگئی۔ اور دماغ مختل ہوگیا۔ حضرت نے مجھے بیعت تو نہیں کیا مگر تعلیم نقشبندیت کی کی۔ پریشان ہو کر مکان پر آ گیا۔

چند روز متوکلانہ اور قطع تعلق کے ساتھ بسر کی ۔لوگوں سے ملنا جلنا بالکل چھوڑ دیا۔حضرت قدس سرہ کا ۱۳۲۳ھ میں وصال ہو گیا۔مولوی محمد سمیع صاحب میرے بھائی کو شاہ گنج لے گئے وہاں ایک بزرگ تھے جو سلسلہ میں بڑے سید صاحب کے تھے۔میرے بھائی کو ان سے بڑا نفع ہوا تب وہ مجھ کو بھی ان کے پاس لے گئے انہوں نے اول درود شریف پڑھنے کو بتلایا اور اس کے بعد مراقبہ ان کے یہاں مراقبہ کا ہونا ضروری ہے پھر مراقبہ لطائف ستہ وغیرہ بتلایا۔پھر بیعت میں بھی داخل کر لیا مگر میں ہمیشہ حضور کی اجازت ہر کام میں لے لیا کرتا تھا۔ان کے بعض مریدوں میں پریشانی اور بدعقیدگی پائی گئی اس واسطے میرا دل اکھڑ گیا۔اوان کے پاس جانا آنا بند کر دیا۔اس کے بعد بہت پریشانی بڑھ گئی اور یہ خیال ہوا کہ تو کہیں کا بھی نہ رہا ان پر دل نہ جما۔اور کہیں جانے کی اس واسطے ہمت نہ ہوئی کہ وہ ناراض ہوں گے عجیب کش مکش میں پڑ گیا۔میرے حواس خراب ہو گئے کہ کیا کروں اپنا سب سے بڑا مرجع حضور کو سمجھتا تھا۔ایسے وقت میں سوا حضور کے کسی پر نظر نہ پڑی ۔مگر حضور تک جانہ سکا ادھر یہ خیال ستاتا تھا کہ بلا حاضری کے کچھ نہ ہوگا۔تاہم حضور کو خط لکھا اور اس بات کی اجازت چاہی کہ......صاحب کے پاس جاؤں آپ نے اس کی اجازت دی۔

اجازت اور ہے مشورہ اور

حضرت والا نے فرمایا اجازت اور چیز ہے اور مشورہ اور چیز ۔آپ نے اجازت کو مشورہ سمجھا میں اجازت تو عام طور سے دیتا ہوں کہ صلحاء کے پاس جانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور مشورہ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ بات بتاؤں کہ جو صرف غیر مضر ہی نہیں مفید بھی ہو اسکی مثال ہے کہ طبیب سے اجازت چاہتے ہیں کہ گنا کھالیں وہ اس کو اگر مضر نہیں دیکھتا تو کہہ دیتا ہے کھالو یہ اجازت ہے۔اور مشورہ یہ ہے کہ طبیب سے کہتے ہیں کہ آپ کے سپرد ہے جو مناسب تدبیر ہو بتلایئے وہ اس وقت ایسی تدابیر نہیں بتلائے گا۔جو غیر مضر اور غیر مفید ہوں بلکہ وہ تدابیر بتلائے گا جو مفید ہوں۔اسوقت یہ کبھی نہ کہے گا کہ گنا کھاؤ بلکہ اور وقت کہے گا۔گلو پیو اور شاہترہ پیو اور کونین کھاؤ اس وقت وہ آپ کا متبع نہ ہوگا۔بلکہ اپنی رائے کا متبع ہوگا خواہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہو۔اور یہ اتفاقی بات ہے ۔کہ اسکی رائے آپ کی رائے کے موافق آپڑے آپ نے مجھ سے اجازت چاہی تھی ۔میں نے اباحت کے درجہ میں منع نہیں کیا۔مشورہ آج دونگا میرا اصول یہ کہ میں کسی کے کام میں دخل نہیں دیا کرتا۔جو لوگ مجھ سے کسی کام میں رائے لینا چاہتے

ہیں تو میں دیکھتا ہوں کہ ان کا دل کسی طرف راغب نہیں رہا ہے۔ اگر ان کا دل کسی طرف راغب ہوتا ہے تو میں ان کو مقید کرنا نہیں چاہتا۔ اور اگر اس کام میں کوئی خاص محظور نہیں ہے تو اس کام سے منع نہیں کرتا۔ یہ مرتبہ اجازت کا ہے اور مشورہ کا موقعہ وہ ہے کہ رائے لینے والے کا دل کسی طرف مائل نہ ہو اس وقت میں وہ رائے دیتا ہوں جو علاوہ غیر مستلزم محظور ہونے کے مفید اور ضروری ہو۔ بلکہ اپنے نزدیک وہ رائے منتخب کرتا ہوں جو مفید رایوں میں سے بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور اس وقت بھی میرا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ رائے لینے والے کو مجبور کروں کہ ایسا ضرور کرو۔ بلکہ خلوص کے ساتھ وہ رائے پیش کر دیتا ہوں۔ اور اس بات کا دعویٰ بھی نہیں ہوتا کہ میری رائے ٹھیک ہی ہے مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی ہوا میں اپنا قصہ بیان کرلوں پھر آج حضرت مجھ کو مشورہ دیں نے قرآن شریف اور درود شریف کی کثرت کی تعلیم فرمائی جس کا میں اب تک پابند ہوں تین چار سال سے یہی حالت ہے کہ میں نہ ادھر کا ہوں نہ ادھر کا پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ حالانکہ میں اس کے دفعیہ کی کوشش کرتا ہوں جیسے کوئی کہتا ہے ویسے ہی کرتا ہوں مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ شیخ اول کو بھی چھوڑا طبیعت اس میں پریشان رہی کہ ان کا عتاب نہ ہو۔ دوسرے کسی نے بھی کوئی تسلی بخش بات نہ بتلائی جب کسی کے پاس گیا حضور سے اجازت بھی لے لی ۔خواب بہت دیکھے اپنے نزدیک اطمینان کر کے کسی کے پاس گیا۔

خوابوں کا کیا اعتبار

فرمایا خوابوں کا کیا اعتبار اول تو آجکل کسی کا خواب بھی معتبر نہیں۔ خصوصاً اس شخص کا جس کا دماغ مشوش ہو۔ (مولوی صاحب نے چند خواب بیان کئے) فرمایا کہ اس میں احتمال ہے کہ حدیث النفس ہو خوابوں پر بنا کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہاں استخارہ مسنون ہے استخارے کے بعد جس بات پر دل جمے وہ کرنا چاہئے اس میں امید اصلاح ہوتی ہے اور جب تک جمعیت قلب حاصل نہ ہو برابر استخارہ کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا استخارہ بھی بہت کیا استخارہ میں یہ آیت قلب میں آئی ہے **اولئک علی ھدی من ربھم** فرمایا حضرت مولانا نے کہ یہ غیر قابل اعتبار ہے۔ میرے نزدیک یہ تصرفات دماغی ہیں۔ جس طرح رائے ہوتی ہے قوۃ واہمہ اسی طرف مائل ہو کر اجازت کی صورتیں دکھلاتی ہے آپ مولوی آدمی ہیں علم رکھتے ہیں ہمیشہ کو یاد کر لیجئے کہ ایسی باتوں میں نہ پڑے عرض کیا یہ آیت بھی قلب میں آتی تھی۔ لیکن شکوک بھی رہتے تھے۔ فرمایا تشویش بڑھنے سے دماغ میں آ گیا ہے اور قوۃ واہمہ

کا فعل قوی ہو گیا ہے یہ شکوک بھی اوہام ہیں۔ مولوی صاحب ساکت ہو گئے۔

چشتیہ سے مناسبت کی شناخت اود یگر خاندانوں سے فرق

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا ہے تو چھوٹا منہ بڑی بات یہ تشخیص کہ آپ کو نقشبندیت سے مناسبت ہے۔ میرے دل کو بالکل نہیں لگی۔ آپ کی مناسبت چشتیہ سے اتنی صاف ہے کہ شک کرنا بھی مشکل ہے آپکی طبیعت میں فطرتاً شورش اور وارفتگی موجود ہے یہ عشق اور محبت کا مادہ ہے اور یہی چشتیت کا ماحصل ہے۔ ایسے شخص کو نقشبندیت کی تعلیم کرنا فطرت کو بدلنا ہے۔ جس سے کبھی نفع نہیں ہو سکتا ہے۔

نقشبندی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی طبیعت میں متانت ہوتی ہے ان کے مزاج سلاطین کے سے ہوتے ہیں نقشبندی سلوک اہتمام کا ہے اس میں سب کام ضابطہ کے ہیں آپ کے مزاج کے مناسب تو بے سروپا سلوک ہے آپ کو ضابطہ میں مقید کرنا تکلیف مالا یطاق ہے عرض کیا آپ کی صحبت میں تو مجھ کو سکون تھا۔ اس کے بعد کہیں سکون نہیں فرمایا **لھا منھا علیھا شواھد** ۔الحمد للہ خود آپ کو اس بات کا اقرار ہے معلوم ہوتا ہے کہ میری تشخیص صحیح تھی۔ پھر آپ کو کیا سوجھی تھی کہ دوسری جگہ مارے پھریں مگر اس میں بھی ایک نفع ہے **الاشیاء تعرف باضدادھا** ۔اب آپ کو زیادہ نفع کی امید ہے۔ کیونکہ آپ کو حیرانی بہت ہو چکی ۔ اب اگر سکون ہوگا تو بہت آپ کو اس کی قدر ہوگی۔ اور فرمایا ہاں ۔۔۔ کو نقشبندیت سے مناسبت غالباً ان کو دوسری جگہ پریشانی نہیں ہوئی ہوگی۔ ان سے ہمارا دل زیادہ نہ ملتا تھا عرض کیا ہاں ان کو دوسری جگہ نفع ہوا تھا تب ہی تو انہوں نے مجھ کو بھی کھینچا۔

دو بھائیوں کو ایک خاندان سے مناسبت ہونا ضروری نہیں

فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ دو بھائیوں کا مزاج ایک سا ہی ہوتا ہے یہ تجویز صحیح نہیں۔ کہ ان کو نفع ہوا تو آپ کو بھی نفع ہوگا۔ نقشبندی نسبت عاقلانہ اور حکیمانہ ہے اور چشتیہ مجنونانہ ہے بس اب تو آپ کے حسب حال یہ ہے ۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

آپ بہت مزے دیکھ چکے اور چکھ چکے کہ بھٹکے پھرنے سے کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ اب تو آپ ایک

ہی طرف کے ہو جایئے (ایک شخص نے عرض کیا سہروردی خاندان میں کیا بات ہوتی ہے فرمایا وظائف زیادہ تر ہیں۔ اشغال بالکل نہیں اصلاح اعمال بہت ان کا طریقہ سلف کا سا ہے۔) مولوی صاحب نے عرض کیا بیشک مجھے آپ کے پاس رہنے سے بہت نفع تھا۔ لیکن کیا کروں مجبوری ہے میں دور بہت ہوں تھانہ بھون آنے اور رہنے کی مقدرت نہیں ہے دور سے کیا ہو سکتا ہے۔

چندروز پاس رہنے کے بعد دور سے بھی کام ہوسکتا ہے

فرمایا چندروز پاس رہنے کی ضروت ہے پھر دور سے بھی کام ہوسکتا ہے اور فرمایا میں اور زیادہ وسعت کرتا ہوں کئی طرف قلب کا کھینچنا سبب ہے آپ کی پریشانی کا۔ آپ کو جن جن حضرات سے تعلق ہوا ہے ان سے قطع تعلق کی نسبت آپ کا خیال ہے کہ باعث ناراضی ہے اور یہ خوف آپ کے دل میں بیٹھ گیا ہے اور یہ ہی اصل ہے آپ کی پریشانی کی اس کا ازالہ رفع سبب سے۔

ہوسکتا ہے جب سبب اس کا تعدد تعلقات ہے تو اسکا ازالہ ازالہ تعدد ہے میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ ایک طرف ہوجایئے اتنا دل کمزور نہ کیجئے۔ آخر کون چیز آپ کو یکسو ہونے سے مانع ہے کسی کی ناراضی کا خوف ہے ناراضی کا یا مضر ہونا کیسے معلوم ہوسکتا ہے اس کے لئے اگر کوئی معیار ہوسکتا ہے تو وہ شریعت ہے آپ غور کیجئے جی یکسو ہونے میں آپ کون سا کام خلاف شرع کر رہے ہیں۔ جب کوئی کام خلاف شرع نہیں ہے تو حق تعالیٰ کی خفگی کا خوف تو ہے نہیں کسی انسان کی خفگی اگر ہوگی تو کیا ہوگا۔

ساقیا برخیز دردہ جام را ☆ خاک برسرکن غم ایام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ☆ مانمی خواہیم ننگ و نام را

زیارت قبور میں غلو نہ چاہیے

اور میں کہتا ہوں جو انسان خفا ہو بعد اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ اس کام پر خفا نہیں وہ کیا انسان ہے اور اس خفگی سے کیا ہوگا اگر وہ انسان ہے تو خفا ہوگا ہی نہیں آپ کے دل میں یہ وہم بیٹھ گیا کہ پہلے شیخ خفا ہو جائیں گے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ اگر واقعی شیوخ ہیں تو ہر گز خفا نہ ہوں گے۔ اس وہم کو قلب سے نکل دیجئے۔ ہاں ان کی مخالفت نہ کیجئے اور ان کو اطلاع کر دیجئے تا کہ ان کو کسی دوسرے سے سن کر صدمہ نہ ہو اور کبھی ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ کیجئے مجھے پریشانی کا مرحلہ ایسا پیش

آ چکا ہے کہ کم کسی کو آیا ہوگا۔ متین شیوع ان مصیبتوں کو کیا جانیں۔ ان کا علم تو اسی شخص کو ہوتا ہے جو خود ان کو چکھ چکا ہے مجھے بچپن سے خوش عقیدگی بہت تھی۔ سوء ظن کا مادہ بالکل نہ تھا۔ ہر شخص کیساتھ اعتقاد ہو جاتا ہے۔ اور اصلیت اس کی یہ تھی کہ مجھے طلب بہت تھی۔ ایسی حالت تھی جیسے پیاسا پانی کو ڈھونڈتا ہے۔ ہر شخص پر یہی نظر پڑی تھی کہ شاید اس سے کچھ مل جائے یہ حالت بہت خطرناک ہوتی ہے مگر حق تعالی نے فضل کیا کہ کسی جعلساز اور مکار کے پھندے میں نہیں پڑ گیا۔ اول حضرت گنگوہی سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ مگر حضرت نے طالب علمی کے سبب انکار کیا پھر حضرت حاجی صاحب کے پاس پہنچا یہ ابتداء زمانہ شباب کا ذکر ہے۔ حضرت کے پاس لوٹ کر آیا تو سیری نہ ہوئی تھی۔ جو کچھ حضرت حاجی صاحب نے تعلیم فرمایا وہ کرتا رہا مگر اس میں انتظار ہوا ثمرات کا اور انتظار بھی تعجیل کے ساتھ بس یہ چاہتا تھا کہ آج ہو جائے جو کچھ ہونا ہے مل گئے۔۔ صاحب اور انہوں نے خود خواہش کی کہ مجھ سے کچھ حاصل کرو۔ میں نے منظور کر لیا۔ انہوں نے کچھ بتلایا میں نے اس کے موافق شغل شروع کر دیا۔ تو اس قدر پریشانی بڑھ گئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا دل دو طرف کھنچتا تھا۔ اور دونوں تعلیموں میں کچھ اختلاف بھی تھا۔ ایسے وقت میں اس شخص کی حالت جس کی پیاس بڑھی ہوئی ہو۔ اور تعجیل حد سے زیادہ ہو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ دو مہینہ تک یہ حالت رہی کہ خودکشی تک کے وسوسے آتے تھے اگر حق تعالی کی دستگیری نہ ہوتی تو خودکشی میں کچھ بھی کسر نہ تھی۔

حتی کہ ایک روز تنہائی میں ایک شخص میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس وقت میں بالکل آمادہ ہو گیا کہ اپنی خواہش ان سے ظاہر کروں کہ میں حیات سے تنگ آ گیا اب دنیا کو مجھ سے پاک کر دو۔ اور قریب ہی تھا کہ ان سے کہہ ہی بیٹھوں پھر سوچا کہ یہ کسی طرح مانیں گے نہیں ہر شخص کو اپنا پس و پیش بھی تو ہوتا ہے قتل وہ شخص کر سکتا ہے جو اپنی جان کھونے پر آمادہ ہو جائے۔ پھر میرے وہ کوئی مخالف نہیں تھے بلکہ محبت رکھنے والے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی بے ہودہ بات کو مان لیں سوائے اسکے کچھ نہ ہوتا کہ میرا چھچھورپن ظاہر ہوتا۔ اس خیال سے زبان پر آئی ہوئی بات رک گئی۔ خدا تعالی کو بہتر کرنا تھا۔ غرض اس قدر پریشانی تھی کہ یہ نوبتیں ہو گئیں۔ بالآخر حضرت حاجی صاحب کو لکھا۔ حضرت گنگوہی کو اس واسطے اطلاع نہ کی کہ میں خود جانتا تھا کہ مولانا یہی کہیں گے کہ سب چھوڑ کر ایک طرف ہو جاؤ۔ اور میرے دل میں خیال یہ جما ہوا تھا۔ کہ خذ ما صفا دع ما کدر۔

حضرت حاجی صاحب کی حضرت والا پر شفقت

حضرت حاجی صاحب کو لکھا حضرت کو سخت تشویش ہوئی۔ حضرت کو مجھ سے بے حد محبت تھی حضرت پریشان ہوگئے اور سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جوان آدمی ہے۔ جوش بڑھا ہوا ہے۔ تحمل نہ ہوا وہاں سے کوئی صاحب آنیوالے تھے۔ زبانی کہلا بھیجا کہ جب تک تمہارا یہ خادم زندہ ہے۔ کیوں کسی سے رجوع کرتے ہو حضرت کی عادت کے یہ بالکل خلاف ہے کبھی کسی کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لئے کبھی لفظ نہیں کہا۔ مگر میرے ساتھ اس قدر خصوصیت تھی۔ (حق تعالیٰ کو یوں ہی منظور تھا۔) کہ یہ لفظ فرمائے اور خط بھی لکھا میں کان پور میں تھا۔ ظہر کا وقت تھا یہ پیام اور خط پہنچا وہ اثر کیا اس نے جو آگ پر پانی کرتا ہے مغرب کا وقت نہ آیا تھا کہ سب پریشانی رفع ہوگئی پھر اطمینان سے کام کرتا رہا۔

الحمدللہ حضرت کی برکت سے طریق کی حقیقت سمجھ میں آ گئی پھر یہ وسوسہ ہوا کہ دوسرے صاحب سے قطع تعلق ہوگا تو ناراض ہوں گے سوچتا رہا کیا کروں سمجھ میں یہ آیا کہ گول مول بات رکھنا تو ٹھیک نہیں اطلاع کر دینا چاہئے پھر خفا ہوں یا کچھ ہوں جوانی اور ہوشیاری کا عالم تھا ایک تدبر کے ساتھ ان سے قطع تعلق کیا تا کہ قطع کی نسبت ان ہی کی طرف رہے وہ۔۔۔ میں تھے۔ میں نے ان کو خط لکھا کہ بمقتضائے الدین نصح میں نہایت ادب سے خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ بعضی باتیں آپ کے خلاف شرع ہیں ان کو چھوڑ دیجئے اور میں دعاء کرتا ہوں کہ آپ کی حالت شریعت کے مطابق ہوجائے اس سے وہ بیحد خفا ہوئے۔ اور خود ہی قطع تعلق کر دیا اور نہایت خفگی کا خط آیا جس میں یہ بھی تھا کہ میں تم کو وہ دولت دینا چاہتا تھا جو مجھ کو حضرت علیؓ سے پہنچی ہے۔

تم اس کے اہل تھے مگر قسمت تمہاری اور خیر میں نے یہاں تک لکھا تھا کہ دعاء کرو خدا میرا میرے زندقہ پر اور تمہارا تمہاری شریعت پر خاتمہ کرے۔ میری جو غرض تھی یعنی قطع تعلق وہ پوری ہوگئی میں بے قصور تھا۔ اس واسطے میں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر جناب تھانہ بھون آئے یہ وقت میرے واسطے بہت نازک تھا۔ میں سوچتا تھا کہ اب ان سے ملاقات ضرور ہوگی میں کیا عذر کروں گا اور ممکن نہیں کہ میں ملوں نہیں مگر دل میں کترا کر گیا تو نہ ان سے ملا نہ ان کے پاس گیا۔ نہ کچھ کہا نہ کچھ سنا انہوں نے جب ایسا دیکھا تو بہت برا بھلا کہا۔ ایک لوہار نے اس کو مجھ سے نقل کرنا چاہا۔ اور میرا طرف دار بن کر۔۔۔ صاحب کی شان میں کچھ گستاخی کرنا چاہی میں نے اس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار جو کچھ کہا۔ ہم جانیں

یا وہ جانیں تم کون ہو بیچ میں بولنے والے (بحمد اللہ میں نے تہذیب سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا) وہ میرے بزرگ ہیں ان کو منصب سے کہنے کا اور جانے کتنی دفعہ انہوں نے ہم کو بچپن میں مارا ہوگا۔ اور ہم نے کتنی دفعہ ان پر پیشاب کیا ہوگا۔ ہم اور وہ دو نہیں ہیں۔ اس نے یہ باتیں جا کر ان سے نقل کر دی اس کا بڑا اثر ہوا پھر ایک شخص نے ان سے کہا آپ ہی مل لیجئے کہا مل تو لوں مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے نہ ملے گا۔ اور کہیں ٹل جائے گا۔ اس نے کہا نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میں ذمہ دار ہوں۔ مگر ان کو بہت غیظ تھا کہا میں ملوں گا بھی تو بڑا بن کر تو ملوں گا نہیں وہ بڑا سمجھتا تو خود ہی آ کر نہ ملتا۔ ہاں رند بن کر ملوں گا۔ اور پائجامہ اتار کر اسکے سامنے جاؤں گا تو کیا اس حالت میں بھی وہ مجھ سے ملے گا۔ اس شخص نے کہا اس حالت میں میں ذمہ نہیں کرتا۔ اسی اثناء میں عید آ گئی اتفاق سے ان سے موٹھ بھیڑ ہوگئی۔ مگر میں نے سلام نہ کیا اس پر بڑے خفا ہوئے۔ پھر بقر عید آ گئی مجھے اسوقت قرائن سے معلوم ہوا کہ آج امامت کرنا پڑے گی تردد ہوا کہ میں ان کے سامنے نماز کیسے پڑھاؤں گا ان کو امام بنانا چاہئے۔ مگر اس کو اور لوگ شاید نہ مانیں اور میں امام بن گیا۔ تو علاوہ بدتمیزی کے ان کو کدورت رہے گی۔ کیونکہ مجھ کو باطل پرست سمجھتے ہیں آخر یہ کیا کہ نماز جلال آباد جا کر پڑھی۔ غرض ان سے بول چال نہیں ہوئی پھر وہ چلے گئے اور وفات بھی ہوگئی۔ بس سن لیا آپ نے ہمت یوں کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا اس سے پریشانی ہے کہ میں حضرت سے دور ہوں اور حضوری کی کوئی صورت نہیں۔ فرمایا آپ کچھ بھی کہیں بڑی وجہ پریشانی کی کشاکشی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان قصوں سے یہ نفع ہے کہ آپ کو راہ کی بصیرت ہوئی مجھے اس پریشانی سے بڑا نفع ہوا گھر میں اس کی مثال دیا کرتے ہیں کہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی گلستان میں رستہ قطع کر رہا تھا درمیان میں برابر میں ایک خارستان آ گیا یہ شخص اس میں جا گھسا پھر لوٹ پھر کے اسی گلستان میں آ کر چلنے لگا تو اس کو مقصود کی قدر زیادہ ہوتی ہے نیز اس کو خارستان میں گذرنے سے تمام ان دشواریوں کا علم ہو جاتا ہے جو راہ میں پیش آتی ہیں۔ پھر وہ دوسروں کو نے چلنے میں بڑا ماہر ہو جاتا ہے۔ گھر میں سمجھ اس فن کی بہت اچھی ہے ہاں عمل نہیں۔ افسوس کیا کہ ایسا آدمی کام نہ کرے۔ کام نہ کرنے سے بعضے اخلاق بھی بے اصلاح ہیں اور اس پریشانی سے مختلف شیوخ کے بعد حضرت کی دستگیری دیکھ کر بڑا نفع ظہور شان حاجی صاحب کا ہوا زمانہ قبض میں اور دل میں اوروں سے بھی رجوع کیا۔ حضرت کسی نے وظیفے بتا دیئے اور کسی نے کچھ کسی نے کچھ محقق ایک بھی نہ ملا۔ حضرت کا عجیب طریقہ تھا۔ اور اصل میں مرض کو ایسا صحیح

پکڑ لیتے تھے۔ کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اور شفقت ایسی تھی کہ نظیر ملنا مشکل ہے اسی وجہ سے شفا حکمی ہوتی تھی۔

حضرت گنگوہی حضرت حاجی صاحب کے طریق پر تھے

حضرت مولانا گنگوہی بھی حضرت ہی کے طریقہ پر تھے اور حضرت کے طریقہ کے پورے جامع تھے مگر لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلتا تھا کیونکہ مولانا کو مجلس میں اصول وفرع کے بیان کا اہتمام نہ تھا صرف ایک عالم معلوم ہوتے تھے اور میں ایسا اوچھا ہوں کی کسی بات کو نہیں چھپاتا میرا خیال ہے کہ فن تصوف کو آجکل طشت از بام کرنا چاہئے ہزاروں قسم کی گمراہیوں اور تلبیسیوں میں لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اصلاح بلا اس کے کیسے ہو میں اصول وفروع سب کو کھلم کھلا بیان کر دیتا ہوں چھپانے کی چیز اپنی حالت ہے۔ (میرا خیال اس کی نسبت بھی یہ ہے کہ خاص خاص لوگوں کے سامنے بمصلحت اس کو بھی ظاہر کر دے تو حرج نہیں ہے۔

اپنی حالت چھپانے کی چیز ہے الابضرورت

اپنی حالت ایک راز ہوتا ہے حق تعالی کے ساتھ دوسروں پر اس کو ظاہر کرنا حق تعالی کی غیرت کے خلاف ہے اور فن کو تو علی الاعلان پکار پکار کر ظاہر کرنا اور شائع کرنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا مجھے عقیدت راسخ تو آپ سے ہی ہے فرمایا مجھے اس کا انتظار ہی نہیں کہ دوسرے کسی سے اتنا عقیدہ نہ ہو جتنا مجھ سے ہو محبت احباب کا تو انتظار ہے محبت اور عقیدت الگ الگ چیزیں ہیں خدا کا کوئی طالب ہو اور مجھ سے سو دفعہ قطع کر دے پھر میں ایسا ہی خادم ہوں۔

یہ تنگ ظرفی ہے کہ طالب کو ذرا میں مردود بنا دیا جائے

میں اس کو بڑی تنگ ظرفی سمجھتا ہوں جو آجکل کے مشائخ میں ہے کہ ذرا طالب جدا ہو۔ تو مردود بنا دیا جائے پھر کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتے کوئی ان سے پوچھے کہ تم سے بھی اپنے شیخ کے ساتھ کوئی غلطی ہوئی تھی یا معصوم تھے۔ اور بسا اوقات طالب سے غلطی کثرت محبت کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کی تو قدر کرنا چاہئے اس کو مردود بنانا خود ان کی ہی غلطی ہے ایسا طالب تو بے بہا نعمت ہے ہر چھوٹا چھوٹا نہیں ہوتا۔ بعض وقت حق تعالیٰ بڑے لوگوں پر چھوٹوں کی برکت سے فضل فرماتے ہیں اسوقت بڑا بننا

تکبر ہے حقیقت میں بڑا وہ ہے۔

ایک شخص کسی شیخ کو ترک کرے تو گستاخی نہ کرے اور اسکو اطلاع بھی کر دے

فرمایا مولوی صاحب آپ کے پاس تو عذر بھی ہے اوروں سے قطع تعلق کرنے کے لئے کہ میں پہلے سے تھانہ بھون ہی سے تعلق رکھتا ہوں **ما الحب الا للحبیب الاول** ۔بس ایک طرف ہو جائے ۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ پہلے شیخ کو گو وہ کیسے ہی بے نفس ہوں اطلاع کر دیجئے تا کہ آپ کا اور ان کا قلب مطمئن ہو جائے اطلاع نہ کرنے میں آپ کو یکسوئی نہ ہوگی مولوی صاحب نے عرض کیا نہیں بلکہ میرے قلب کی حالت یہ ہے کہ اطلاع کرنے میں یکسوئی نہ رہے گی ۔فرمایا تو اطلاع کی ضرورت نہیں کوئی گناہ تو کر ہی نہیں رہے بس ایک طرف ہو کر بنام خدا کام شروع کیجیے آپ کو چشتیت کی تعلیم ہونا چاہئے ۔ آپ کا ہر ہر حال اس کا شاہد ہے چشتیہ اور نقشبند یہ دونوں کی شان میرے مذاق میں تو اسی ایک شعر سے واضح ہوتی ہیں ؎

"رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار"

اور یہ چشتی کی حالت ہے ؎

"کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش"

شیخ کی حالت میں بھی افادہ وغیر افادہ کے وقت فرق ہوتا ہے

یہ نقشبندی کی حالت ہے کہ ہر کام میں انتظام اور تدبیر ہوتی ہے۔ جیسے سلاطین میں ہوتی ہے۔مولوی صاحب نے عرض کیا حضور کی دعا سے اس وقت میرے قلب کو بہت طمانیت حاصل ہوئی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ سامنے آپ کے اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے اور۔

فرمایا یہ ضرور ہے مگر یہ تقلب مضر نہیں پریشانی کبھی نہ ہوگی اس قسم کا تغیر ہر شخص کو پیش آتا ہے۔ مرید تو کیا شیخ کی حالت میں بھی وقت افادہ اور غیر افادہ میں فرق ہوتا ہے مرید کو تو شیخ کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہی ہے شیخ کو بھی مرید کی بدولت بہت سی باتیں حاصل ہوتی ہیں ۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔شعر

بانگ مے آید کہ اے طالب بیا ☆ جود محتاج گدایان چوں، گدا

دیکھئے مدرسہ میں مدرس طالب علموں کے افادہ کے لئے مقرر ہوتا ہے اور طالب علموں کو اس

سے نفع پہنچتا ہے اور طالب علموں کا نفع اس پر موقوف ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرس کو طالب علموں سے کچھ نفع نہیں پہنچتا آپ تو خود عالم ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں بارہا کا تجربہ ہے کہ کوئی مضمون کتاب میں پڑھتے وقت باوجود کوشش اور مطالعہ کے اور باوجود استاد کے سمجھانے کے سمجھ میں نہ آیا اور ہمیشہ اس میں الجھن رہی اور جس وقت طالب علم پڑھنے بیٹھا قلب میں دفعۃً آ گیا یہ اس طالب علم ہی کی برکت ہے یا کچھ اور افادہ کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے۔ طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج کے لئے یہ شعر حافظ صاحب کا خوب ہے۔ شعر

سایہ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد ☆ ما بہ او محتاج بودیم او بما مشتاق بود

اسی شعر میں مولانا کے شعر مذکور سے ادب ازید ہے اس میں طالب و مطلوب میں مساوات سی پائی جاتی ہے اور اس میں لفظ بدل دیا طالب کے لئے احتیاج اور مطلوب کے لئے اشتیاق کا اطلاق کیا۔ تقریر ''ادب الطریق ختم ہوئی۔ تاریخ تبییض ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ روز چہارشنبہ ۱۰ جنوری ۱۹۱۷ مقام میرٹھ محلہ کرم علی۔

ادب الاعتدال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداو مصلیا

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ مسمی ادب الاعتدال یہ تقریر بھی منجملہ ان تقریروں کے ہے جو سفر گورکھپور میں ہوئیں۔ یہ تقریر مابین اسٹیشن مئو د اعظم گڈھ ہوئی وقت ٹھیک ۱ گھنٹہ تاریخ ۲۷ صفر ۱۳۳۵ھ روز یک شبنہ بعد طلوع آفتاب مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء اس وقت ہمراہیوں سے دو، درجے بھرے ہوئے تھے تخمیناً چودہ پندرہ آدمی تھے۔

مئو ضلع اعظم گڈھ میں زائرین کا بہت ہجوم تھا۔ اور بہت سے ان میں اس بات کے طالب ہوئے کہ ہماری بستی میں تشریف لے چلئے۔ فرمایا وقت بہت تنگ ہے میں خواجہ عزیز الحسن صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان کے ساتھ ایک مقام ریاست بھرت پور میں جاؤں اور ان کو لکھا جس کا دل چاہے مجھے منگل کے روز الہ آباد میں ملیں آج اتوار ہے مجھ کو پرسوں الہ آباد پہنچنا ضرور ہے۔ بیچ میں سرائے میر اور فتح پور کا بھی وعدہ ہو چکا ہے۔ اب اتنا وقت کسی طرح نہیں ہے کہ اور کہیں جاسکوں فتح پور کے لئے بھی بہ مشکل دو گھنٹہ ملے ہیں۔ اور مقامات پر جانے کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت تو میں الہ آباد چلا جاؤں اور خواجہ صاحب سے مشورہ کروں وہ وہاں ملیں گے اگر وہ اپنے ساتھ لے جانا ملتوی کر دیں تو الہ آباد سے پھر لوٹ آؤں۔ گو مجھ کو اس میں تکلیف ہوگی مگر خیر میں اس کو گوارا کروں گا بدنظمی نہ ہونی چاہئے لیکن اس کے لئے بھی کئی شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ میں حتمی وعدہ نہیں کرتا کہ میں لوٹ آؤں گا۔ خواجہ صاحب سے مشورہ کے بعد جو کچھ طے ہوگا اس پر عمل ہوگا دوسرے یہ کہ میں خواجہ صاحب پر زور نہیں دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں اس واسطے مناسب ہے کہ جس جس کو مجھے اپنے یہاں لے جانا ہو وہ سب اپنا اپنا ایک ایک وکیل جو ان کے نزدیک معتمد علیہ ہو میرے ہمراہ بھیجدیں۔ وہ وکلا وہاں خواجہ صاحب سے کہیں اگر خواجہ صاحب نے منظور کرلیا۔ تو میں ان وکلاء کے ساتھ واپس آ جاؤں گا۔ اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ معتد بہ تعداد مقامات کی ہو جائے ایک دو جگہ کے لئے اتنے لمبے سفر کو دہرانا نہیں ہوسکتا۔ اس وقت لوگ مقامات کے نام لکھوا دیں۔

اگر تعداد معتد بہ ہوگئی تو خیر یہ طول گوارا کیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا خواجہ صاحب کو تار دیدیں۔ فرمایا تار کے قصے بہت دیکھے ہیں۔ مشورہ طلب باتوں میں تار سے کچھ کام نہیں چلتا کیونکہ اتنا مضمون تار میں کیسے جا سکتا ہے۔ آپ لوگ آپس میں مشورہ کر کے وکلاء منتخب کرلیں۔ اور میرے پاس لے آئیں۔ اگر ۵ مقام بھی ہوگئے تو میں چلا آؤں گا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد چار آدمیوں نے آمادگی ظاہر کی وہ چار جگہ یہ ہیں۔ ہمی پور، پورہ معروف۔ مبارک پور، بہادر گنج ان سب نے پوری آمادگی ظاہر کی۔ لیکن جب مئو سے روانہ ہوئے تو اسٹیشن میں انبوہ میں کچھ پتہ نہ چلا کہ کس کس کے وکیل کے ساتھ ہیں جب ریل میں بیٹھ گئے اور روانہ ہوگئے تو فرمایا جو لوگ بلانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے وکیلوں کے بھیجنے کا کیا انتظام کیا۔ خدام نے عرض کیا ہم کو نہیں معلوم ظاہر تو لوگ سست ہوگئے اس وجہ سے کہ ان کو پوری امید نہیں رہی فرمایا میں جب کسی کا بلایا ہوا جاتا ہوں تو اس کے آدمی کو ضرور ساتھ لے لیتا ہوں بس یہ کام ساتھ رہنے کا مشکل ہے صرف بلاوا دیدینا تو کچھ بات نہیں تمام راستہ کا بار سفر کا اور انتظامات کا مدعو کے سر رہتا ہے بلانے والے کی صرف زبان ہلتی ہے۔ اور بہت سے بہت یہ کہ روپیہ خرچ کردیا جب انتظام کا بار اپنے ذمہ پڑتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ بلانا کیا چیز ہے انتظام'' کارے دارد اس سے طلب کی بھی جانچ ہو جاتی ہے جو طالب ہوگا۔ وہ سو بکھیڑے اپنے ذمہ لے گا۔ اور اس میں اپنی آسائش بھی ہے راستہ اور سفر کی ضروریات سے جیسا کہ داعی کا آدمی واقف ہو سکتا ہے ایسا مدعو نہیں ہو سکتا۔ اسی سفر میں اگر بھائی اکبر علی کا آدمی گورکھپور سے ساتھ نہ ہوتا تو ڈوری گھاٹ کے اسٹیشن پر کس قدر مصیبت کا سامنا ہوتا جو کچھ تجویزیں ہم نے اور بھائی اکبر علی نے کی تھیں کہ سواری وغیرہ کا انتظام پورا کردیا تھا وہ سب درمیان میں ایک جگہ ریل نہ ملنے سے الٹ پلٹ ہوگئیں۔ اگر وہ خدمت گار نہ ہوتا تو سردی میں اور اندھیرے میں رات کو کہاں پڑتے وہ واقف تھا اس نے اتنا تو کرلیا کہ دھرم شالہ میں جا ٹھیرایا۔ میں کہیں از خود جانے سے بڑی عار رکھتا ہوں الا آنکہ بہت ہی مخلص اور خاص آدمی ہو کہ اس کے یہاں جانے میں کچھ تامل نہیں کرتا اس سے شرطیں لگانے کو تکلیف اور ایذا سمجھتا ہوں اور بلا خاص تعلق کے کسی کے یہاں جانے میں میں بہت ہی شرطیں لگاتا ہوں اور پوری طرح دیکھ لیتا ہوں کہ وہ دل سے بلاتا ہے یا نہیں اور، اور بھی کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ تو اس پر مرتب نہیں۔ پوری طرح چھان بین کر کے جب جاتا ہوں۔

حتی کہ بعض لوگ میری ان شرائط کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مزاج میں بہت خود کشی ہے

مگر تعجب ہے کہ اس پر بھی ایک مہربان نے اس کو آوارہ گردی سمجھ کر اعتراض کیا یہ ایک صاحب ہمارے مجمع کے مخالف ہیں بڑے ناز نخروں سے سفر کرتے ہیں۔ ایک موقعہ پر کسی نے بلایا تو طعنہ کے طور پر کہا کہ ہم پٹواریوں کی طرح مارے مارے نہیں پھرے اور ایک دفعہ بعض اہل بدعت نے وہابیوں کی شناخت یہ بھی چھاپی تھی کہ دور، دور دعوتیں کھاتے ہیں کیا مشکل ہے۔

ایک طرف تو وہ اعتراض کہ یہ اپنے آپ کو کھینچتے ہیں اور ایک طرف یہ کہ پٹواری بنا دیا۔

اگر معترضین کے کہنے کا خیال کیا جائے تو زندگی محال ہے اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ اپنا معاملہ حق تعالی کے ساتھ صاف رکھے اور دنیا کو بکنے دے کوئی کچھ کہا کرے۔ احقر نے عرض کیا تعجب ہے کہ مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم لوگ دعوتیں کھاتے پھرتے ہیں وہ خود تو بہت زیادہ دعوتیں کھاتے ہیں اور تکلف کی دعوتیں چاہتے ہیں منہ سے مانگ مانگ کر لیتے ہیں جیسے مناظرہ رامپور میں ہوا کہ قادیانی لوگ فرمائش کرتے ہیں۔ اور بہت سا گھی اور شکر اور انڈا، اور مرغی اور بکرے کا گوشت اور کیا کیا روزانہ لیتے تھے اور سفر خرچ میں بھی نواب صاحب سے سینکڑوں ہی کی رقم وصول کی بخلاف ہمارے مجمع کے کہ کوئی کبھی فرمائش نہیں کی اور بہت اصرار کے بعد کی تو ماش کی دال کی اور سالن میں گھی کم کر دینے کی۔ فرمایا ہاں بہت جگہ دیکھا کہ یہ لوگ گھڑ گھڑ کے وصول کرتے ہیں۔ کسی کے پانچ انڈے روز مقرر ہیں اور کسی کے ناشتے ہیں حلوا اور پراٹھے مقرر ہیں کسی کی فیس بہت زیادہ مقرر ہیں جو علاوہ سفر خرچ کے وصول کی جاتی ہے۔ غرض ان سیاحین میں کوئی مجمع صلحاء کا نہیں دیکھا۔

اہل بدعت اور غیر مقلدین میں صلحا نہیں دیکھے

کہیں یہ نہیں دیکھا کہ دس پانچ آدمی ایسے ہوں جن کو صالح اور دیندار کہا جا سکے کوئی شاذ و نادر، اور اکیلا دیندار ہو تو ہو۔ اور ہمارے یہاں بحمد اللہ اتنے دیندار موجود ہیں کہ مجمع کے مجمع ہو سکتے ہیں ہر مجمع میں ممکن ہے کہ دس پانچ آدمی ایسے دکھائے جا سکیں جن کا صالح ہونا مسلم ہو۔

اہل حدیث کو حدیث سے مس بھی نہیں

اکثر غیر مقلدین لوگ اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ان کو مس بھی نہیں ہوتا صرف الفاظ پر رہتے ہیں۔ اور حدیث میں جو بات سمجھنے کی ہے جس کی نسبت وارد ہے من یرد اللہ بہ

خیرا یفقهه فی الدین وہ اور چیز ہے اگر وہ صرف الفاظ کا سمجھنا ہوتا تو کفار بھی تو الفاظ سمجھتے تھے وہ بھی فقیہ ہوتے اور اہل خیر ہوتے تفقہ فی الدین یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ دین کی حقیقت کی پوری معرفت ہو سو ایسے لوگ حنیفہ میں بکثرت ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کا علم وتفقہ

حضرت حاجی صاحب ایک شیخ تھے عالم ظاہری پورے نہ تھے۔ مگر تحقیق کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ بھوپال کے ایک غیر مقلد حضرت سے بیعت ہوئے جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ اول ایک صاحب جو بھوپال سے حج کرنے آئے تھے حضرت سے بیعت ہوئے ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص بھوپال کے تھے جو سخت غیر مقلد تھے اور ان پہلے صاحب کو بھی وہ غیر مقلد سمجھتے تھے ان بھوپالی غیر مقلد صاحب نے اس سے سمجھا کہ حضرت غیر مقلد کو بھی بیعت کر لیتے ہیں۔
انہوں نے ان صاحب کی معرفت حضرت حاجی صاحب سے دریافت کرایا کہ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ مگر غیر مقلد ہی رہوں گا۔ حضرت نے اس شرط کو منظور فرمالیا۔ پھر وہ خود حاضر ہوئے اور تصریحاً پوچھا۔ فرمایا ہاں کچھ حرج نہیں۔ پس بیعت کر لیا۔ لیکن بیعت ہونا تھا خدا جانے کیا اثر ہوا کہ اس کے بعد اول ہی وقت نماز میں نہ آمین کہی نہ رفع یدین کیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو حضرت چونک اٹھے اور بلا کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ کی تحقیق اور رائے بدل گئی تب تو خیر اور اگر میری خاطر سے ایسا کیا تو میں ترک سنت کا وبال اپنی گردن پر نہیں لیتا۔ دیکھیے تحقیق کی شان یہ ہے اور سنت سے ہمارے حضرات کو کس قدر اور خصوصاً حضرت حاجی صاحب کو سنت کیساتھ غایت درجہ کا عشق تھا پھر ایسے لوگوں کو متعصب کہا جائے تو کس قدر ظلم ہے ہاں متصلب ہیں متعصب نہیں۔

تصلب اور تعصب میں فرق

تصلب اور تعصب میں فرق ہے۔ تسلب اور چیز ہے اور تعصب اور چیز۔ متصلب فی الدین اس شخص کو کہتے ہیں جو دین میں ہٹ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

علی گڑھ کا قصہ

علی گڈھ کالج کے بعض طلبہ نے مجھ سے کہا کہ علماء متعصب ہیں۔ میں نے کہا میں ایک مثال

دیتا ہوں اور آپ پر ہی فیصلہ رکھتا ہوں۔ اس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ علماء متعصب ہیں یا نہیں۔

تصلب اور تعصب کیلئے ایک مثال

وہ مثال یہ ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی کو یوں کہا جائے کہ سنا ہے تمہاری ماں اول رنڈی تھی پھر نکاح کر لیا اور اس کے بعد تم پیدا ہوئے۔ کیا یہ بات صحیح ہے سو اول تو اس میں عیب کیا ہے کہ ایک عورت رنڈی تھی اس نے توبہ کر لی اور نکاح کر لیا اسکے بعد جو اولاد ہوگی وہ تو حلال کی ہوگی۔

اس سے اس شخص کے نسب میں کچھ نہیں ہوتا اس سے قطع نظر اگر یہ بات واقعی ہو تب تو ایک واقعی بات کے تحقیق کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں اب میں پوچھتا ہوں آپ سے کہ میں فرضی صورت کو چھوڑ کر یہ صورت اختیار کرتا ہوں کہ یہ بات واقعی ہو اور ایک مجمع میں بیان کی جائے تو کیا وہ شخص ٹھنڈے دل سے اس واقعہ کو سن کر جواب دیگا۔ یا جوش کے مارے آپے میں نہ رہے گا۔ بلکہ اگر اس پر جوش نہ ہو تو آپ کے نزدیک یہ داخل بیغرتی ہوگا یا نہیں اور اگر آپ انکار کریں تو ہم امتحان کر کے دکھاویں بتلائیے کہ اس کو جوش کیوں ہوگا اور یہ جوش کا ہونا آپ کے نزدیک بجا کیوں ہے اور جوش کا نہ ہونا بے غیرتی کیوں ہے۔ اگر وہ شخص واقعی بات کہتا ہے تب تو سچی بات پر غیظ کا آنا کیا معنی۔ اور اگر جھوٹی بات کہتا ہے تب بھی جوش کے کچھ معنی نہیں۔ خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس کی ماں میں یہ عیب نہیں اور اس کہنے والے کو نرمی سے اور دلسوزی سے اور جن الفاظ کو وہ پسند کرے ان الفاظ سے سمجھا دے کہ بھائی یہ بات غلط ہے۔

اور اگر نہ مانے تو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے اور اس سے کچھ تعرض نہ کرنا چاہئے تو اس پر جوش ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اپنی ماں کی عزت ہر شخص کے دل میں ہوتی ہے اس کی نسبت کوئی برا لفظ سننا قطع نظر واقعیت اور غیر واقعیت سے گوارا نہیں ہوتا۔ بس ہم کہ ہماری نظر میں دین کی عزت ماں سے زیادہ ہے۔

کوئی ناشائستہ لفظ دین کی نسبت سننا گوارا نہیں ہوتا۔ اور فوراً جوش آ ہی جاتا ہے اور جوش نہ آنے کو ہم بے غیرتی سمجھتے ہیں۔ سوال کی طرح سوال کرو تب دیکھو ہم ناراض ہوتے ہیں یا نہیں۔ خود ہماری کتابوں ہی میں اللہ و رسول کی نسبت ایسے سوال لکھے ہوئے ہیں جن سے توحید اور رسالت اڑی جاتی ہے اور علماء نے ان کے جواب نہایت متانت سے دیئے ہیں۔ غیض و غضب کا کچھ کام نہیں۔ ان سوالوں

میں تحقیق مدنظر ہے۔اور آپ لوگوں کو تحقیق مدنظر صرف استہزاء بالدین ہے اور چھیڑ چھاڑ منظور ہے سو اس کو تو ہم کبھی نہیں سن سکتے۔

یہ جواب ہے تمہارے سوال کا اور اگر اس کو بھی تعصب ہی کہتے ہو تو دوسری بات کہئے ایسے جوش کے حضرات پرانے علماء ہیں۔جنھوں نے کبھی ایسی بددینی کی باتیں نہ سنی تھیں۔آپ ہم سے پوچھئے ہم ایسے غیرت دار نہیں۔وجہ یہ کہ ہم تمہاری صحبت سے اور بار بار سننے سے بے غیرت ہو گئے ہیں۔ہم سے بے تکلف پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہو۔جن صاحب نے یہ کہا تھا کہ علماء میں تعصب ہے۔ان پر تو ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً میرے موافق بن گئے اور طالبعلموں کو بھی سنا کہ آپس میں کہتے تھے جس کو جواب لینا ہو یہاں آ جاؤ۔مگر کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ سوالات کرتے۔ بلکہ ان سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اپنے شبہات آزادی کے ساتھ لکھ کر بھیجو بھی کسی سے نہ ہوا۔

ان لوگوں کی باتیں ہی باتیں ہیں دوسرے کے سر الزام رکھ کر خود کام سے بچنا چاہتے ہیں۔غرض علماء سے بدگمانی دور ہی دور سے ہے۔ ہمارے علماء تو ایسے کریم النفس اور شفیق ہیں کہ ان سے نفرت ہو ہی نہیں سکتی لیکن تصلب کیسے چھوڑ دیں نرمی اور چیز ہے اور مداہنت اور چیز ہمارے علماء نرم تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ ہمارے علماء کرام کی کوئی تحریر دل آزار نہیں دکھائی جا سکتی۔ہاں جواب ایسا ہوتا ہے کہ اس کا جواب نہ آ سکے۔تحقیق کی شان یہ ہے لیکن کہیں کوئی کلمہ بے ہودہ نہ ہوگا۔ بات کا جواب پورا دیں گے۔کسی کی رو رعایت نہ کریں گے۔ان سے مداہنت نہیں ہو سکتی۔ یہ طریقہ ان کو پسند نہیں کہ گنگا پر گئے تو اس گنگا داس اور جمنا پر گئے تو جمنا داس آجکل لوگوں نے یہ شعر یاد کر لیا ہے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام ☆ با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

یہ حافظ کا شعر کہا جاتا ہے مگر یہ حافظ شیرازی کا نہیں ہے۔کوئی آنکھوں کا حافظ ہوگا۔ وہ تو ہندوستان آئے بھی نہ تھے رام رام کیا جانیں۔ ہمارے ان علماء سے جب کوئی ملتا ہے تو پھر کبھی نہیں کہتا کہ متشدد ہیں ہاں مخالفین کے علماء متشدد بھی اور ان کا علم بھی بہت ناتمام ہے۔

ایک غیر مقلد کا قصہ

ایک غیر مقلد مجھ سے کہنے لگے کہ ہمارے علماء سوائے آمین بالجہر اور رفع یدین کے کچھ نہیں جانتے اسی واسطے ہم معاملات کے مسائل آپ سے پوچھا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص بہت ہی سخت ہیں ان کے

دوسرے بھائی بھی غیر مقلد ہیں۔ مگر وہ نرم ہیں وہ کہنے لگے ہمارا یہی دعویٰ غلط ہے کہ ہم غیر مقلد ہیں ہم تو نہ عالم ہیں نہ محدث جب تک حضرت گنگوہیؒ زندہ تھے ان سے پوچھتے تھے اب آپ سے پوچھتے ہیں۔

حکایت: اور فرمایا ہم ایک دفعہ گڑھی گئے (یہ ایک قصبہ ہے ضلع مظفر نگر میں) وہاں کے رئیس نے کسی تقریب میں مجمع کیا تھا۔ اور یہ دونوں بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے آمین پکار کر نہیں کہی مجھے اس کی قدر ہوئی۔

حکایت آمین بالجہر

مولانا شیخ محمد کے زمانہ میں ایک دفعہ کیڑی کے ایک آدمی جمعہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مولانا کے پیچھے آمین کہی تمام جماعت بھر میں کھلبلی پڑ گئی کسی نے کہا نکال دو۔ کسی نے کہا مارا۔ مولانا نے سب لوگوں کو ساکت کیا۔ اور کہا کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو اس قدر غل مچاتے ہو۔ پھر ان صاحب کو بلا کر پوچھا جنہوں نے آمین بالجہر کہی تھی کہ جن لوگوں نے آمین زور سے نہیں کہی۔ ان کی نماز تمہارے نزدیک ہوئی یا نہیں۔ جواب دیا نماز تو ہوگئی فرمایا۔ پھر کیوں اتنے مجمع کو پریشان کیا۔ تمہارے نزدیک جب آمین بالجہر نہ کہنے سے بھی نماز صحیح ہے تو مجمع کو پریشان کرنا کیا ضرورت تھا۔ فرمایا حضرت والا نے ہم لوگوں کا بھی یہی مسلک ہے۔ ہم آمین بالجہر کے ایسے خلاف نہیں کہ اس کے واسطے فوجداریاں کی جائیں۔

قنوج کا قصہ

قنوج کی جامع مسجد میں ایک دفعہ میرے وعظ کی خبر سن کر غیر مقلدین مجمع میں شریک ہوئے اور آمین بھی زور سے کہی۔ جب کسی نے کچھ نہ کہا تو دوسری رکعت میں تھوڑوں نے کہی۔ دیکھئے نرمی کا یہ اثر ہوتا ہے۔ بعد نماز میں نے وعظ کہا اور بدعات رسوم کا بیان کیا۔

غیر مقلدین نے کہا آج معلوم ہوا کہ ہم بھی بدعات میں مبتلاء ہیں آیت یہ تھی۔ **قُلْ لِاَزْوَاجِکَ ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا** جس میں میں نے بیان کیا کہ قرآن شریف کے الفاظ تو بتلاتے ہیں کہ بیبیوں سے کہہ دینا چاہئے کہ اگر تم دین کی پابندی نہ کرو گی تو تم کو طلاق دیدیں گے۔ چند غیر مقلد گھر گئے اور بیبیوں سے کہا کہ آج

ہم وعظ سن آئے ہیں کہ رسوم ناجائز ہیں تم توبہ کرو۔ ورنہ ہم تمہیں طلاق دیدیں گے۔ یہ ان کی محبت تھی دیکھئے ہم لوگوں نے آمین کے بارے میں سختی نہیں کی ہمارے علماء میں تشدد نہیں۔

قنوج میں حضرت کا میلاد پڑھنا

قنوج ہی میں مجھ سے ایک شخص نے مولود شرف پڑھنے کی درخواست کی میں نے کہا مجھے پڑھنے سے تو انکار نہیں۔ مگر میرا پڑھنا آپ کو پسند نہ آئے گا وہ بولے جس طرح سے پڑھو گے ہم کو پسند ہے۔ میں نے وعدہ کرلیا وہاں ایک غیر مقلد بیٹھے تھے۔ صاحب فرمائش نے ان سے کہا تم بھی آجانا جن کا مکان پر میں ٹھیرا ہوا تھا انہوں نے کہا **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ۔ میں نے کہا لاحول کا ہے پر پڑھی۔ آپ کو کیا معلوم ہے کہ میں کیسے پڑھوں گا۔

آپ آئیں اور مجلس کے کنارہ پر بیٹھیں۔ اور کوئی بدعت ہو تو فوراً اٹھ جائیں۔ چنانچہ عصر کے بعد بیان ہوا۔ اور میں نے بطور وعظ بیان کیا وہ صاحب علیحدہ بیٹھے رہے۔ میں نے اس آیت کا بیان کیا۔ **الم کتب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور الایۃ** ۔ مغرب تک بیان ہوا۔ اور وہ برابر بیٹھے رہے۔ اور بعد میں کہا ایسے مولود شریف سے کیا انکار ہے وہ ہی غیر مقلد یہ بھی کہنے لگے کہ ہم اپنے آپ کو عامل بالحدیث کہتے ہیں مگر ہمارا عمل بالحدیث صرف آمین بالجہر اور رفع یدین تک محدود ہے۔ اور دیگر امور میں یہ حالت ہے کہ میں عطر میں تیل ملا کر بیچتا ہوں۔

حنفیہ میں اتقاء ہے

کبھی وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ یہ حدیث کے خلاف ہے۔ فرمایا حضرت والا نے یہ حالت ہے ان لوگوں کی جو حدیث کہتے پھرتے ہیں۔ خود ایک غیر مقلد کہتے تھے کہ ہم میں متقی کم ہیں اور حنفیہ میں خشیت اتقاء زہد وغیرہ والے کثرت سے ہیں۔ محمد آباد کے اسٹیشن پر چار پانچ آدمی ملنے کو آئے اور بہت خلوص سے ملے۔ فرمایا اس نواح میں دو چار دن رہنا ہوتا تو سرور ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے مخلص ہیں جانبین سے محبت ہو تو عجیب نعمت ہے۔ یہ حب فی اللہ ہے یہی کچھ چیز ہے۔

اور جو محبت کسی غرض سے ہوتی ہے وہ لاشے اور محض دھوکہ ہے امام شافعی صاحب کا قول ہے کہ جنت کی تمنا یہ خبر سن کر ہوگئی ہے کہ وہاں احباب سے ملاقات ہوگی یہ تھے صوفی اور فقیہ۔ اور اب لوگوں

نے تصوف اور فقہ دونوں کے معنی بدل دیئے ہیں۔ اور دونوں کو متنافیین قرار دیا ہے حالانکہ ان میں تنافی نہیں کیونکہ تصوف کے معنی ہیں۔ تعمیر الظاہر والباطن۔ ظاہر کی تعمیر اعمال سے اور باطن کی اخلاق سے۔

فقہ کی حقیقت

اور فقہ کی امام صاحب نے تعریف کی ہے معرفۃ النفس مالہا وما علیہا یہ عام ہے اعمال ظاہری و باطنی سب کو تو تصوف اور فقہ میں منافات کہاں ہے۔ پہلے فقہ اور تصوف کے جامع ہوتے تھے۔ یہ بلا آجکل ہی پھیلی ہے کہ دونوں کو علیحدہ سمجھ کر دونوں کو خراب کیا۔ حالانکہ ان دونوں کا ساتھ ہے۔

صحبت کیلئے کس کو تلاش کرنا چاہئے

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صحبت کے لئے اس شخص کو اختیار کرو جو محدث بھی ہو اور فقیہ بھی صوفی بھی اعتدال اسی سے ہوتا ہے یہ قول ان کا قول جمیل میں ہے۔

مولانا اسمعیل صاحب غیر مقلد نہ تھے

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان ماشاء اللہ ان اوصاف کا جامع ہے جن میں مولانا اسمعیل صاحب بھی ہیں بعض لوگ مولانا کو غیر مقلد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ میرے استاد بیان فرماتے تھے کہ وہ سید صاحب کے قافلہ کے ایک شخص سے ملے ہیں۔ ان سے پوچھا تھا کہ مولانا غیر مقلد تھے۔ انہوں نے کہا یہ تو معلوم نہیں۔ لیکن سید صاحب کے تمام قافلہ میں یہ مشہور تھا کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں باقی اس سے سمجھ لو کہ اس قافلہ میں کوئی غیر ہو سکتا ہے۔

مولانا اسمعیل صاحب کی ایک حکایت

ایک حکایت اور فرمائی سند یاد نہیں۔ کسی نے مولانا سے مسئلہ پوچھا فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک یوں ہے اس نے کہا آپ اپنی تحقیق فرمائیے۔ فرمایا میں کیا کہتا ہوں امام صاحب کے سامنے مولانا کے غیر مقلد مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا نے بعض جاہل غالی مقلدین کے مقابلہ میں بعض مسائل خاص عنوان سے تعبیر کرائے اور ایک بار ان کے مقابلہ میں آمین زور سے کہدی کیونکہ غلو اس وقت ایسا تھا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے آمین زور سے کہدی تھی تو اس کو مسجد

کے اونچے فرش پر سے گرادیا تھا۔ مولانا کو اس پر بہت جوش ہوا۔ اس کتاب میں ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ آمین کہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اور کہا ان کو سمجھایئے۔ فرمایا وہ خود عالم ہیں اور تیز ہیں کہنے سے ضد بڑھ جائے گی خاموش رہو۔ مولانا نے ایک رسالہ بھی رفع یدین کے اثبات میں لکھا ہے۔ لیکن وہ غیر مقلد ہرگز نہ تھے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کے ایک صاحبزادے کی حکایت

ایک حکایت مولوی فخر الحسن صاحب بیان کرتے تھے اس سے بھی مولانا کے حنفی ہونے کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا کے ایک بیٹے محمد عمر نام مجذوب تھے۔ اور بہت بھولے لیکن بہت ذہین تھے۔

چنانچہ ایک شخص ان کے سامنے کنز لے گیا کہ اسکا سبق پڑھا دیجئے کہا میں نے یہ کتاب کبھی دیکھی نہیں مگر جب وہ پڑھنے بیٹھا تو بہت اچھی طرح سے پڑھادی۔ حتیٰ کہ تھوڑا پڑھ کر اس نے کتاب بند کی تو کہا بھائی دس ورق تو پڑھو اور بھولے ایسے تھے کہ ایک بار مولوی محبوب علی صاحب کے وعظ میں پہنچے۔ مجمع بہت تھا مگر واعظ صاحب کی آواز پست تھی۔ ان کو آواز نہ آئی تو گھر لوٹ کر گئے اور کہا دعا کریں گے کہ اس واعظ کی آواز بڑھ جائے اور دعا مانگی پھر فوراً آدمی بھیجا دیکھنے کے لئے کہ بتلاؤ آواز کچھ بڑھی یا نہیں۔ سو یہ صاحب زادے جامع مسجد کے حوض کے پاس کو گذرے وہاں غیر مقلدین میں مذاکرہ حدیث ہو رہا تھا یہ بھی بیٹھ گئے ہمراہیوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ غیر مقلد ہیں۔ فرمایا بلا سے حدیث رسول کا تو بیان ہو رہا ہے۔ بیان کرنے والے نے ایک مقام میں امام صاحب پر کچھ طعن کیا انہوں نے ایک دھول رسید کی اور کہا چلو یہاں بے ایمان ہیں ان کی وجاہت تھی کوئی بول نہ سکا۔ سو اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غیر مقلد نہ تھے۔ اگر غیر مقلد ہوتے تو ان کا بیٹا ایسا کیوں ہوتا۔ واللہ اعلم

ہمارے مجمع میں ہر تقلید جائز نہیں

جیسے ہمارے مجمع کو بھی بعض لوگ غیر مقلد کہتے ہیں۔ اور غیر مقلد ہم کو مشرک کہتے ہیں بات یہ ہے کہ ہمارے مجمع میں مقلدین کی طرح ہر تقلید جائز نہیں چنانچہ اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے **ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام** میں

ہوا ہے کہ امام صاحب نے قدر غیر مسکر کو جائز کہا ہے۔ اور حدیث میں اس کے خلاف کی تصریح موجود ہے یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس کے لئے بڑے تبحر کی ضرورت ہے۔ کسی مسئلہ کی نسبت یہ کہنا بڑی مشکل ہے کہ اس میں دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہیں ہے اس واسطے کہ کہیں احتجاج بعبارت النص ہوتا ہے۔ اور کہیں باشارۃ النص۔ اور یہ سب احتجاج بالحدیث ہے۔

البتہ **ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام** کے خلاف واقعی کوئی دلیل سوائے قیاس کے نہیں ہے۔ رہے آثار صحابہ سو وہ حدیث کے مقبل نہیں ہو سکتے۔ فرمایا ایک صاحب کہتے تھے کہ غیر مقلدین جو عمل بالحدیث کا دعوی کرتے ہیں اس سے کیا مراد ہے بعض احادیث مراد ہیں یا کل اگر بعض مراد ہیں تو ہم بھی عامل بالحدیث ہیں۔ اور اگر کل مراد ہیں تو وہ عامل بالحدیث نہیں کیونکہ تعارض کے وقت دو حدیثوں میں سے ایک کو ضروری چھوڑنا پڑتا ہے۔

سب وشتم کرنے والوں کے چہروں پر نور ایمان نہ ہونے کی وجہ

فرمایا جو لوگ اہل حق کو سب وشتم کرتے ہیں ان کے چہروں پر نور علم نہیں پایا جاتا۔ بلکہ خالص کفار اتنے ممسوخ نہیں پائے جاتے جتنے یہ لوگ ہیں اس کی وجہ میں میں نے بطور لطیفہ کے کہا تھا کہ کفر فعل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے۔ اور سب وشتم فعل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ انگریزی خوانوں پر نور ایمان نہ سہی۔ مگر شان تو ہوتی ہے ان میں وہ بھی نہیں خدا بچائے۔ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ☆ میلش اندر طعنہ پاکاں برد

دیگر

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس ☆ کم زند در عیب معیوباں نفس

تبیض ختم ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ بمقام میرٹھ یہ تقریر سب ریل میں ہوئی۔ مابین اسٹیشن مئو واعظم گڈھ۔

ادب الترک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ

مسمی بہ ادب الترک

یہ تقریر بھی منجملہ ان تقریروں کے ہے جو سفر گورکھپور میں ہوئی ۔ یہ تقریر ریل میں مابین میرٹھ و دیوبند ہوئی ۔ تاریخ ۵ ربیع الاول ۳۵ھ روز دوشنبہ یکم جنوری ۱۹۱۷ قبل دوپہر حاضرین احقر اور میر معصوم علی صاحب اور خواجہ عزیز الحسن صاحب اور حافظ وجیہہ الدین صاحب سوداگر صدر میرٹھ مقدار وقت یاد نہیں غالباً آدھا گھنٹہ۔

ترک تعلقات یک لخت مناسب نہیں

خواجہ صاحب نے پوچھا کہ میرا جی چاہتا ہے توکل کروں اور سب تعلقات چھوڑ کر اللہ اللہ کروں ۔ ہنس کر فرمایا جلدی نہ کیجئے جب سب اولاد کی شادی بیاہ ہو چکیں اور آمد بھی بند ہو جائے اس وقت مناسب ہے، اور تعلقات والے کو ترک اسباب کرنا مشکل ہے ہفتہ میں دو ہفتہ میں اللہ اللہ کرنے سے جی اکتا جاتا ہے یہ مباحات ہی کی برکت ہے کہ اشغال مختلف ہونے سے نشاط بحال ہو جاتا ہے ۔ میں اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ (کہنے کی بات تو ہے نہیں مگر اسوقت سب اپنے ہی ہیں) میں نے بھی ایک دفعہ ترک تعلقات کیا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وسواس میں مبتلا ہو گیا ۔ کیونکہ حق تعالیٰ مرئی تو ہے نہیں محض خیال سے دفعتہ پر ہونا قلب کا مشکل ہے اور تعلقات سے قلب خالی کہا گیا ۔ اور پر ہوا نہیں خالی قلب میں شیطان کو دخل کا موقعہ مل گیا ۔ اور وساوس پیدا ہوئے سمجھ میں آیا کہ یہ ٹھیک نہیں ۔ ذکر شغل طاعت میں مشغول رہے اور مباحات کو بھی بالکلیہ نہ چھوڑے سفر کرنا چلنا پھرنا ۔ احباب سے ملنا یہ سب اشغال تھوڑے تھوڑے رکھے یہی حکمت ہے ۔ حضور ﷺ کی ادعیہ مختلفہ کی تعلیم فرمانے میں چلنے کی اور اٹھنے کی ، اور سوار ہونے کی اور جاگنے کی اور کھانے کی اور پینے کی کہ ایک شغل سے طبیعت اکتا جاتی ہے ۔ البتہ مغلوب العشق ترک کرے تو مضائقہ نہیں ۔ مگر غلبہ عشق غیر اختیاری چیز ہے ۔ اپنے ارادہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

انضباط اوقات حکم میں ترک کے ہے

ارادہ والے کے لئے یہی ترک ہے کہ انضباط اوقات کرے ایک وقت طاعت کیلئے ہو تو ایک وقت مباحات کے لئے بھی ہو وقت کو ضائع نہ کرے۔ غیر مفید یا مضر کام میں صرف نہ کرے۔

ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب کا قصہ

ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب ایک بزرگ سے بیعت ہوئے اور ترک تعلقات کر دیا۔ ملنا سفر کرنا خط و کتابت سب چھوڑ دیا ضربیں ایسی لگاتے کہ محلّہ پھر تنگ آ گیا سب کوستے تھے کہ یہ مر جائے تو اچھا ہو ان کے دماغ میں یوست مفرط ہوگئی اور کوئی کیفیت اور مزہ بھی ذکر کا حاصل نہ ہوا۔ پیر صاحب کو لکھا جواب ندارد مجھے لکھا میں نے جواب دیا کہ تفصیل مشورہ تو بعد میں دونگا فوری علاج یہ ہے کہ جن اشغال میں آپ رہتے ہیں سب ایک دم چھوڑ دیجئے لوگوں سے ملئے۔ ہدایات لیجئے۔ تفریح اور ہوا خوری کیجئے اول ہی دن میں سب پریشانی جاتی رہی۔ پھر مفصل مشورہ دیا گیا کہ بالکلیہ ترک مباحات نہ کیجئے تقلیل کر دیجئے اور بہتر یہ ہے کی یہاں چندروز کے لئے چلے آئیے۔ میں آپ کے حالات دیکھ کر انضباط اوقات کی صورتیں بتادوں گا۔

چنانچہ وہ آئے میں نے بہت تھوڑا اسا ذکر ان کو بتا دیا اور مختلف کاموں کے لئے اوقات مقرر کر دیئے بس شگفتہ ہو گئے۔ پھر اہل محلّہ دعا دیتے تھے۔ کہ جس نے ان کی ضربیں چھوڑائی ہیں ان کا خدا بھلا کرے۔ اب ان کو اپنا حال لکھنے کے لئے یہ الفاظ کافی ہوتے ہیں کہ الحمد للہ میری حالت اچھی ہے لوگوں کو مقصد کا ہی پتہ نہیں غیر مقصود کو مقصود سمجھتے ہیں۔ اور عمر بھر اسی خبط میں مبتلا رہتے ہیں۔

بے قاعدہ مجاہدہ مفید نہیں ہے

مقصود کام کرنا ہے نہ ثمرات نہ حالات عرض کیا گیا سخت سے سخت مجاہدہ سے فائدہ تو بہت جلدی ہوتا ہوگا۔ فرمایا اگر ایسا ہوتا تو اکھاڑہ کے پہلوان اور چکی پینے والے بڑے ولی ہوتے کیونکہ محنت سخت کرتے ہیں۔ محنت قاعدہ کی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ایک تالا بند ہو گیا تھا۔ اسپر لوگوں نے بہت زور لگائے۔ مگر نہ کھلا میں نے کنجی سے آہتہ سے کھولا فورا کھل گیا تالے کے ساتھ کشتی لڑنے سے کیا فائدہ تالا طریقہ سے کھلتا ہے۔ ایسے ہی اصلاح کیلئے اور وصول الی اللہ کے لئے بھی طریقہ ہے

اور اتباع سنت ہے یہ ہمارے واسطے اسلئے مقرر ہوا کہ حضور علیہ طریقہ جانتے تھے ہمیں کوئی ضرورت غور وفکر واختراع وایجاد کی نہیں۔ آنکھ میچ کر پیچھے چلے جائیں۔ اب سنت کو دیکھئے حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضور علیہ نے کچھ آدمیوں کو خواب میں دیکھا کہ دریا کا سفر کر رہے ہیں۔ حدیث کا لفظ یہ ہے۔ ملوک علی الاسترہ۔ بادشاہوں کی وضع سے تخت پر بیٹھے جا رہے ہیں یہ بادشاہ ہی تھے جنہوں نے جہاد کئے سرور کائنات حضور علیہ نے ان کی فضیلت فرمائی ہے۔

مال بشرط اتباع مضر نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ مال دین کیلئے مضر نہیں جب کہ اس کے ساتھ اتباع ہو حاصل یہ کہ مال قبیح لعینہ نہیں بلکہ مفاسد کی وجہ سے قبیح ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کی طبیعت ہی ایسی ہو کہ اتباع اور مال دونوں جمع نہ ہو سکیں تو اس کو ترک مال ہی کا مشورہ دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ بہت غلو ترک میں مناسب نہیں توسط اور اعتدال چاہئے سب کو ترک اسباب کی تعلیم بھی نہ دینی چاہئے۔ ہر شخص کی طبیعت اور حالت مختلف ہوتی ہے اس واسطے بے ترک کے اسباب اور درجات بھی مختلف بتانے چاہئیں ساری دنیا اگر ایک سی ہو جائے۔۔ تو تارکین اسباب بھی پھر تارک نہ رہیں کیونکہ ضرورتیں ان کی پوری نہ ہوں۔ اور مشغولی اختیار کرنی پڑے ان کا اطمینان بھی بے اطمینانوں کی وجہ سے ہے

شیطان ہر شخص کو اسکی حالت پر بے وقعت رکھتا ہے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ شیطان ہر شخص کی موجودہ حالت کو بیوقعت بتاتا ہے۔ اور اس سے اپنا کام خوب بناتا ہے اہل توکل سے تو کہتا ہے کہ اس حالت پر یہ خرابی ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر ہے یہ نامردی ہے۔

چو باز باش کہ صیدے کنی ولقمہ دہی ☆ طفیل خوارہ مشوچوں کلاغ بے پروبال

ان سے توکل چھوڑا کر اسباب میں گھسا دیتا ہے اور اہل تعلقات سے کہتا ہے تمہاری کیا حالت ہے دن بھر تو تو میں میں رہتے ہو کوئی وقت بھی یاد خدا کا نہیں فلاں شخص کیسا تارک اسباب ہے تم کیا نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ ان سے تعلقات کو چھوڑا کر ہی چھوڑتا ہے۔ اور ان میں اتنی ہمت تو ہوتی نہیں کہ ترک اسباب کے بعد مطمئن رہیں۔ نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور بعد چندے اس سے پشیمانی ہوتی ہے۔ اور یہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ لطف یہ ہے کہ اگر کوئی ترک

اسباب کی ہمت کرے بھی تو اس حالت پر بھی قیام نہیں رہنے دیتا۔ اس کو بھی پھر بے وقعت ثابت کرتا ہے یہ شیطان کا ایسا مکر ہے کہ ہر جگہ چل ہی جاتا ہے۔

مکر شیطان کو پہچاننے کیلئے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے

اور اس کے مکر کو پہچاننا آسان کام نہیں بہت ہی باریک نظر کی ضرورت ہے۔ چاہئے کہ اپنی طرف سے حالت کے بدلنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ اول کسی مبصر سے ضرور رائے لے لے۔ اسی واسطے شیطان بزرگوں سے بہت گھبراتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مدت کے مکر کو ذرا دیر میں توڑ دیتے ہیں عرض کیا گیا بلا ترک تعلقات اصلاح کیسے ہو۔ فرمایا ترک ضروری بیشک ہے۔ مگر ترک کی حقیقت قلیل تعلقات کو چھوڑ دینا نہ مطلقا تارک بن جانا۔

اس کے مبصر تو حضرت حاجی صاحب تھے۔ تصوف بالکل مردہ ہوگیا تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس کو زندہ کیا اور حقائق بالکل محو ہو چکی تھیں ان کو تازہ کر دیا۔ تصوف رسم کا نام رہ گیا تھا۔ اول تو جعلساز بہت ہوگئے اور سچے لوگوں میں بھی صرف ڈھچر رہ گیا تھا۔ حضرت نے اس کو بالکل زندہ کر دیا۔ حضرت کا الہامی طریقہ سب کے کام کا ہے حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص کو حظ آتا اور امیدیں بڑھتی تھیں۔ اور امنگیں پیدا ہوتی تھیں کہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔

شیخ کو صاحب جائیداد ہونا کچھ اچھا نہیں

خواجہ صاحب نے کہا عمدہ ترکیب یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تھوڑی جائیداد خرید لے جو خرچ کے لئے کافی ہو۔ بس پھر اللہ اللہ کیا کرے۔ اس طرح ذکر بڑے اطمینان سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا جائداد سے بھی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس میں بھی بکھیڑے ہیں۔ اگر اس کی نگرانی نہ کرو اور دوسرے کے سپرد کر دو تو تلف ہو جاتی ہے۔ وہ بھی جب ہی باقی رہتی ہے جب خود اس میں کھپے رہو پھر اطمینان کہاں۔

تجویز سے تفویض بہتر ہے

اور اصل بات یہ ہے کہ اپنی تجویز سے کچھ نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو پیش آئے اس پر راضی رہے اس میں تائید بھی ہوتی ہے۔ تجویز سے تفویض بہتر ہے۔

گر گریزی برامید راحتے ☆ زاں طرف ہم پشیت آید آفتے

اور فرمایا

چونکہ برمیخت بہ بندوبستہ باش ☆ چوں کشاید چابک و برجستہ باش

متمول شیخ سے فیض کم ہوتا ہے

جو شیخ صاحب جائداد ہوتا ہے اس سے فیض کم ہوتا ہے نیز اس کی طرف کشش بھی کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں شان مسکنت کی کم ہوتی ہے اپنی امتیازی شان سے اس کو طالبین کی طرف ایسا التفات ہونا مشکل ہے جیسے متوکل محض کو ہو کہ وہ اپنے کو مساکین کا ہم جنس دیکھتا ہے نیز لوگوں کے ذہن میں بھی یہ رہتا ہے کہ ہم کو وہ کیوں منہ لگائیں گے وہ بڑے آدمی ہیں اور امیر و مستغنی ہیں اس واسطے رجوع بھی کم کریں گے اور جو شیخ ہدایا لینے والا ہوتا ہے اس سے فیض بہت ہوتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف کشش زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ہدیہ میں خاصیت ہے تحابب کی لینے والے کو اور دینے والے کو دونوں کو ایک دوسرے کی طرف میلان ہوتا ہے۔

ہدیہ سے محبت ضرور پیدا ہوتی ہے

یہ حدیث میں بھی ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہے اور طالب اور مطلوب دونوں کو میلان ہونا یہی اصل ہے فیض کی گو ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ ہدایا لینے والے شیخ میں حرص ہوگی اور اس وجہ سے بھی اس سے فیض کم ہوگا۔ لیکن یہ غلط ہے اس کو حرص نہیں کہتے۔

حرص کی حقیقت

حرص کے معنی یہ ہیں کہ نہ ملنے کی صورت میں تلاش کرنا اور قلب کا اس کی طرف کھنچنا یہ اگر پایا جائے تو واقعی مرض ہے خلاصہ یہ کہ یوں تو ہدیہ لینے میں بھی کچھ خدشات ہیں۔ مگر خیر ان کا علاج ہوسکتا ہے۔

معاملہ فی ما بینہ و بین اللہ صاف چاہئے

معاملہ فی ما بینہ و بین اللہ صاف رکھنا چاہئے۔ دوسروں کے شبہوں کو کہاں تک مٹایا جائے۔ اور ان مفاسد سے بچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی کے سامنے ہدیہ نہ لے لیکن اس میں بھی ایک

مفسدہ ہے۔

وہ یہ کہ بات چھپتی ہے نہیں معلوم ہو ہی جائیگا کہ یہ ہدایا لیتے ہیں ۔ پھر جبکہ کسی کو مقدار نہ معلوم ہو گی تو عام طور سے یہ خیال ہوگا کہ بہت ہدایا آتے ہوں گے اور یہ بڑے آدمی ہیں' پھر وہ ہی بات پیدا ہو جائے گی جو ریاست اور جائداد کے ہونے میں تھی ۔ اسی لئے میں روپے کو چھپاتا نہیں ۔ اس واسطے کہ اصلی حالت ظاہر ہے ۔ چھپانے میں کسی کو تو یہ خیال ہوتا ہے کہ آمدنی بہت ہے اور یہ بڑے آدمی ہیں ۔ اور اس میں وہی خرابی ہے جو میں نے بیان کی اور کسی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مطلق لیتے ہی نہیں ہیں اس خیال کے علم سے لینے والے کے دل میں عجب پیدا ہوتا ہے ان سب باتوں کے خیال رکھنے کی ضرورت ہے میں کچھ نہ کچھ سب پہلوؤں پر نظر رکھتا ہوں۔

لیکن کچھ نہ کچھ مفسدہ مترتب ہو ہی جاتا ہے اور آنکھ تو ہر حال میں جھپکتی ہی ہے۔ باوجود اتنی پرانی مشق کے کہ مدت ہوگئی ہے۔ ہدایا پر ہی گذر ہے۔

قنوج کی ایک حکایت

اسی سفر میں قنوج میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے جن سے کچھ تعلقات تھے۔ گو مراسم نہ تھے دیئے میں نے انکار کیا۔ لیکن انہوں نے کسی طرح نہ مانا اور نہایت عاجزی کے ساتھ اصرار کیا۔ اور دوسروں نے بھی سفارش کی مجھ کو روپے لینے پڑے ۔ اس کے بعد انہوں نے ایک سوال کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک عیسائی کے پیش کردہ اعتراضوں کے جواب مانگتے تھے اور جواب بھی وہ جو اس کے مذاق کے موافق ہوں ۔ میں نے ان کو ناصحانہ فہمائش کی کہ اس کی صحبت کو چھوڑ دیں اور اس سے کہدیں کہ علماء سے تحقیق کرو۔ ۲۰

مگر وہ یہی چاہتے رہے کہ اس کے مذاق کے ہی موافق جواب مل جائے گفتگو بہت بڑھ گئی تب میں نے ان کو لتاڑا۔ مگر قرائن سے معلوم ہوا کہ اس کا اثر بھی ان پر اچھا نہیں ہوا مجھ کو بہت کوفت ہوئی اور دماغ پر صدمہ محسوس ہوا۔ اس کے بعد وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے ۔ اور مستورات نے پھر ہدیہ دیا۔ اس وقت مجھ کو نہایت شرمندگی ہوئی کہ میں نے تو ان کو لتاڑا اور ان کی طرف سے یہ احسان کیا جا رہا ہے تو اس پر انفعال ہوا کہ ان سے وہ دو روپیہ لینے سے پہلے کیوں نہ سوچ لیا تھا۔ اور کسی کے کہنے میں جلدی کیوں آ گیا تھا۔

بعض وقت ہدیہ نہ لینا موجب مفسدہ ہوتا ہے

اب میں دو مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا کہ جو ہدیہ گھر میں دیا گیا اس کو لوں تو طبیعت کے خلاف ہے کہ ابھی تو ان کو لتاڑا ہے اور ابھی ان کے گھر سے ہدیہ لے لوں۔ اور اگر نہ لوں تو وہ دو روپے بھی واپس کرنے چاہئیں جو باہر لئے تھے اور ان کے واپس کرنے میں کچھ فائدہ نہ تھا کیونکہ اس سے ان پر کچھ اثر اچھا نہ پڑتا تھا۔ بلکہ عناد پیدا ہوتا تھا۔

اور ان سے ظاہری مراسم قائم رہنے سے جو کچھ امید اصلاح کی تھی وہ بھی جاتی رہتی۔ عجب کش مکش تھی غصہ بہت آیا ہوا تھا۔ لیکن بالآخر یہی ذہن میں آیا کہ اس بات کو نسیاً منسیاً کر دینا چاہئے اور یہ گھر میں کا ہدیہ بھی لے لینا چاہئے۔ اور میں اسوقت ایسا بن گیا کہ گویا ان سے تیز گفتگو ہوئی ہی نہیں تھی دیکھئے اس لین دین میں یہ کش مکش پیش آتی ہے۔ تو یہ بہت جھگڑے کی جڑ۔ مگر اس میں مصلحت بھی بہت بڑی ہے وہ یہ کہ اس میں علاج ہوتا ہے۔ پندار، اور دعوائے استغناء کا ریاست اور جائداد ہونے کی صورت میں یہ مصلحتیں فوت ہوتی ہیں۔

طالب کو اس کے مذاق کی جانچ کے بعد ترک اسباب وغیرہ کا مشورہ دینا چاہئے

غرض شیخ کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ ریاست و جائیداد نہ رکھے۔ رہے طالبین ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے واسطے کوئی ضابطہ معین نہیں ہو سکتا۔ بعضوں کے لئے ترک اسباب مناسب ہوتا ہے اور بعضوں کیلئے ترک اسباب زہر کا اثر رکھتا ہے۔ لہذا تجویز حسب موقعہ مناسب ہے۔ جو حالت جس طالب کی دیکھے اسی کے موافق ہدایت کرے۔

اور وقوع کے وقت سوچنے سے بات سمجھ میں آ ہی جاتی ہے۔ اور حق تعالیٰ تائید فرماتا ہے۔ پہلے سے کاوش میں نہ پڑے۔ حضرت عمرؓ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی تو فرماتے کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ یا نہیں۔ اگر کہا جاتا کہ نہیں ہوا ہے اور ویسے ہی فرضی صورت پوچھی جاتی ہے تو پوچھنے سے منع فرماتے تھے۔ کہ غیر واقعہ بلا میں کیوں پڑے وقت پر ضرور کوئی بتلانے والا مل جائے گا۔

مجتہدین نے فرضی مسائل کیوں وضع کئے ہیں

اور اگر کوئی شبہ کرے کہ مجتہدین نے کیوں فرضی صورتیں نکال فتوے لکھے۔ اور کتابیں بنائیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہدین کو اس ضبط کی ضرورت تھی۔ اگر احکام ظاہری ضبط نہ ہوجاتے تو دین بالکل گڑبڑ ہوجاتا۔ اب دین منضبط ہوچکا اب فرضی صورتوں کے تراشنے کی ضرورت نہیں۔ جب واقعہ پیش آئے گا کوئی بتلانے والا مل جائے گا۔

طالب کو اگر کوئی بتانے والا نہ ملے تو دعا کرے

اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس وقت طالب کو چاہئے کہ دعا کرے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے وہ مشکل حل ہوگی۔

خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور نے توکل کیا تھا۔ اور اسباب کو ایک دم چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا میری نہ کہئے میرے ساتھ کچھ بکھیڑا نہ تھا صرف ایک اہل کا فکر تھا۔ اور نوکری چھوڑتے وقت یہ ضرور قلب پر بار تھا کہ خدا جانے ان کی حالت کیا ہو یہ متحمل ہوں یا نہ ہوں خدا کی قدرت کہ انہوں نے مجھ سے بھی زیادہ مستعدی ظاہر کی تو ایسے شخص کو ترک اسباب کرنا کیا مشکل ہے ایسے شخص کی عیالدار لوگ کیسے ریس کرسکتے ہیں اس کے آگے کچھ تھوڑا سا مضمون اور تھا وہ ضبط سے رہ گیا۔ فقط۔

(''تاریخ ختم بیضہ ۶ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ'')

ادب العشیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا

تقریر حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی

مسمی بہ ادب العشیر

بتاریخ ۲۷ صفر ۱۳۳۵ھ روز یک شنبہ بعد نماز مغرب وقت تخمینا ۳۱ منٹ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء۔ یہ تقریر سفر گورکھپور میں ہوئی اس وقت کہ حضرت والا گورکھپور سے بجانب مئو روانہ ہوئے۔ راستہ میں اسٹیشن ''انڈارا جنکشن'' پر گاڑی تبدیل کرنے کے لئے اترنا ہوا۔ گاڑی میں کچھ وقفہ تھا۔ لوگوں نے ویٹنگ روم میں بٹھادیا اسوقت تیس چالیس زائرین کا مجمع ہوگیا وہاں یہ تقریر ہوئی۔

کار خیر میں کسی کی خوشنودی کا خیال رکھنا شرک ہے

فرمایا ایک شخص جو پانی پت کے قریب رہنے والے تھے پندرہ روپے تھانہ بھون کے مدرسہ میں دیئے۔ میرا دل کھٹکا۔ اس سے پوچھا تم اس مدرسہ میں رقم کیوں دیتے ہو۔ کہا کار خیر میں سمجھ کر۔ میں نے کہا کار خیر سمجھ کر دینا تھا تو اپنے کسی قریب کے مدرسہ میں جیسے پانی پت میں کیوں نہیں دیا مجھ کو یہ شبہ ہے کہ تھانہ بھون کے مدرسہ کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے بھی خوش کرنا منظور ہے۔ اس نے اسکا اقرار کیا۔ میں نے کہا یہ نیت کس قدر فاسد ہے۔ کار خیر میں شرک کی نیت کیسی۔ میں ایسی رقم نہیں لیتا۔

بعض عمل ظاہرا خیر ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت شر

لوگ ظاہر صورت عمل کی دیکھ لیتے ہیں کہ کار خیر ہے اور اس کی اصل حقیقت پر نظر نہیں کرتے یہ کیا کار خیر ہوا۔ جس میں مصلحت سے زیادہ مفسدہ ہیں۔ آجکل عام طور سے یہ خیال ہوگیا ہے کہ نیک جگہ خرچ کرنا ہر حال میں اچھا ہے اور لینے والوں کو یہ خیال ہوگیا ہے کہ لے لینا کسی حال میں برا نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

لے لینا بعض وقت برا بھی ہے

بعض جگہ لینے میں مفاسد بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ الہ آباد میں مجھ سے ایک شخص بیعت ہوا۔

اور بعد میں ایک روپیہ نذر دیا۔ میں نے لینے سے انکار کیا اسنے کہا میں خلوص سے دیتا ہوں۔ میں نے کہا مانا تم خلوص سے دیتے ہو۔ اور اسوجہ سے مجھ کو واپس بھی نہ کرنا چاہئے۔ لیکن اس میں ایک بڑا مفسدہ ہے وہ یہ کہ جن کے پاس روپیہ دینے کو نہیں ہے۔ وہ بیعت نہ ہوسکیں گے تو غریب آدمیوں کے لئے بیعت کا سلسلہ مسدود ہی ہو جائیگا۔ تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ خدائے تعالیٰ کا رستہ بھی روپے ہی سے مل سکتا ہے۔

بیعت کے وقت کا نذرانہ یصدون عن سبیل اللہ ہے

میرے نزدیک بیعت کے وقت دینے کی رسم یصدون عن سبیل اللہ میں داخل ہے۔ یہ بات اس شخص کی سمجھ میں نہ آئی۔ مگر طوعاً کرہاً اس نے روپیہ رکھ لیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اسی مجمع میں سے ایک غریب آدمی اٹھا۔ اور بیعت کی درخواست کی۔ اور کہا میں بہت دیر سے اس تمنا میں تھا مگر دینے کو کچھ پاس نہ تھا اس وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ میں نے اس شخص سے کہا دیکھ لیجئے۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے دکھا دیا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ یہ روپیہ میں لے لیتا تو اس سے کس قدر لوگوں کو ضرر ہوتا۔

بدعت سے نور قلب جاتا رہتا ہے

حضرت رسوم میں یہی خرابیاں ہیں کہ ان کی بدولت حقائق بالکل مٹ گئے ہیں۔ جسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ رسمیں اہل بدعت کی نکالی ہوئی ہیں۔ اور اہل بدعت کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے نور قلب اور نور عرفان ندارد ہو جاتا ہے اور آدمی ایسے مغالطوں میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اہل بدعت کے جتنے استدلال آپ دیکھیں گے سب ایسے ہی ہوں گے کہ ان سے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔ لیکن جسکے قلب کو حقیقت شناسی سے ذرا بھی مس ہو وہ اس کو کبھی قبول نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اگر اسکے خلاف پر دلیل اسکے پاس اسوقت نہ ہو مگر قلب ہے کہ انکار کئے جاتا ہے۔

رسوم بصورت دین اشد ہیں

پھر یہ رسوم اگر امور دنیا میں ہی ہوتے تب بھی اتنا مضائقہ نہ تھا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ دین میں بھی رسوم شامل کر لئے ہیں۔ سو ان میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کو آدمی ہمیشہ دین ہی سمجھتا ہے اور تمام عمر اس پر متنبہ نہیں ہوتا اور غیر دین کو دین سمجھے جاتا ہے دنیاوی رسوم میں تو کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اسکی کوئی دنیوی خرابی وقوع میں آجاتی ہے تو متنبہ ہو سکتا ہے۔

مثلاً شادی بیاہ کی رسوم کہ ان کے نتائج تباہی و بربادی میں ظاہر ہو جاتے ہیں تو لوگوں کو تنبہ ہو جاتا ہے اور مضر دین کے کہ ان پر تنبہ ہونے کا کون باعث ہوسکتا ہے۔ بلکہ بالعکس ان میں عدم تنبہ کا داعی موجود ہو جاتا ہے وہ یہ کہ ان رسوم میں چٹک مٹک بہت ہوتی ہے جس میں دل خوب لگتا ہے پھر آدمی ان کو چھوڑے تو کیونکر۔ اور ہم نے تو ایسے لوگوں کی صحبت پائی ہے۔ جن میں رسمیں بالکل نہ تھیں سادہ زندگی بسر کرنے والے تھے انکی معیشت دیکھ کر ہم کو تو یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی ہے کہ آسائش کی زندگی بھی وہی ہے جس میں تصنع اور بناوٹ اور تکلف نہ ہو۔

حکایت مولانا مظفر حسین صاحب

ہماری طرف ایک قصبہ کاندھلہ ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک بزرگ مولوی مظفر حسین صاحب تھے ان کے یہاں جب کوئی مہمان آتا تو پوچھ لیتے کہ کھانا کھا کر آئے ہو یا یہاں کھاؤ گے۔ اگر اس نے کہا یہاں کھاؤں گا تو پوچھتے کہ تازہ پکوایا جائے یا رکھا ہوا کھالو گے۔ اگر اس نے کہا کہ تازہ کھاؤں گا۔ تو پوچھ لیتے کہ کون سی شے مرغوب ہے۔ جو چیز مرغوب ہوتی وہی پکوادیتے یہ کس قدر آرام دہ بات ہے۔

مولانا مملوک علی صاحب کی حکایت

انہیں بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے فرمایا۔ جن کا قیام دہلی رہتا تھا۔ کہ مولانا جب آپ وطن جایا کریں راستہ میں مجھ سے مل جایا کریں۔ مولانا نے کہا اچھا۔ لیکن میری منزل میں حرج نہ ہوا کرے۔ انہوں نے کہا نہیں جیسا آپ فرماتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔

ایک دفعہ کا قصہ ہے مولانا دہلی سے نانوتہ جا رہے تھے راستہ میں مولوی مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لئے ٹھیرے۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے حسب معمول پوچھا کھانا کھالیا ہے یا کھاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ کھائیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہوا ہو وہی لے آؤں انہوں نے کہا جو رکھا ہوا ہو وہی لے آیئے۔ مولوی صاحب ایک مٹی کے برتن میں کھچڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا رکھا ہوا تو یہ ہے۔ بس وہ اسکو کھا کر رخصت ہو گئے بتایئے اسمیں آرام ہے یا ان رسوم میں جس کے آجکل لوگ پابند ہیں۔ اور جسکو تہذیب اور خاطر داری کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کا خود بھی

معمول یہی تھا۔

مولوی مظفرحسین صاحب کی دوسری حکایت

مولوی مظفرحسین صاحب جہاں جاتے فورا کہہ دیتے میں تمہارا مہمان ہوں ایک دن ٹھیرونگا یادو دن، ایک دفعہ یہ بزرگ مولانا گنگوہی قدس سرہ کے مہمان ہوئے صبح کومولانا نے ناشتہ کے لئے کہا آپ رامپور جانے والے تھے۔ اسلئے آپ نے کہا کہ کھانا تیار ہونے میں دیر لگے گی۔ میری منزل کھوٹی ہوگی۔ ہاں اگررات کارکھا ہواہوتولادو۔ مولانا نے ماش کی دال اور باسی روٹی لادی آپ نے دال روٹی پرالٹ کر پلے میں باندھ لی اور رخصت ہوگئے۔ جب رامپور پہنچے توحکیم ضیاء الدین صاحب سے کہا کہ مولوی رشیداحمد بڑے اچھے آدمی ہیں۔ حکیم صاحب نے کہاہاں بڑے بزرگ ہیں۔ فرمایا میں ان کے بزرگ ہونے کی تعریف نہیں کررہاہوں میں تو کہہ رہاہوں کہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر خود نہیں سمجھتے ہوتو پوچھ ہی لو۔ انہوں نے کہا اچھا حضرت فرمایئے آپ نے کہا کہ دیکھو کیسے اچھے آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھے کھانے کے لئے کہا۔ مگر میرے کہنے پر جوکھانا رکھا ہوا تھا بلاتکلف لادیا میں اسواسطے کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔

حضرت گنگوہی کی حکایت

حضرت مولانا گنگوہی ایک دفعہ مولینا محمد یعقوب صاحب کے صاحبزادہ حکیم معین الدین صاحب کے یہاں مہمان ہوئے یہ صاحب بہت ہی بےتکلف ہیں اتفاق سے ان کے یہاں اس روز کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ مولانا سے عرض کیا کہ ہمارے یہاں تو آج فاقہ ہے۔ لیکن اکثر احباب آپ کی دعوت کیا کرتے ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کی دعوت منظور کرلوں۔ فرمایا میں تمہارامہمان ہوں جوحال تمہارا ہے۔ وہی میرا بس فاقہ ہی سے بیٹھ رہے۔

خدا کی قدرت شام کے قریب ایک جگہ سے گیارہ روپے آگئے۔ وہ خوش خوش مولانا کے پاس آئے کہ لیجئے آپ کی برکت سے گیارہ روپے آگئے اب تو خوب بڑھیادعوت کریں گے۔ مولانا نے فرمایا نہیں معمولی کھانا پکوالو کہا اب معمولی ہم کیوں پکائیں گے اب تو جس طرح جی چاہئے گا دعوت کرینگے۔ تو جب ہم نے ایسے لوگوں کودیکھا ہے۔ پھر ہماری نظروں میں آجکل کی خاطرداری کیا آسکتی ہے۔

تہذیب حال کی حقیقت تصنع ہے

جس کی حقیقت سوائے تصنع کے اور دکھلاوے کے کچھ بھی نہیں اور جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں اگر دنیادار بھی نمائش چھوڑ کر یہی طریقہ اختیار کرلے تو قطع نظر گناہوں سے بچنے کے دنیا میں بھی تو تباہ نہ ہوں دیکھئے کیسی ریاستیں ان تکلفات میں تباہ ہوگئیں اور لطف یہ ہے کہ خود سب کے سب ان رسوم کے شاکی ہیں۔ مگر چھوڑتے نہیں۔ آدمی کو چاہئے اتنے پاؤں پھیلائے کہ جتنی گنجائش ہو۔ اور ان تکلفات میں اس کا خیال ہو ہی نہیں سکتا۔ سب کو چاہئے کہ ایک دم ان رسوم کو الگ کریں سادہ زندگی عجیب چیز ہے۔

حلال کی کمائی میں تکلفات نہیں ہو سکتے

اور حلال چیز کی کمائی میں تو سوائے سادہ زندگی کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا

یہ چٹک مٹک جب ہی ہوسکتی ہے جب کمائی حرام کی ہوتی ہے۔ میرے ایک دوست ہیں مولوی ظہور الحسن صاحب سب رجسٹرار ان کو اپنے ایک بھائی کے مقدمہ میں الہ آباد جانا پڑتا تھا۔ الہ آباد میں ایک وکیل تھے۔ مولوی محمد نام (مولوی جزوعلم ہے لقب نہیں ہے۔) انہوں نے ان کو وکیل کیا تو یہ جب الہ آباد جاتے تو انہیں کے یہاں ٹھیرتے۔

ایک وکیل صاحب کی سادگی کا قصہ

ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ یہ ان کے یہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کے بچوں کو سنا یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے یہاں شیخ جی آئے ہیں یہ سمجھے کہ کوئی اور مہمان ہوں گے مگر اس روز وقت پر کھانا نہیں آیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ آج شیخ جی جو آئے ہوئے ہیں ان کے لئے پر تکلف کھانے پکے ہوں گے۔ اس وجہ سے دیر ہوگئی ہے جب بہت ہی دیر ہوگئی تو انہوں نے ایک نوکر سے پوچھا وہ شیخ جی جو ان کے یہاں آئے ہوئے ہیں نظر نہیں آئے وہ کہاں ہیں نوکر یہ سن کر بہت ہنسا اور کہا کہ ان کے یہاں کی اصطلاح ہے کہ شیخ جی فاقہ کو کہتے ہیں آج ان کے یہاں فاقہ ہے دیکھئے سادگی اس کا نام ہے کہ پاس ہوا تو خود بھی کھالیا اور مہمان کو بھی کھلادیا اور نہ ہوا تو قرض نہ کیا۔ اور تربیت دیکھئے کتنی اچھی ہے کہ اولاد کو بچپن ہی سے تنعم کے خلاف کا عادی بنالیا۔

آجکل کی وضع داری ترفع اور تکبر ہے جورفتہ رفتہ طبعی بن گیا ہے

آجکل تنعم اسقدر ہو گیا ہے کہ ایسی باتوں کو ذلت کی تعلیم سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو کھنچا بڑا سمجھنا کسی کے سامنے نہ لچنا آجکل کی یہی تہذیب ہے اور نوکر کو تو آدمی ہی نہیں سمجھتے ہر کام میں وہ بات اختیار کی جاتی ہے جس میں ترفع تکبر بناوٹ ضرور ہو نئی وضع نئے نئے فیشن بنائے جاتے ہیں اور ان میں جو کچھ ایجادیں اور اضافے ہوتے ہیں ان سب کی بنا تکبر ہی پر ہوتی ہے۔ پھر اسی کی عادت بچوں کو ڈالتے ہیں حتی کہ یہ معاشرت طبعی ہو جاتی ہے۔ بول چال میں کھانے پینے میں اٹھنے بیٹھنے میں چلنے پھرنے میں غرض تمام حرکات سکنات تکلف سے خالی نہیں۔

حکایت: ایک دفعہ ایک شخص میرے یہاں آئے اور نہایت انکساری سے کہا میں خادم ہونا چاہتا ہوں بعد تفتیش کے معلوم ہوا ان کی مراد اس سے بیعت کی درخواست تھی کوئی آکر کہتا ہے دامن میں لے لو۔ کوئی کہتا ہے غلام بنالو یہ کیا تکلفات ہیں۔

حکایت۔ ایک صاحب تشریف لائے اور سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ بہت دیر ہو گئی میں نے کہا بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے بلا اجازت کیسے بیٹھوں میں نے کہا اچھا ایک ہفتہ تک اجازت نہیں بس فورا بیٹھ گئے میں نے کہا یہ کیا واہیات ہے یا تو بلا امر نہ بیٹھتے تھے یا اب خود ہی باوجود نہی کے بیٹھ گئے اور رواج یہ ہے کہ جب رخصت ہوں گے تو الٹے پاؤں چلیں گے۔ پشت کرنا بے ادبی سمجھتے ہیں ظاہری برتاؤ میں تو اس قدر اچھائی۔ مگر اطاعت کا نام نہیں رسمی تعظیم وتکریم بہت ہے ہم لوگوں کی طبیعتیں ہی بدل گئی۔

صحابہ میں بناوٹ نہ تھی مگر اطاعت بے حد تھی

صحابہ رسمی تعظیم بہت نہ کرتے تھے مگر مطیع اس قدر تھے کہ دنیا کو معلوم ہے صحابہ کو جو تعلق حضور ﷺ سے تھا وہ عشق کا ایسا مرتبہ رکھتا ہے کہ دنیا میں کسی محب اور محبوب میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ اسکے بھی پابند نہ تھے کہ حضور ﷺ کو آتے دیکھ کر کھڑے ہی ہو جایا کریں خود حضور ﷺ نے بھی ان کو اس سے منع فرما رکھا تھا۔

راستہ میں حضور ﷺ سب سے پیچھے چلتے تھے

لباس میں وضع میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی بات میں دوسروں سے امتیاز نہ رکھتے تھے اس سے

زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ چلنے میں اس کے بھی پابند نہ تھے کہ سب سے آگے رہیں بلکہ کبھی برابر چلتے تھے کبھی پیچھے ہوجاتے تھے آجکل کی تہذیب تو یہ ہوتی کہ سب سے آگے حضور ﷺ رہا کرتے۔ سوغور سے دیکھئے کہ آجکل کے لوگ اپنے بزرگوں کے زیادہ جان نثار ہیں۔ یا صحابہؓ زیادہ حضور ﷺ کے جان نثار تھے۔ تجربہ تو یہ بتلاتا ہے کہ جہاں ظاہری بناوٹ ہوتی ہے وہاں حقیقت نہیں ہوتی۔

ظاہری تہذیب علامت بے تعلقی قلب ہے

جس کو بات بات میں جھکنا اور تسلیم وآداب کرتے دیکھئے سمجھ لیجئے کہ دل میں اس کے آپ کی وقعت ذرا بھی نہیں ہے۔ زیادہ تعظیم وتکریم میں علاوہ اس کے کہ بے معنی چیز ہے یہ بھی بڑی خرابی ہے کہ دوسرے کو ضرر ہوتا ہے اس میں رعونت پیدا ہوجاتی ہے اسی واسطے حدیث میں مدح فی الوجہ سے ممانعت آئی ہے اسی حدیث سے تعظیم وتکریم کی ممانعت بھی بدرجہ اولی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ مدح کی دو قسمیں ہیں۔ قالی اور حالی تعظیم مدح حالی ہے۔

جب قالی سے ممانعت ہے تو حالی سے بدرجہ اولی ہوگی۔ نیز بہت زیادہ تکلف کرنے کا ادنی اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے دل نہیں ملتا۔ اور بعض لوگوں کی اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ دوسرے کو اپنی طرف مائل کریں سو اس کی تدبیر بھی یہ نہیں ہے بلکہ اس کی تدبیر بھی یہی ہے کہ زیادہ تکلف نہ کیا جائے۔ دیکھئے غور کے قابل بات ہے۔ بعض بزرگوں کا برتاؤ مہمان کے ساتھ میں سنا تا ہوں کہ وہ ظاہرا تو بدتمیزی ہے اور آجکل کی تہذیب کے خلاف ہے مگر درحقیقت بہت گہری باوقار عاقلانہ اور کریمانہ ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کھانا منگایا اور مہمانوں کے اور اپنے سب کے سامنے چنا گیا۔ بس پہلے اپنے آپ کھانا شروع کردیا تاکہ مہمان سمجھ لے کہ یہاں تکلف نہیں ہے۔ اور دل کھول کر کھائے پھر وہ کھانا کھاتے میں مہمان کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ اور ایسے بن جاتے ہیں کہ گویا ان کو کھانا کھلانے کا سلیقہ ہی نہیں۔ اور درحقیقت اس پر نظر رکھتے ہیں کہ کھانا دسترخوان پر ہے یا نہیں۔ بلکہ خدمتگار کو تعلیم ہے کہ ذرا کسی کے سامنے کھانا کم ہو فورا لاؤ اس طریقہ سے مہمان کس قدر انبساط اور آزادی سے کھا سکتا ہے۔

میزبان کو مہمان پر مسلط نہ ہونا چاہئے

آجکل کی تہذیب یہ ہے کہ میزبان مہمان پر مسلط ہوجاتا ہے۔ قبلہ یہ کھائیے قبلہ وہ کھائیے

اس سے مہمان بالکل منقبض ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ اس کا جی اس وقت ایک چیز کو چاہتا ہو۔ دوسری کو نہ چاہتا ہو اور اس چیز کو کھائے تو انبساط نہ ہوا۔ اور بعض وقت متعدد کھانے اسطرح سے کھلائے گئے کہ مقدار میں بڑھ گئے اور ہضم نہ ہوئے آپ کی تو خاطر داری ہوئی اور مہمان کو تکلیف ہوئی یہ کیا خاطر داری ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت معاویہؓ کا دسترخوان نہایت وسیع ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے دسترخوان پر ایک اعرابی بھی تھا۔ وہ ذرا بڑے بڑے لقمہ کھایا کرتا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ بھائی بڑے بڑے لقمے مت کھاؤ اس سے نقصان پہنچنا محتمل ہے۔ وہ اعرابی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ وہ شخص کریم نہیں جس کی نظر مہمانوں کے لقموں پر ہو تمہیں کھلانے کا سلیقہ نہیں تمہارا کھانا نہ کھانا چاہئے۔ انہوں نے عذر کیا کہ اس میں یہ مصلحت تھی مگر اس نے ایک نہ سنی خفا ہوتا ہوا چل دیا۔

امام مالکؒ صاحب کی حکایت

امام مالک صاحبؒ کے یہاں امام شافعیؒ صاحب مہمان ہوئے جب کھانے کا وقت آیا تو خادم نے پہلے امام شافعی صاحب کے سامنے کھانا رکھا امام مالکؒ صاحب نے اس کو منع کیا اور پہلے اپنے سامنے رکھوایا۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کو اپنے سے کم سمجھا۔
چنانچہ اگر آجکل کوئی ایسا کرے تو ضرور یہی سمجھا جائے کہ مہمان سے اپنے آپکو بڑا سمجھا اور عجب نہیں کہ مہمان خفا ہو کر اٹھ جائیں اور بعض مواقع میں یہ بات بے اصل بھی نہ ہوگی۔ آجکل ہم لوگوں میں تکبر ہے ہی۔ وہ لوگ بڑے بے نفس تھے اور اخلاق شرعی ان کے لئے عادت بن گئے تھے ان کا فعل ہرگز از راہ تکبر نہ تھا۔ بلکہ اس واسطے تھا کہ مہمان کو انقباض نہ ہو دیکھئے کتنی باریک نظر ہے اور چونکہ اس میں خلوص تھا اس واسطے مہمان پر بھی برا اثر نہ ہوا۔ یہاں سے اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ آجکل ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سمجھانا مشکل ہے کہ ہم نے کس واسطے ایسا کیا یہاں اسمیں سلامتی ہے کہ اکرام کی صورت باقی رکھی جائے کیا کیا جائے کہ یہاں تکلفات عادت ہو گئے ہیں جن کو طبیعت ثانیہ کہا جا سکتا ہے۔ یوں تو تکلفات کی وہ مثال ہو گئی ہے کہ:

ایک گالی بکنے والے کی حکایت

جیسے ہمارے یہاں تھانہ بھون میں ایک شخص تھے کہ گالی بکنے کے بہت عادی تھے کسی سے بے

گالی بات نہ کرتے گوان کا گالی بکنا از راہ تکبر نہ تھا۔ صرف عادت تھی ۔لیکن سننے والوں کو بری بات گوارا نہیں ہوسکتی اس پر کون نظر کرتا کہ اس کا منشا کیا ہے۔ لوگ ان کی فکر میں تھے ۔ یہ تو سب کو ذلیل کرتا ہی ہے کسی موقعہ پر اسکو بھی ذلیل کرنا چاہئے۔

چنانچہ ان کے یہاں ایک شادی کا موقعہ ہوا۔ سب لوگوں نے اتفاق کرلیا کہ آج اس کے یہاں کوئی مت جاؤ۔ اب یہ بہت پریشان ہوئے اور برادری کی خوشامد درآمد کرنا شروع کی ۔ مگر لوگوں نے کہا کہ ہم یوں نہ مانیں گے گالیاں بکنے سے توبہ کرو اور توبہ شاہ ولایت صاحب کے مزار پر چل کر اور قبر پر ہاتھ رکھ کر کرو۔ مجبور ہو گئے اور قبر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ شاہ صاحب میں نے ان لوگوں کو بہت گالیاں دی ہیں آج میں توبہ کرتا ہوں کہ ان کی ماں کو یوں توں کروں کبھی گالی نہ دوں گا۔ لوگ ہنس پڑے اور کہا یہ شخص معذور ہے اس کی خطا معاف کرو۔ وہی حالت ہمارے تکلفات کی ہوگئی کہ سمجھا دیا جائے اور بتلا دیا جائے اور جزئیات ایک ایک بیان کردی جائیں اور ان کی زبان سے سب کو دوہرا دیا جائے ۔ مگر جب بھی کوئی کام کریں گے تو وہ ہوگا تکلف ہی کا۔ اصل بات یہ ہے کہ تعلیم پر غالب ہوتی ہے۔

ایک بادشاہ کا قصہ

جیسے ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس نے وزیر سے دریافت کیا کہ طبع غالب ہوتی ہے یا تعلیم اس نے کہا کہ طبع غالب ہوتی ہے بادشاہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے تعلیم وہ چیز ہے کہ حیوان کو بھی مہذب بنا دیتی ہے دیکھو یہ ہماری بلی ہے اپنے سر پر شمع لے کر برابر کھڑی رہتی ہے ۔ بتلایئے طبیعت غالب ہوئی یا تعلیم وزیر اسوقت تو خاموش ہوگیا۔ اگلے دن ایک چوہا پکڑ کر ساتھ لے گیا اور بادشاہ کے سامنے ہی اس بلی کے آگے وہ چوہا چھوڑ دیا۔ بس تعلیم وتہذیب سب ندارد ہوگئی ۔ اور بلی شمع کو ٹپک کر چوہے کے پیچھے دوڑی وزیر نے کہا حضور اب بتلائیں وہ تعلیم کہاں گئی بات یہی ہے کہ تعلیم طبیعت پر کبھی غالب نہیں ہوسکتی۔

بناوٹ کی تہذیب کام کے وقت نہیں رہتی

جب تک کوئی غرض مزاحم نہ ہوا اس وقت تک بناوٹ کی تہذیب رہتی ہے ۔ مگر کوئی غرض غالب ہوجائے تو طبیعت اصلیہ کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

بس اب ریل آگئی اور یہ تقریر ختم ہوئی ۔لیکن اسی سفر میں اور کئی موقعوں پر بھی اسی موضوع

پر تقریریں ہوئیں۔ جن کا الحاق خود حضرت والا نے اسی کے ساتھ مناسب سمجھا لہذا وہ بھی یہیں درج کی جاتی ہیں۔ ازاں جملہ وہ تقریر ہے جو سرائے میر کے اسٹیشن پر شب ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ شب دوشنبہ ایک بجے شب ہوئی۔ جبکہ لوگوں نے مصافحہ میں بہت تنگ کیا اسٹیشن پر یہ حالت تھی کہ پلیٹ فارم پر پہنچنا مشکل ہو گیا۔ اور دن بھر سرائے میر میں بھی یہی ہوا تھا۔ کہ ہر نقل وحرکت کے بعد جدید مصافحہ کرتے تھے حتیٰ کہ استنجا کو جاتے وقت بھی مصافحہ کرتے اور بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد پھر مصافحہ اور منع کرنے پر بھی نہ مانتے اور کپڑے اور ہاتھ پکڑ پکڑ کر مصافحہ کے لئے کھینچتے تھے۔

چند شریر لڑکوں کی حکایت

اسٹیشن پر فرمایا کہ تھانہ بھون کی ایک حکایت سن لو۔ ایک وقت میں چند شریر لڑکوں کی ایک کمیٹی قائم تھی۔ وہ شہر کے انتظامات میں بھی دخل دیتے تھے۔ اتفاق سے تھانہ بھون میں ایک میاں جی تشریف لائے جو کہ بہت دین دار شخص تھے۔

ان کے آنے سے پہلے ایک میانجی تھے انکو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ پر لوگ انہیں ترجیح دیں۔ اس لئے انہوں نے ان لڑکوں کو ایک عرضی لکھی کہ ان میانجی کے رہنے سے مجھے اپنے نقصان کا اندیشہ ہے انکے یہاں سے نکالنے کا انتظام کر دیا جائے۔ جب وہ عرضی پہنچی تو ایک لڑکے نے کہا کہ اس کا انتظام میں کر دوں گا۔ بس وہ لڑکا اپنے گھر آیا اور اپنی ماں سے کہا کہ میرے لئے دو روغنی روٹیاں پکا دو آج میں دوپہر میں نہیں آؤں گا۔ مجھے کچھ کام ہے۔ بس آپ روٹیوں کو باندھ کر وہیں پہنچے جہاں وہ نئے میاں جی تھے۔ وہ بے چارے اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔

جب وہ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو آپ نے ان کے سامنے جا کر سلام کیا۔ انہوں نے جوابدیا۔ آپ نے پھر دو قدم کے بعد سلام کیا۔ انہوں نے دوبارہ بھی جواب دیا۔ چار قدم کے بعد پھر تیسری بار سلام کیا اب وہ متغیر ہوئے کہ یہ قدم قدم پر سلام کیسا۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ چڑنے لگے تو پھر سلام کا تار باندھ دیا اب وہ بیچارے بہت گھبرائے۔ ارادہ کیا کی جس مکان میں وہ ٹھیرے ہوئے تھے وہاں چلے جائیں اس نے ہاتھ پکڑ لیا کہ کہاں چلے میں تو سنت ادا کرتا ہوں اور آپ واجب کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں بس زبردستی گھر میں جانے سے روک لیا جب کھانے کا وقت آیا۔ اور انہوں نے اس وقت جانا چاہا اس نے روٹیاں سامنے رکھدیں کہ کھانا یہیں کھا لیجئے دوپہر میں سنت ادا کریں گے وہ

بیچارے ایسے گھبرائے کہ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسکرا کر فرمایا یہ بار بار مصافحہ کرنا ان میاں جی کی طرح سے میرے بھی نکالنے کی ترکیب ہے۔ صاحبو میں ویسے ہی نکل جاؤں گا۔ ترکیبوں کی کیا ضرورت ہے پھر فرمایا حدیث میں آیا ہے۔ **ان من تمام تحیاتکم المصافحة** ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ مصافحہ متمم سلام ہے اور سلام کیلئے کچھ قواعد مقرر ہیں تو مصافحہ کیلئے جو کہ اس کا تابع ہے بطریق اولی ہوں گے۔ مثلاً لکھا ہے کہ اذان کیوقت سلام نہ کرو کھانا کھاتے وقت سلام نہ کرو۔ اور، اور بھی مواقع ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ مشغولی کیوقت سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشغولی کے وقت مصافحہ بھی نہیں چاہئے۔

مصافحہ میں بدتمیزی

بہت سے علماء تو وداعی مصافحہ کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ مگر خیر ہمارے علماء جائز کہتے ہیں۔ چونکہ وداع کے وقت سلام تو مخصوص سے ثابت ہے اور مصافحہ متمم سلام ہے تو مصافحہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ استنجے کے بعد بھی مصافحہ اٹھنے کے بعد بھی مصافحہ بیٹھنے کے بعد بھی مصافحہ اسی واسطے میں نے ترکیب کی تھی کہ کمرہ میں بیٹھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا اس سے بہتوں کی دل شکنی ہوئی ہوگی۔ مگر کیا کیا جائے اپنا تحمل بھی تو دیکھنا چاہئے۔ میری طبیعت کسل مند ہے۔ یہ سفر میں نے بغرض آسائش کیا ہے اور جب یہ بھرمار مصافحہ کی ہوگی تو پھر آسائش کہاں نیز تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ کبھی کسی کے کان میں پڑا ہی نہیں کہ ایسا مصافحہ نہ چاہئے مصیبت یہ ہے کہ آجکل کے مشائخ بجائے اس کے کہ اس سے منع کریں اور اس کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس سے ان کی گرم بازاری ہوتی ہے اس واسطے میں نے اس دل شکنی کو گوارا کیا کہ یہ بات یاد تو رہے گی۔

مدینہ طیبہ کی حکایت

سنا ہے مدنیہ طیبہ میں رجبی (اگر یہ التزام سے کیا جائے تو بدعت ہے جیسا کہ آج کل ہوتا ہے ۔جماعت انتخاب التالیفات) کے دن خطیب معراج شریف کا بیان کرتا ہے بعد ختم بیان کے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگانا موجب برکت ہے مجمع بہت ہوتا ہے خطیب تنگ آجاتا ہے۔ اس کے لئے پہلے ہی سے کپڑے کا ایک مقصودہ بنایا جاتا ہے۔ بس وہ اٹھ کر اس میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اس

کے چاروں طرف پہرا ہو جاتا ہے تب نجات ملتی ہے۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ ہر وقت کا مصافحہ مصیبت ہے۔ ہر چیز موقعہ کی اچھی ہوتی ہے۔ محبت کی بھی تو حد ہونی چاہئے یہ نہیں کہ اپنا شوق پورا کرنیکے لئے دوسرے کی تکلیف کا بھی خیال نہ کیا جائے متنبی کہتا ہے واسکت کے مالا یکون جواب۔ یعنی میں خاموش رہتا ہوں تا کہ محبوب کو جواب دینے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

دین صرف نماز روزہ کا نام نہیں ہے

مصیبت یہ ہے کہ دین صرف نماز، روزہ کا نام سمجھ لیا ہے دین کا ایک جزو یہ بھی تو ہے جو حدیث میں ہے واجب **لا خیک المسلم ماتحب لنفسک تکن مسلماً** یعنی دوسرے مسلمان کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے واسطے کرتے ہو۔ تب مسلمان ہو گے جب اپنی تکلیف گوارا نہیں ہوتی ہے تو دوسرے کی تکلیف کیوں گوارا کی جائے اس کی تعلیم سے حدیثیں بھری پڑی ہیں کہ اپنے کسی فعل سے بھی دوسرے کو تکلیف نہ دی جائے۔ نہ قولاً نہ فعلاً مسلم میں حدیث ہے مقداد بن اسود اس کے راوی ہیں۔

مہمانوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ

یہ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے صحابہ کی عادت تھی کہ مہمانوں کو تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تقسیم کر دیا چند آدمی اپنے حصہ میں رکھے ان میں یہ بھی تھے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تشریف لائے اور ہم لیٹے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح سلام کرتے کہ جاگتا آدمی تو سن لے اور سوتا آدمی جاگ نہ جائے۔ دیکھئے تہذیب یہ ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اسکی رعایت ہر شخص کے ساتھ چاہئے۔

قصہ حدیث بقیع غرقد

اور حدیث بقیع غرقد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **قام رویداً وانطلق رویداً** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ اٹھے اور آہستہ آہستہ تشریف لے گئے تا کہ حضرت عائشہؓ کی نیند میں خلل نہ آئے اپنے سے چھوٹوں کی بھی یہ رعایت ہے آجکل بڑوں کے سامنے بھی دبنا نہیں چاہتے۔

تہجد کو اٹھنا اور ڈھیلے پھوڑنا

اب لوگ تہجد کو اٹھتے ہیں تو ڈھیلے پھوڑتے ہیں کھٹ کھٹ چلتے ہیں۔ گویا بتلانا چاہتے ہیں کہ

ہم تہجد کو اٹھے تہذیب کی حقیقت تو کہیں باقی ہی نہیں رہی ادب کے معنی لوگوں نے بار بار جھکنے کھڑے ہوئے اور آداب وتسلیمات کے لئے ہیں حقیقت میں مودب تھے۔تو صحابہ تھے مگر نہ ان میں بار بار اٹھنا تھا نہ بار بار جھکنا تھا نہ چبا چبا کر باتیں کرنا تھا۔لیکن موقعہ پڑ دیکھئے کہ جان دینے میں بھی تامل نہ تھا۔

زیادہ تعظیم کرنے والا وقت پر کام نہیں دیتا

زیادہ صورت تعظیم وتکریم کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص وقت پر کچھ کام نہ دیگا۔نیز اس تعظیم سے دوسرے شخص کا ضرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر عجب پیدا ہو جاتا ہے۔

ملے جلے چلنے کے منافع

حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور ﷺ جب چلتے تو کچھ آدمیوں کو آگے اور کچھ کو پیچھے کر لیتے جب اسپر عمل کر کے دیکھا جاتا ہے تب اسکی قدر ہوتی ہے کہ اس میں جانبین کی کس قدر منفعت ہے مگر ان باتوں کا خیال تو کیا ان کا داخل شریعت ہونا بھی اب معلوم نہیں رہا۔حضور ﷺ اسطرح بیٹھتے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا۔عرب میں اب بھی یہ رسم ہے کہ سب یکساں بیٹھتے ہیں۔

عرب کا دستور بابت ترک تصنع

ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں پاشا نے حجاج کو محمد حسین سندھی کے مکان پر جمع کیا سب لوگ وقت سے پہلے پہنچ گئے پاشا اپنے وقت پر آئے۔لوگ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے مگر وہ ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔جہاں پہلے ایک معمولی آدمی بیٹھا تھا اور مجمع میں سے کسی نے اونچی جگہ بیٹھنے کی تواضع بھی نہ کی۔بتائیے اس میں کیا حرج ہو گیا۔تکلفات کے رواج ڈال لینے سے ایک خرابی یہی پیدا ہوتی ہے کہ اگر پھر تکلف نہ کیا جائے تو برا ماننے کی نوبت آتی ہے۔اور جب تکلفات کا رواج ہی نہیں تو برا ماننے کا موقعہ بھی نہ ہوگا۔حدیث میں آیا ہے۔

حضور ﷺ مجمع میں کس طرح بیٹھتے

حضور ﷺ مجمع میں اس طرح بیٹھتے کہ کوئی ناواقف آتا تو اس کو پوچھنا پڑتا من محمد فیکم صحابہؓ کہتے ھذا الابیض المتکیء متکے کے معنی ٹیک لگانے والے کے ہیں۔کسی وقت حضور ﷺ ہاتھ ٹیکے بیٹھے ہوں گے اس وقت یہ لفظ کہا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ حضورؐ تکیئے پر بیٹھتے

تھے۔ کیونکہ عربی زبان میں اتکا کے معنی مطلق ٹیک لگانے کے ہیں۔ اور اگر حضور تکیہ اور مسند پر بیٹھا کرتے تو آنے والا شناخت ہی نہ کر لیتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ مجلس میں جو تکیہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہی بڑا ہوتا ہے۔

ہجرت کا قصہ

اور ہجرت کے واقعہ میں کہ مسجد قبا میں آنے والے حضرت صدیق اکبرؓ سے حضورؐ کے دھوکہ میں مصافحہ کرتے رہے جب دھوپ چڑھ آئی تو حضرت صدیقؓ حضورؐ پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ تب معلوم ہوا کہ حضور یہ ہیں۔ سو حضورؐ اسقدر سادگی سے رہتے تھے۔ اب یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ معلوم ہونے پر دوبارہ حضورؐ سے کسی نے مصافحہ نہیں کیا۔ نیز یہ کہ حضرت صدیقؓ حضور کو تکلیف سے بچانے کے لئے خود ہی مصافحہ کیا کئے۔

کیا ادب ہے، حقیقی ادب اس کو کہتے ہیں کس جان نثاری سے لوگ آئے تھے۔ اور ان کے لئے مصافحہ کس درجہ نعمت غیر مترقبہ تھی مگر اپنی خواہش پوری کرنے کے مقابلہ میں حضورؐ کی تکلیف کا زیادہ پاس کیا۔ آجکل کا مصافحہ نہ تھا۔

مصافحہ میں بدتمیزی

آجکل تو لوگ غضب ہی کرتے ہیں ایک مرتبہ میں گردن جھکائے وظیفہ پڑھتا تھا۔ ایک شخص آئے اور مصافحہ کے لئے کھڑے رہے میں نے آنکھیں بند کر لیں تا کہ وہ چلے جائیں۔ مگر وہ اس پر بھی نہ گئے اور پکار کہا کہ مصافحہ میں نے بھی کہہ دیا کہ وظیفہ۔ اور بعض لوگ کندھا پکڑ پکڑ کر کھینچتے ہیں کہ مصافحہ کر لیجئے۔ مصافحہ کیا ہوا کہ بلائے جان ہو گیا۔ اور پھر کتنا ہی کہئے کوئی سنتا ہی نہیں۔ ابھی ایک شخص کو منع کیا اور دوسرا مصافحہ کرنے کو تیار۔

۲۱

فرمایا اور یہ رسم بھی قابل اصلاح ہے کہ مسافر چلتے وقت جبکہ اسباب باندھتا ہوتا ہے اس وقت اس کو گھیرتے ہیں۔ اس وقت اس کو مخلی بالطبع چھوڑ دینا چاہئے جب تک اسباب باندھے اس سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ جانا چاہئے۔ ہاں اگر اس کی اعانت کے واسطے ایک دو آدمی پاس رہیں جن سے بے تکلفی ہو تو خیر۔ جب تہیہ سفر کر چکے تو اطمینان سے مل لیں۔ فقط۔

سرائے میر کے اسٹیشن کی تقریر ختم ہوئی پھر ایک تقریر اسی موضوع پر ریل میں مابین الہ آباد و

کان پور ہوئی بتاریخ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ شب پنج شنبہ وہ بھی حسب ایماء حضرت والا کے ''ادب العشیر'' کے ساتھ ملحق کی جاتی ہے۔''

عدل بین النساء مشکل ہے

وہ یہ کہ عدل بین النساء کا ذکر ہوا خواجہ صاحب نے کہا عدل کیا مشکل ہے کیونکہ فعل اعضا ہے دونوں کو ہر بات میں برابر رکھا کسی بات ایک ترجیح نہ دی یہ مشکل کیا ہے۔ فرمایا یہ عنوان تو بہت مختصر ہے آپ نے تو وہ مثال کردی۔

ایک شاعر کا قصہ

کہ کسی نے ایک شعر لکھا تھا جس کا کہ ایک مصرعہ بہت چھوٹا تھا۔ اور ایک بہت بڑا تھا۔ کسی شاعر نے اعتراض کیا کہ میاں مصرعے برابر نہیں۔ فرمانا ضرورت شعری میں ایسا ہوتا ہی ہے۔ مولانا جامی کے کلام میں بھی موجود ہے۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا

(اس کو ٹھیرا ٹھیرا کر پڑھا) گلے از روضہ جاوید بنما'' اس کو جلدی ادا کر دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ مصرعے چھوٹے بڑے ہیں۔ ایسے ہی آپ نے مختصر عنوان لے لیا۔ اور جلدی سے کہہ کر ثابت کر دیا کہ عدل کچھ بڑا کام نہیں ہے ذرا سی بات ہے فعل اعضا ہی تو ہے۔ اول تو خود فعل اعضاء بھی کہنے ہی میں ذرا سا ہے مگر کرنے میں ذرا سا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں ایک بلی کی میاؤں بھی ہے کہ اس عدل کی مانع ہو جاتی ہیں۔

چوہوں کا قصہ

آپ نے اس کا قصہ سنا ہوگا۔ کہ چوہوں نے بلی کو زیر کرنے کی تجویزیں سوچیں۔ کسی نے کہا کہ میں کان پکڑوں گا۔ اور کسی نے کہا میں گلا دباؤں گا اور کسی نے کہا میں دم کاٹ لوں گا۔ ایک پرانا تجربہ کار چوہا بولا کہ ایک چیز اور رہ گئی وہ کون پکڑیگا۔ جس وقت وہ میاؤں کریگی۔ اس کو کون پکڑے گا۔

عدل میں دقتیں

تو حضرت ایک میاؤں بھی ہے کہ اس کے سامنے آپکا مختصر عنوان کام نہیں دیتا وہ یہ ہے کہ

عورت کجی کرے گی اور سمجھانے سے جب وہ راضی نہ ہوگی تو مرد کیا کرے گا۔ بہت سے بہت آپ یہ کہیں گے کہ اس کا کہنا نہ مانے اور عدل پر قائم رہے جو فعل اعضاء ہے مگر قلب کو رنج تو ضرور ہوگا۔ اور دل اس میں مشغول ہو جائے گا۔

پھر وہ رنج لے کر دوسری کے پاس جائے گا اس سے بھی بے لطفی ہوگی عجب نہیں کہ اس رنج کی وجہ سے اس کی بھی کوئی بات ناگوار ہو۔ اور اس سے بھی ناچاقی ہو جائے اور ایک میاؤں کی جگہ دو میاؤں ہو جائیں۔ تو بتائیے اس کی کیا ترکیب ہے سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ مگر یہ جب ہے کہ مرد سلیم القلب ہو۔ رنج اور خوشی کا احساس اس کو ہوتا ہو ایسے شخص کی تو واقعی اس صورت میں زندگی تلخ ہوگی۔ اور جس کو احساس ہی نہ ہو تو اسکا ذکر ہی نہیں وہ تو آدمیت ہی سے خارج ہے۔ مگر وہ عدل ہی کیا کرے گا۔

عدل صابر کا کام ہے یا ظالم کا

بس یہ کام تو صابر کا ہے یا سخت مزاج کا کہ رنج والم سہا کرے اور عدل کو ہاتھ سے نہ دے یا ڈنڈے مار کر سیدھا کرے۔ مار کے سامنے سب سیدھے ہو جاتے ہیں یا عدل کا لفظ ہی اٹھا دے۔ بس ایک طرف کا ہو جائے۔ دوسرے کو کالعدم کر دے اور اپنی زندگی آسائش سے بسر کرے۔ مگر یہ شخص وہاں کی زندگی تلخ پائے گا۔ جس کی تلخی اس زندگی کی تلخی سے اشد ہے۔ آپ نے کہہ تو دیا کہ عدل کیا مشکل ہے مگر میں ایک مثال میں سمجھتا ہوں کہ ایک کپڑا آئے اور دونوں بیبیاں اس کی خواہش کریں۔ اور عورتوں کی ہٹ آپ جانتے ہیں۔ اس وقت بتلائیے مرد کیا کرے گا۔

ایک کو دے تو عدل کے خلاف اور مصیبت کو سامنا اور دونوں کو نہ دے تو دونوں ناراض۔ بس یہ ہوسکتا ہے کہ دو ٹکڑے کر دے مگر اس صورت میں کپڑا بے بیونت ہو کر ایک کے بھی کام کا نہ رہے گا اور پھر تو سب کا ناک منہ چڑھے گا۔ پھر آخر یہ شخص کہاں تک ان امور کا تحمل کریگا۔ کہہ دینا تو سہل ہے کر کے دکھائے بس تخالف نہ ہونے کی صورت ایک یہی ہوسکتی ہے کہ دونوں عورتیں سلیم الطبع ہوں اور خود ہی باہم تخالف نہ کریں۔ جیسا کہ بعض جگہ موجود ہے۔ فقط۔

ادب الاسلام

ملقب بہ ذم شبہ اھل الاصنام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمهید

حضرت والا نے بغرض تبدیل آب وہوا۔ واستراحت گورکھپور کی طرف ماہ صفر ۱۳۳۵ھ میں سفر کیا اور اپنے بھائی منشی اکبر علی صاحب منیجر ریاست مجھولی ضلع گورکھپور کے پاس دورہ میں تشریف لے گئے دو تین دن مختلف مقامات پر قیام رہا کیونکہ منشی صاحب دورہ میں تھے۔ اسی دورہ میں منشی صاحب نے قصبہ شاہپور ضلع گورکھپور کا کوچ کیا۔ حضرت والا بھی اسی مقام پر پہنچے۔ اتفاقاً جمعہ کا دن اسی مقام پر آ گیا قیام حضرت والا کا قصبہ سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے قصبہ میں تشریف لے چلے۔ جب بنگلہ سے جمعہ کی نماز کو چلے تھے تو راستہ میں منشی اکبر علی صاحب نے احقر سے پوچھا کہ آج بعد نماز جمعہ وعظ ہوگا۔ یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ حضرت کی رائے پر ہے ہاں اتنا مجھے معلوم ہے کہ اب تک کہیں وعظ نہیں فرمایا ہے۔

گورکھپور میں بھی درخواست کی گئی تھی تو یہی جواب دیا تھا کہ میں نے یہ سفر استراحت کیلئے کیا ہے۔ طبیعت ضعیف ہے وعظ کے تعب کی متحمل نہیں بیان کرنے سے سفر کی غایت ہی فوت ہو جائے گی۔

یہ سن کر منشی اکبر علی صاحب خاموش ہو گئے بعد نماز جمعہ قاضی صاحب امام جامع مسجد کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا کہ آپ لوگوں کو اگر شوق وعظ کا ہو تو مولانا صاحب سے عرض کیا جائے۔ اسپر چند آدمیوں نے یکے بعد دیگرے شوق ظاہر کیا۔ اور رفتہ رفتہ سب نمازیوں نے اتفاق کیا کہ ہاں وعظ ضرور ہونا چاہئے قاضی صاحب نے کہا حضرت کچھ بیان فرما دیجئے۔ فرمایا میں اس سے معذور ہوں کیونکہ تھوڑے بیان سے سیری نہ ہوگی اور زیادہ بیان کا میں متحمل نہیں ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا ہم یہ اطمینان دلاتے ہین۔ کہ تھوڑے سے تھوڑا بیان بھی ہماری تسلی کے لئے کافی ہے۔ دیکھئے قرآن شریف میں بڑی سورتیں بھی ہین۔ اور قل ہو اللہ بھی ہے۔ فرمایا بس قل ہو اللہ پڑھ دوں تو آپ کافی سمجھیں گے۔ کہا ہاں چاہے آپ صرف قل ہو اللہ ہی پڑھ دیں اور اس کا ترجمہ بھی نہ کریں۔ اور یہ بات ہم صاف اور سچے دل سے کہتے ہیں۔

اس پر حضرت والا بیان پر آمادہ ہو گئے اور بیان سے پہلے فرمایا کہ میرا ارادہ اس سفر میں بیان کا بالکل نہ تھا۔ مگر اس وقت ایسے پیرایہ سے فرمائش کی گئی ہے۔ جس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا ایسا کہ اصرار کرنے سے ہرگز نہ ہوتا وہ یہ کہ وعظ کی مقدار کو میری رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے یہ ترک اصرار میرے اوپر اصرار سے

زیادہ موثر ہوا۔ لہٰذا بیان کرتا ہوں احقر اس سے تعجب کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نے درخواست کی۔ اور اول دو چار آدمیوں نے اس سے اتفاق کیا پھر تمام مجمع نے۔ اس ترتیب سے مترشح ہوتا تھا کہ باہمی متفق تجویز سے ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ جناب منشی اکبر علی صاحب کی سکھائی ہوئی یہ تدبیر تھی کہ اس طرح درخواست اور تائید کرنا۔ اور کوئی اصرار نہ کرنا نہ مطلق وعظ پر نہ وعظ کی مقدار پر سو یہ تدبیر کارگر ہوگئی اور وعظ ہوا۔

خطبہ ماثورہ

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

اقیموا الصلوۃ و لا تکونوا من المشرکین.

یہ آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس میں اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے ایک بات کا حکم کیا ہے اور ایک بات سے منع کیا ہے۔ میں یہ بیان کرتا ہوں کہ کس بات سے منع کیا ہے۔ اور کس بات کا حکم کیا ہے۔ اور دونوں باتوں میں تعلق کیا ہے اس سے ایک بڑی بات نکلے گی کہ وہ ایک دستور العمل ہوگا۔ اور تمام اعمال میں اس کا خیال نہایت نافع ہوگا۔ یہ حاصل ہے میرے اس وقت کے تمام بیان کا۔

ترجمہ: نماز کو قائم کرو اور مشرکین میں سے مت ہو قائم کرنے کے معنی ہیں درست کرنا۔ اور سیدھے سیدھے پڑھنا اور پابندی کے ساتھ پڑھنا اس کے لئے دوسرا لفظ یہ ہے کہ نماز کے حقوق پورے پورے ادا کرو اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی درستی اسی وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے تمام اجزاء ٹھیک ہوں اور جو نسبت باہم ان اجزاء میں ہو وہ بھی قائم رہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کو درست کرنا نہیں کہتے۔ مثلاً کوئی کھانا پکائے تو کھانا اچھا جب ہی کہا جائے گا کہ جب سارے اجزاء اس کے ڈالے گئے ہوں اور ان اجزاء کی باہمی نسبت بھی ٹھیک ہو۔ حتیٰ کہ اگر نمک بھی زیادہ کر دیا گیا ہے تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ کھانا ٹھیک پکایا۔

اقامۃ الصلوۃ کے معنی

اسی طرح اس حکم کی تعمیل کہ نماز کو درست کرو جب ہی ہوگی۔ جبکہ اس کے پورے حقوق ادا کئے جائیں اسوقت کہا جائے گا۔ کہ نماز کو درست کرنے کا ترجمہ عربی میں اقامۃ ہے اور اگر ایسا نہ کیا اس کے اجزاء پورے ادا نہ کئے یا ان اجزاء کے تناسب کو قائم نہ رکھا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز کو درست کیا۔ بلکہ

یہ کہیں گے کہ نماز کو بگاڑا۔ اور خراب کیا تو پھر اقیموا الصلوۃ کے معنی ہوئے کہ نماز پڑھواور اس طرح پڑھو کہ پورے حقوق ادا ہوں نہ کہ ایسی نماز کہ فقط نام نماز کا لگ جائے اس کو نماز ہی نہ کہا جائے گا۔ دیکھو موٹی سی بات ہے کہ ایک حاکم یا آپکا ایک دوست کہے کہ ایک نوکر ہم کو لا دو اور آپ اس کے اس حکم کی تعمیل یہ کریں کہ چارپائی پر ڈال کر ایک آدمی لنجا اپاہج جو کسی کام کا نہ ہو فقط جان اس میں ہو لیجا کر پیش کریں اور وہ پوچھے کہ یہ کیا ہے۔ آپ جواب دیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے آدمی لایا ہوں تو اس پر وہ حاکم کیا برتاؤ کرے گا۔ یا وہ دوست آپ کا اس فرمائش کی تعمیل سے خوش ہوگا۔ اور کیا جب وہ کہے کہ یہ کیسا آدمی لائے ہو تو یہ جواب معقول ہوگا کہ آپ نے آدمی مانگا تھا۔

آدمی آدم کی اولاد کو کہتے ہیں یہ اولاد آدم ہے اور جاندار ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آدمی نہیں ہے آپ کے حکم کی تعمیل پوری کردی گئی وہ اس کے جواب میں کہے گا کہ تم اس کو آدمی کہہ لو ہم نے نام کا آدمی نہیں مانگا تھا کام کا آدمی مانگا تھا۔ ہم کو تو اس سے خدمت لینی تھی اور یہ الٹا خود خدمت کا محتاج ہے۔

صاحبو! یہ بات اس کی ٹھیک ہے یا وہ ضابطہ کا جواب کہ آپ نے آدمی مانگا تھا آدمی لا دیا بالکل ظاہر ہے کہ ٹھیک بات اسی کی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جس چیز کی فرمائش ہو اس میں ایک نام کا درجہ ہوتا ہے اور ایک کام کا۔ نام کا درجہ کوئی منظور نہیں کرتا۔

ہر شخص کی غرض یہی ہوتی ہے کہ کام کی چیز ملے دیکھئے پنساری سے آپ کہیں کہ بادام دے اور وہ نام کے بادام دیدے یعنی ایسے بادام دے جن کے اندر مغز نہ ہو تو آپ واپس کریں گے یا نہیں اگر وہ آپ کو کہے کہ بادام مانگے تھے میں نے بادام دیدیئے تو آپ یہی کہیں گے کہ اصلی مقصود تو کام ہے اور وہ مغز سے نکلتا ہے نام کے بادام کس کام آئیں گے۔

اے صاحبو! ذرا ہم کو شرم آنی چاہئے کہ اپنے معاملات میں تو درجہ کام کا چاہتے ہیں۔ اور خدا کے معاملات میں نام کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور اس پر اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کردی۔ اور اس پر ثواب و جزا کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔

نماز میں بے احتیاطی

نماز ایسی پڑھتے ہیں کہ نہ طہارت کی خبر نہ کپڑے کی خبر۔ بعض لوگ ایسا چھوٹا کپڑا باندھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ستر کھل جاتا ہے۔ اگر چوتھائی گھٹنہ بھی کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی۔ مگر اس کی کچھ

پرواہ نہیں نہ سجدہ ٹھیک نہ رکوع نہ دو سجدوں میں فصل۔

بعض لوگ سجدہ میں سے اتنا سر نہیں اٹھاتے جو فاصل بین السجدتین ہو جائے کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسے دونوں سجدے ایک ہی سجدہ کے حکم میں ہیں تو اس صورت میں ایک سجدہ ہوا۔ جب دوسرا سجدہ ہی نہیں ہوا تو نماز کیسی ایک سجدہ کر لینے کے بعد چاہئے کہ سیدھا بیٹھ جائے اور سب اعضاء ٹھہر جائیں تب دوسرا سجدہ کرے اگر اتنا وقفہ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ اتنا سر اٹھایا جائے کہ اقرب الی القعود ہو جائے۔ گو ایسی نماز مکروہ ہوگی۔ اور ایک نئی اور ایجاد ہوئی ہے نماز میں کہ بہت سے لوگوں نے عادت کر لی ہے کہ قومہ بالکل ہی ندارد کر دیتے ہیں قومہ کہتے ہیں رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو یہ نماز میں واجب ہے، بلا اس کے نماز نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ سب نماز پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ گو بعض کو اس کا وجوب نہ معلوم ہو تب بھی یہ تو ضرور معلوم ہے کہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ یا ربنا لک الحمد۔ کہا جاتا ہے معلوم نہیں جن لوگوں نے قومہ کو اڑا دیا ہے یہ دونوں لفظ وہ کس وقت کہتے ہوں گے شاید رکوع میں کہتے ہوں۔ مگر رکوع بھی ان کا لمبا نہیں دیکھا جاتا۔

بس سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ نماز کا ایک جز واڑا ہی دیا یہ تو خدا کی بتلائی ہوئی نماز میں ترمیم ہے جب نماز پڑھتے ہی ہو تو اس سے کیا فائدہ کہ پڑھی پڑھائی ہوئی کو غارت کرو۔ اگر اعلیٰ درجہ کی نہیں ہو سکتی تو ادنی درجہ کی تو ہو جائے اس کے اجزاء ضرور یہ تو ضرور جب ہیں۔ جس سے کسی درجہ میں تو کہا جا سکے کہ نماز ہے۔ نماز ہے۔ نماز کی صورت تو درست ہو جائے حقیقت نہ سہی۔ مگر ہم نے تو صورت کی بھی یہ گت بنائی ہے۔ روح تو الگ رہی۔ ہماری اس نماز کی مثال تو وہ بھی صحیح نہیں رہی جو ابھی میں نے بیان کی تھی کہ پنساری کے یہاں جائیں اور بادام مانگیں اور وہ نرے چھلکے مغز سے خالی دیدے یا کوئی آدمی منگا ئے اور ایک اپاہج بیمار کو اس کے سامنے پیش کر دیں اب یہ مثالیں بھی ہماری نماز کی نہ رہیں۔

ہماری نماز کی مثال

بلکہ ہماری اس نماز کی مثال اب تو یہ ہو گئی کہ کسی سے بادام مانگیں اور وہ بادام کے کوئلے ہاتھ میں رکھدے یا آدمی مانگا جائے اور وہ مرگھٹ میں سے ایک مردہ لا کر پیش کر دے۔ صاحبو! یہ کیا بیہودگی ہے کیا ایسی نماز سے ہمارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔ ذرا ہم کو تو خیال چاہئے یہ کیسا غضب ہے کہ اپنی فرمائش پر تو نام کی چیز ملنے سے بھی ناراض اور خدا تعالیٰ کی فرمائش پر نام کی چیز بھی مہیا نہیں کی جاتی۔ حالانکہ حق تو

یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی فرمائش پر وہ چیز پیش کی جاتی جو کام کی بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی اگر یہ بھی نہ ہو تو علیٰ سبیل التنزل کہا جاتا ہے۔ کہ ایسی چیز تو ہوتی جو اپنی فرمائش پر پیش کی جاسکے کام کی چیز تو وہ ہوتی ہے۔ جس میں روح ہو نماز کی۔ روح کیا چیز ہے اس کا بیان آیت میں اس طرح ہے **اقم الصلوۃ لذکری** ۔ یعنی نماز کو درست کرو میری یاد کے واسطے خدا تعالیٰ کا تصور قلب میں جمانا اور اس کو یاد رکھنا نماز کی روح ہے اس سے تو ہم کوسوں دور ہیں کام کی نماز تو یہی تھی۔ جس میں حق تعالیٰ کی طرف ہی دھیان ہوتا یہ اگر میسر نہیں تو کاش نام ہی کی نماز ہوتی کہ رحمت خدا کیا عجب ہے۔ اسی وقت قبول کر لیتی۔ مگر جب کہ اس کے اجزاء ضرور یہ ہی ندارد ہیں تو اس پر تو نماز کا نام بھی نہیں لگ سکتا۔ صاحبو! عمل کی صورت تو درست کر لو۔

کبھی صورت کی بھی قدر ہو جاتی ہے

بڑوں کے یہاں کبھی محض صورت بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات حقیقت سے زیادہ صوررت کی قدر کی جاتی ہے۔ جیسے مٹی کے خربوزے ککڑی بنا کر رئیسوں کے ہاں لے جاتے ہیں تو اس پر انعام ملتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نقل تو ہو انعام اسی بات کا ملتا ہے کہ اس نے ہو بہو نقل اتار دی۔ یہاں تو نقل بھی نہیں نماز کی صرف شکل بھی اگر بنالی جائے تو امید ہے کہ اس زمانہ میں قبول ہو جائے۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے کہ فرمایا حضو ﷺ نے صحابہؓ سے کہ تمہارا وہ زمانہ ہے کہ اگر کوئی دسواں حصہ مامور بہ میں کمی کرے تو ہلاک ہو جائے۔ قبول نہیں اور ایک وہ زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی دسواں حصہ عمل کا بھی کرے گا۔ یعنی کیفاً تو نجات پا جائے گا تو ہم لوگوں کے واسطے تو بہت ہی آسان ہے۔ مگر شاباش ہماری غفلت کو کہ ہم سے آسان کام بھی نہیں ہو سکتا ہم کو تو اس انعام کی بہت قدر کرنی چاہئے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ زمانہ وہ ہوگا کہ اس میں اعمال کے حقوق کی رعایت میں کمی ہو جائے گی اور یہی راز ہے معمولی عمل کے کافی ہو جانیکا۔ کیونکہ جب کسی شے کی کمی ہو جاتی ہے تو تھوڑی چیز بھی غنیمت سمجھی جاتی ہے ہم لوگ تو اس قدر آسانی میں ہیں کہ ذرا سی توجہ سے اور ہاتھ پیر ہلانے سے بڑے بڑوں کے برابر حصہ پا سکتے ہیں ہمارے واسطے مشقت تو رہی ہی نہیں صحابہؓ نے ایسی مشقتیں اٹھائی ہیں کہ ہمارا کیا حوصلہ ہے مگر اللہ اکبر ان کا استقلال کہ جب جس نے عمل کیا تو عزیمت کے اوپر کیا رخصت پر بھی عمل نہ کیا بدون کسی عذر یا مصلحت کے۔

حضرت ابوذرؓ کا قصہ

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک صحابی ہیں انہوں نے اسلام کا چرچا سنا تو اپنے گاؤں سے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تا کہ حضور ﷺ کے حالات کی تفتیش کریں تا کہ حق کی تحقیق ہو جائے انہوں نے واپس جا کر کچھ حالات بیان کئے مگر ان سے ان کی تسلی نہ ہوئی بالآخر خود مکہ آئے۔ مگر حضور ﷺ سے مل نہ سکے۔ کیونکہ اس وقت میں حضور ﷺ تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔

بچہ بچہ اسلام کا اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ یہ پردیسی آدمی کوئی ان کا ٹھکانہ بھی مکہ میں نہ تھا۔ کہاں ٹھیرتے اور کھانے پینے کا آرام ہوتا۔ مگر زمزم شریف عجیب دولت ہے۔ انہوں نے ایک مہینہ تک اسی پر گذر کی جب بھوک لگتی تو اسی کو پی لیتے جب پیاس لگتی تو اسی کو پی لیتے ایک روایت میں ہے کہ ابوذر ایسے موٹے ہو گئے کہ پیٹ میں بٹ پڑ گئے۔ مدت کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا تم یہاں کیسے ٹھیرے ہو۔ انہوں نے اپنا سارا قصہ ان سے خفیہ کہہ دیا حضرت علیؓ نے کہا کہ چلو حضور ﷺ تک میں تمہیں پہنچا دوں مگر زمانہ خوف کا ہے۔ اس طرح چلو کہ کوئی یہ نہ پہچانے کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو میں آگے آگے تھوڑے فاصلے پر چلوں گا اور تم میرے پیچھے آنا۔ اور اس پر بھی اگر کوئی شخص مل گیا تو میں پیشاب کرنے کے بہانے راستہ کے کنارے بیٹھ جاؤں گا تم گذرتے چلے جانا۔ یہ ثابت نہ ہو کہ تم میرے ساتھ ہو۔ ورنہ تمہارے واسطے بھی برا ہوگا اور میرے واسطے بھی یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا دیکھئے۔ کس قدر خطرناک وقت تھا۔

مگر دل کی آگ اس کو کہتے ہیں کہ اسی ترکیب سے حضورؐ کے پاس پہنچے اور اول ہی جلسہ میں مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تم اپنے گاؤں کو چلے جاؤ ہمیں امید ہے کہ ہجرت کی اجازت ہو جائے گی تب وہاں آ جانا اور اپنے اسلام کو یہاں ظاہر نہ کرنا۔ ابوذرؓ نے عرض کیا کہ حضرت کفر کو تو ہمیشہ ظاہر کیا اسلام کو کیا چھپاؤں گا یہاں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مخالفت امر نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے نہی شفقۃً تھی اس خیال سے کہ مبادا کوئی مخالف کچھ ایذا نہ پہنچا دے اس صورت میں تعمیل امر نہ کرنا مخالفت نہیں ہے بلکہ عمل علی العزیمت ہے (اور اسی لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔) غرض انہوں نے گوارا نہ کیا کہ اخفائے اسلام کریں اور اظہار کے لئے بھی یہ غضب کیا کہ وہ صورت اختیار کی جس میں جان کا خطرہ تھا۔ مسجد حرام میں پہنچے وہیں کفار کی بیٹھک تھی۔ جس کا نام دارالندوہ تھا۔ جو اب حرم شریف کا جزو ہے وہاں

سب کفار جمع تھے آپ نے کیا کیا کہ اپنے ایمان کی اذان دیدی۔ اذان بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بمعنی اعلان ایمان کے ہے یعنی سب ایمان کے سامنے کھڑے ہو کر علی الاعلان کلمہ شہادت پڑھا پھر کیا تھا کفار تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے سب لپٹ پڑے اور بہت مارا شعر

بجرم عشق توام میکشند وغو غائیست ــــ تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تما شائیست

اور اس سے کچھ تعجب نہ کیجئے کہ ایک شخص دین کے واسطے اتنی ہمت کیوں کرے۔ کہ ایک مخلوق کی محبت میں دیکھا ہوگا کہ کیا کیا ہو جاتا ہے۔ ایک بازاری عورت کے پیچھے لوگوں کی بعض دفعہ کیا کیا گتیں بنتی ہیں۔ اس مار کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جس کو عشق کا مزہ آ چکا ہو حضرت ابوذرؓ نے نہ غل مچایا نہ کچھ ان کی خوشامد درآمد کی۔ بلکہ چپ چاپ کھڑے پٹتے رہے۔ عجب نہ تھا کہ کفار مار ڈالتے۔

حضرت عباسؓ کی قوت اور رحمدلی

مگر قدرت خدا کہ حضرت عباس آ گئے یہ بڑے رحمدل تھے اور بڑے قوی تھے ان کی آواز بارہ میل جاتی تھی۔ اور کیوں نہ ہو ہاشمی تھے۔ خاندان بنی ہاشم تھا ہی بہت قوی خود حضور ﷺ میں تیس آدمیوں کی قوت تھی چنانچہ حضور ﷺ نے ایک پہلوان کو پچھاڑا تھا۔ ان کا نام "رکانہ" تھا جو حضور ﷺ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں آپ نے ان کو پچھاڑ دیا انہوں نے کہا یہ اتفاقی بات تھی کہ میں پچھڑ گیا اب کے پچھاڑئے تو جانوں۔ حضور ﷺ نے پھر ان کو اٹھا کر پھینک دیا یہ صاف ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ حضور ﷺ میں قوت بدنی بھی بہت تھی۔ غرض یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔

تعدّد ازواج پر اعتراض کا جواب

یہاں سے ملحدوں کے تعدد ازدواج پر اعتراض کا جواب بھی نکلتا ہے کہ جب حضور ﷺ میں تیس آدمیوں کے برابر قوت تھی اور ایک آدمی کو ایک بیوی رکھنے کی اجازت تمام دنیا دیتی ہے تو اس حساب سے بھی حضور ﷺ کو تیس بیویاں رکھنے کی گنجائش تھی تیس کی جگہ اگر نو ہی رکھی تو اس تعدد ازواج پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضور ﷺ نے بہت کمی کی حساب سے ایک تہائی سے بھی کم پر بس کیا ذرا انصاف سے کام لینا چاہئے اور یوں کوئی بک بک کرتا پھرے تو اسکا کیا علاج اور یہ تعدد ازواج بھی بطور نفس

پروری نہ تھا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر بہت سے قرائن ہیں۔ دیکھئے سوائے حضرت عائشہؓ کے سب بیواؤں سے عقد کیا اور سب سے اول جو شادی کی اس وقت حضور ﷺ کی عمر پچیس برس کی تھی یہ وقت عین شباب کا تھا۔ اس وقت تو کنواری سے کرنا تھا۔ مگر حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ ان کی عمر اس وقت چالیس برس تھی۔ اور بیوہ تھیں۔ دیکھئے یہ نفس کشی اور جب تک وہ زندہ رہیں انکے سامنے اور نکاح نہیں کیا۔

اس کا جواب کہ حضور ﷺ کو کنواری لڑکیاں نہیں مل سکتی تھیں

یہاں سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ حضورؐ نے بیوہ عورتوں سے اس واسطے عقد کئے کہ کنواری ملتی کہاں آپ کوئی گھر کے امیر نہ تھے اور شبہ اسطرح رفع ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ملکۃ العرب کہلاتی تھیں۔ انہوں نے خود اپنی خواہش سے حضورؐ سے نکاح کیا تھا۔ جب حضور ﷺ کی وقعت لوگوں کے دلوں میں یہ تھی کہ ملکۃ العرب نے خود خواہش کی تو غریب غربا کنواریوں کا ملنا کیا مشکل تھا۔ نیز دوسری دلیل اس بے ہودہ بکواس کی تردید کی کہ کنواری لڑکیاں مل کہاں سکتی تھیں۔ ''سورہ حم سجدہ'' کے پڑھ کر سنانے کا واقعہ ہے وہ اس طرح ہے کہ کفار نے ایک دفعہ اکٹھا ہو کر مشورہ کیا ان میں ابوجہل بھی تھا کہ یہ شخص جو دعوی نبوت کرتے ہیں اس کے فرو کرنے کے واسطے بجائے مخالفت کے تدبیر سے کام لیا جائے تو بہتر ہے وہ یہ ہے کہ ان سے پوچھنا چاہئے کہ یہ دعوی کس غرض سے کرتے ہیں۔ اگر وہ غرض بلا اس دعوی کے پوری کر دی جائے تو غالباً یہ دعوی آپ چھوڑ دیں گے اس طرح بہت سہولت کے ساتھ ہم کو کامیابی ہو جائے گی۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے جو بہت فصیح اور بلیغ تھا۔ اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اور حضور ﷺ میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ آپ یہ بتلا دیجئے کہ آپ کو اس دعوی سے کیا مقصود ہے اگر حسین لڑکیوں کی خواہش ہے تو وہ جتنی اپ کہیں بہم پہنچا دی جائیں اور اگر مال مقصود ہے تو جتنا آپ کہیں ہم مال جمع کر دیں۔ اور اگر امارت اور سرداری منظور ہے تو ہم سب آج سے آپ کو اپنا سردار مانے لیتے ہیں۔

حضورؐ اس کی باتوں کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ حضور ﷺ کی عادت تھی کہ جواب میں جلدی نہ کرتے تھے۔ اول پوری بات سن لیتے تھے تب جواب دیتے تھے۔ جب وہ جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہہ چکے اب جواب سنو اور سورہ حم سجدہ کے شروع کی آیتیں شروع کیں **حم تنزیل من الرحمن الرحیم** آگے تک جب حضور ﷺ اس آیت تک پہنچے **فان اعرضوا فقل انذر**

تکم صاعقة عادو ثمود۔

اوراس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نہیں مانو گے تو میں ڈراتا ہوں اس عذاب سے جو عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ اس آیت کوسنکر وہ کہتا ہے خدا کیلئے بس کیجئے۔ اور وہاں سے بھاگا اور نہایت بدحواسی کے ساتھ اسی مجمع میں پہنچا جہاں ابوجہل موجود تھا۔ اس نے دور سے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ گیا تھا اور چہرہ لے کر آرہا ہے۔ اور چہرہ لے کر ابوجہل کی فراست اور دانائی اور عقل مندی میں مشہور تھا وہ بشرہ سے یہ سمجھ گیا کہ اس پر بھی کچھ اثر ہوگیا۔

قرآن شریف کی دلربائی

کیونکہ قرآن شریف کی دلربائی کفار بھی جانتے تھے۔ حتی کہ یہ تجویز ہوا کرتی تھی کہ جس وقت حضور ﷺ قرآن شریف پڑھا کریں اس وقت گڑبڑ کیا کرو اور غل مچایا کروتا کہ کوئی سننے نہ پائے کیونکہ سننے کے بعد ممکن نہیں کہ قرآن کی طرف کشش نہ ہو اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعو الھذا القرآن و الغوا فیه لعلکم تغلبون

اور یہاں سے خدا کی قدرت بھی نظر آتی ہے کہ عقلمندوں کو ایسے گڑھوں میں گراتا ہے کہ قرآن کے اس قدر قائل اور فراست اور دانائی اور عقلمندی میں مشہور مگر ایمان نہ لاتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ ہدایت بلاتوفیق خداوندی کے نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے عقلاء یورپ موجد ہیں ایسے صنائع کے جن کی ایجادوں سے حیرت ہوتی ہے۔

مگر ایسے صریح مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ نہایت درجہ قابل حیرت ہے جس قدر عقلمندی میں ...... اعلی درجہ رکھتے ہیں اسی قدر ان میں دہریت ہے۔ اور خدا کے منکر ہیں دنیا میں تو کوئی فعل بلا فاعل کے نہ ہو سکے اور اتنے بڑے عالم کے لئے صانع کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے۔ یہ قدرت خدا کا نظارہ ہے۔

غرض ابوجہل نے اسے دور ہی سے دیکھ کر کہا کہ یہ گیا تو اور چہرہ لے کر، اور آیا اور چہرہ لے کر............وہ جب پہنچا اس نے سارا واقعہ بیان کیا۔ اور کہا جب انہوں نے یہ آیت پڑھی ہے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ بس اب بجلی گرنے کو ہے۔ میں اپنی جان بچا کر بھاگا۔ دیکھئے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ عورتیں بھی آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو اس کہنے کی گنجائش نہیں رہی کہ بیوہ عورتیں اس واسطے کی تھیں کہ کنواری لڑکیاں مل نہ سکتی تھیں۔ جب کہ آپ نے باوجود کنواریاں مل سکنے کے بیوہ عورتوں سے عقد کئے تو

وہ شخص جس کو ذرا سی بھی عقل ہے سمجھ سکتا ہے کہ کسی اور مصلحت پر اس کی بنا تھی ۔ ان مصلحتوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایسے شخص کو شہوت پرست کہنا دین تو برباد کرنا ہے ہی عقل کے پیچھے بھی لٹھ لے کر پھرنا ہے ۔ غرض حضور ﷺ میں ہر طرح کی قوت تھی ۔ اور یہ آپ کا ذاتی کمال تو تھا ہی ۔ خاندان سے بھی میراث میں پایا تھا ۔

بنی ہاشم سب قوی تھے ۔ حضرت عباس انہیں میں سے تھے ۔ حضرت ابوذرؓ کے پٹنے کے وقت وہ آ گئے انہوں نے سب کو ہٹایا اسطرح کہ خود ان پر الٹے پڑ گئے ۔ ان میں اسلام سے پہلے بھی یہ رحم تھا یہ عالی خاندان کی دلیل ہے ۔

خاندانی اور غیر خاندانی میں فرق ہوتا ہے

خاندانی اور غیر خاندانی میں بڑا فرق ہوتا ہے حضور ﷺ کو خداوند تعالیٰ نے ایسے خاندان میں نہیں پیدا کیا تا کہ کسی بڑے سے بڑے کو حضور ﷺ کا اقتداء کرنے میں ورنہ جو اسی واسطے حق تعالیٰ نے سب انبیاء کو خاندانی بنایا ہے اگر چہ خدائے تعالیٰ کے یہاں نسب کا چنداں اعتبار نہیں بلکہ کسب کا اعتبار ہے مگر لوگوں کے مذاق کا اعتبار کیا تا کہ کسی کو بھی اتباع سے جائز نہ ہو ۔ غرض حضرت عباسؓ نے ان کو اپنی جان پر کھیل کر بچالیا یہ خون سے ایسے رنگین ہو گئے تھے جیسے بت قربانی کے خون سے رنگے جاتے تھے اب یہاں کوئی سننے کہہ سکتا ہے کہ آج کی مار سے ان کا سب نشہ اتر گیا ہوگا اور آئندہ ان کو ہمت نہ رہی ہوگی ۔ کسی کے سامنے اظہار ایمان کریں مگر شعر

انسازد عشق را کنج سلامت خوشامد سوائے کوئے ملامت

اگلے دن پھر اسی مجمع میں پہنچے ۔ اور پھر اسی اعلان کے ساتھ کہا **اشہد ان لا الہ الا اللہ** آج اس سے بھی زیادہ غیظ کے ساتھ کفار لپٹ پڑے اور ، اور بھی زیادہ مارا خدا کی قدرت کہ پھر حضرت عباسؓ آ گئے پھر انہوں نے اسی طرح ان کو بمشکل بچایا ۔ اس کو کہتے ہیں محبت ، اور یہ ہے اسلام ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم بھی اللہ اور رسول کی محبت کا نام لیں ۔ پھر یہ اپنے گاؤں چلے گئے یہاں کوئی یہ شبہ کر سکتا ہے کہ دین تو مشکل اس وقت تھا جیسا کہ ان شواہد سے معلوم ہوا ۔

پھر یہ بات کیسے صحیح ہوئی کہ آجکل دین کی گرانی ہے دین کی گرانی تو اس وقت تھی ۔ اس کے جواب کے لئے ذرا سی سائنس دانی کی ضرورت ہے وہ یہ کہ سائنس کا اصول ہے کہ جب کسی کا محبوب

سامنے ہوتا ہے تو اس کو قوت رہتی ہے وہ اسی قوت کی وجہ سے بہت سے موانع کو دفع کر سکتا ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں یہ بات موجود تھی یہ کتنی بڑی بات تھی کہ ہمارے سر پر ہمارے پیغمبر موجود ہیں اس قوت کی وجہ سے موانع کا اثر کم ہو سکتا تھا تو اس وقت حضور ﷺ کے وجود سے اس وجہ سے موانع کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔

دوسرے اس وقت صرف بیرونی موانع تھے اندرونی موانع نہ تھے اور اس وقت میں قسم قسم کے دواعی شر کے موجود ہیں اغیار تو باعث شر کے ہوتے ہیں اپنے بھی داعی شر ہیں بلکہ کفار سے آجکل صرف ضرر ظاہری ہے اور جو کفار مہذب ہیں ان سے ضرر ظاہری بھی نہیں ہے۔ وہ زبان سے بھی کہتے ہیں کہ مداخلت مذہبی نہ کریں گے اور برتاؤ میں بھی ان کے تہذیب ہے، دل آزاری بھی پسند نہیں کرتے وہ کسی طرح بھی مخل فی الدین نہیں ہیں۔

اغیار سے اتنا شر نہیں جتنا اپنوں سے ہے

آجکل زیادہ مخل فی الدین وہ لوگ ہیں جو اغیار نہیں سمجھے جاتے۔ وہ اس قدر داعی الشر ہیں کہ خدا کی پناہ کسی کو کھلم کھلا وہ شر کی طرف بلاتے نہیں۔ مگر کتابیں اسطرح کی تیار کر دی ہیں جو کھلم کھلا بلانے سے بہت زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ بس وہ اپنا کام کر رہی ہیں۔ اس اثر سے عوام کی آجکل وہ حالت ہے کہ صبح کو کچھ شام کو کچھ کسی کو اپنے ایمان پر بھروسہ نہیں رہا۔

یصبح الرجل مؤمنا و یمسی کافرا ۔ اور سبب اس زہریلے اثر کا دین کی ناواقفی ہے۔ اور دین سے اس ناواقفی کے بہت سے اسباب موجود ہیں مثلاً یہ کہ مسلمان عام طور سے معاش کی تعلیم وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اتنی فرصت ہی نہیں کہ دین کی طرف توجہ کریں پھر مذہب کی کیا خبر۔ اور اس میں بھی چنداں مضائقہ نہ ہوتا۔ اگر ذہن میں یہ بات رہتی۔ کہ ہم دنیا دار ہیں مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دین سے مس نہ رہنے کے اپنے آپ کو دیندار سمجھتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کی رہبری کے لئے تیار ہیں۔ اس وقت میں مسلمانوں کو مسلمانوں ہی سے زیادہ ضرر پہنچ رہا ہے۔ یہ لوگ اس قدر آزاد ہیں جن پر مسلمان ہونے کا اطلاق ہونا بھی مشکل ہے۔

ایک ملحد کا قصہ

ہمارے نواح میں ایک قصبہ کا واقعہ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص ایک بار کہنے لگے کہ میں محمد

صاحب کی بہت قدر کرتا ہوں اپ بڑے ریفارمر تھے اور بہت اصلاح قوم کی کی ۔ رہی نبوت سو وہ صرف ایک مذہبی خیال ہے۔ مسلمانوں نے خوش عقیدگی کی وجہ سے مان لیا ہے بتایئے ایسے شخص کے کفر میں کیا شبہ ہے یا اسلام ایسی چیز ہے کہ کسی طرح جا ہی نہیں سکتا کفر کے عقیدے دل میں رکھو اور کلمات کفر زبان سے بکو اور اسلام ہے کہ اس میں فرق ہی نہیں آتا۔

حضرت اسلام خداوند تعالیٰ سے ایک خاص تعلق کا نام ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ بے نیاز ہے اس کو زبردستی تعلق قائم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں جو ذرا سا بھی بڑا ہے وہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ سے کوئی تعلق قطع کرے اور خدا تعالیٰ اس سے زبردستی، جوڑتے پھریں۔

اگر مرنے کھپنے پر بھی بندہ کے تعلق کو خدا تعالی منظور فرمالیں تو زہے قسمت اور زہے عنایت ہے سو اس قسم کے کلمات بکنے سے یقیناً اسلام جاتا رہتا ہے اور غضب یہ ہے کہ اس شخص کے نکاح میں ایک مسلمان عورت ہے نکاح کسی طرح قائم نہیں۔ اور جھڑا جھڑ بچے بے نکاح ہو رہے ہیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کا نام لگ جانے سے عوام الناس میں ایسے لوگوں کی عزت ہو جاتی ہے اور ان کا اثر پڑتا ہے بتایئے کہ اتنا نقصان مسلمانوں کو غیر قوم سے پہنچ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اب مولوی جو اس تعلیم سے منع کرتے ہیں۔ تو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ صاحب دنیاوی تعلیم میں کیا حرج ہے۔ مگر جو نتائج ظہور میں آرہے ہیں ان کو بغور دیکھئے

جدید تعلیم کے متعلق ایک قصہ

بریلی کا ایک لڑکا میرے سامنے لایا گیا۔ کہ اس کو ذرا نصیحت کر دیجئے یہ نماز نہیں پڑھتا میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اس نے کہا کہ سچ ہی کہہ دوں میں تو خدا تعالی کے وجود ہی کا قائل نہیں یہ کہا اور کہہ کر رو دیا اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ سے مواخذہ ہوگا کہ مجھے علم دین نہیں پڑھایا اور نہ نیک صحبت کی طرف کبھی توجہ دلائی۔

گورنمنٹ کالج کو ترجیح

یہ لڑکا ایک اسلامی کالج میں پڑھتا تھا۔ اب دیکھئے اس کی کیا کیا حالت ہے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس کو اس کالج سے نکال کر گورنمنٹ کالج میں بھیجئے وہاں یہ اتنا خراب نہ ہوگا جتنا کہ یہاں

ہوا۔ کیا انتہاء ہے کہ گورنمنٹ کالج کو ترجیح دینی پڑی اس کالج پر جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا ہے۔ اور جس پر لوگ ہم سے لڑتے ہیں کہ اس کالج کو علماء برا کہتے ہیں دیکھئے یہ اثر آپ کے نزدیک برا ہے یا نہیں کہ گورنمنٹ کالج کو ترجیح دینی پڑی اس کالج پر جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا ہے گورنمنٹ کالج میں یہ اثر نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس میں ہندو بھی ہوتے ہیں جب وہ قوم اجنبی ایک جگہ رہتی ہیں تو دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ اس مقابلہ میں مذہبی پختگی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہاں ایک قوم ہے کوئی ایک دوسرے کا مقابل نہیں ہے اس لئے خوب آزادی ہے۔

اور مذہبی امور کی طرف کسی کو توجہ ہے نہیں حمیت پیدا نہیں ہوتی اور وہاں اس قدر خرافاتیں ہوتی ہیں کہ بات بات میں کفر کی نوبت آتی ہے۔

اصرار علی المعصیت کے متعلق ایک قصہ

ایک دفعہ چند شریر لڑکے اکٹھے ہوئے داڑھی منڈواتے تو سب ہی ہیں مگر جہل کو مرکب بنایا اور معصیت کو کفر تک پہنچایا اسطرح کہ ایک لڑکا داڑھی نہیں منڈاتا تھا۔ اس کو کہہ سن کر داڑھی منڈانے پر راضی کیا اور ایک بکرا منگایا۔ پھر لڑکوں میں اعلان کیا کہ آج فلاں کمرے میں عقیقہ ہوگا۔ جب سب جمع ہو گئے تو ایک باپ بنا اور اس لڑکے کو بیٹا بنایا اور اس کو سب کے بیچ میں بٹھا کر داڑھی منڈوا دی اور اس پر خوب قہقہے مارے اور بکرا ذبح کر کے کھانا کھایا گیا یہ ایک بہت ادنی حرکت ہے مگر اس کی حقیقت یوں معلوم ہوسکتی ہے کہ گورنمنٹ کے کسی حکم کے ساتھ اس کا نصف معاملہ کر کے دیکھو بغاوت ہوتی ہے یا نہیں پھر حق تعالی کے احکام کے ساتھ یہ بغاوت کیسے نہیں ہے۔ اس بغاوت ہی کو شریعت کی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں عدالت میں اگر کوئی حکم حاکم سنا دے اس پر ذرا ہنس دیجئے کوئی کلمہ بھی منہ سے نہ نکالئے۔ مگر دیکھئے اسی وقت توہین میں چالان ہوتا ہے یا نہیں حضرات مسلمانوں کی یہ نوبت ہے یہ ہیں وہ مضرتیں جو قوم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہنچ رہی ہیں اور غیر قوموں سے یہ نقصان نہیں پہنچتے۔ غرض وہ لڑکا گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا ایک سال کے بعد اس کی حالت یہ ہوئی کہ خدا کا بھی قائل تھا اور رسول کا بھی قائل تھا۔ اور نماز کا پابند تھا۔

بچوں کو علم معاش میں منہمک نہ کرنا چاہیے

بات یہ ہے کہ لوگ بچوں کو ابتداء سے فکر معاش میں اس طرح ڈالتے ہیں کہ بالکل اس میں

منہمک کر دیتے ہیں اگر کتابی تعلیم دین کی نہیں ہو سکتی تو زبانی تعلیم تو ممکن ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کرتے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ بچوں کو نماز سکھلائی جائے۔ دین کے ارکان ان کو سنائے جائیں اس میں تو ان کو کچھ محنت نہیں پڑے گی۔ اور کچھ وقت بھی زیادہ خرچ نہ ہوگا۔ اگر بڑوں کو خیال ہو تو دین کے تمام ضروری اصول و فروع ان کو سکھاتے ہیں مگر یہ سب کچھ جب ہی ہو جب کہ دین کی پرواہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ دین کی کسی کو پرواہی نہیں چھوٹوں کو یہ عذر ہے کہ بڑوں نے ہم کو اسطرف نہ لگایا اور بڑوں نے یوں دل کو سمجھا لیا ہے کہ علم معاش سے فرصت نہیں ہے۔ کیوں صاحبو! قانون کی ضروری باتیں بچوں کے کان میں کیسے پڑ جاتی ہیں کسی بچہ کو ہم نے یہ نہ دیکھا کہ علم معاش میں منہمک ہو کر اسے یہ معلوم نہیں ہے اور قانونا جرم بھی ہے اس سے جیل خانہ پہنچ جانے کا اندیشہ ہے میں انہیں مربی سے پوچھتا ہوں کہ اسی بچہ نے جب نماز نہیں پڑھی تو کیوں نہیں ٹوکا کیا اس کا ان کے پاس کوئی جواب ہے۔ بس اصل یہ ہے کہ دین کی پرواہ نہیں اس کا نتیجہ آنکھ میچنے پر معلوم ہوگا۔ دین کو ایسا چھوڑا ہے کہ اس کا نام ہی آنا غضب ہے۔ اس کا نام آیا اور سو حیلے کھڑے ہوئے۔

موجودہ تعلیم صرف غافل ہی کرنیوالی نہیں بلکہ دین کو برباد وغارت کرنے والی ہے

تعلیم معاش پر ہماری اول تو یہی شکایت تھی کہ اس میں انہماک افراط کے درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ جس سے دین سے بے خبری ہوگئی ہے۔ اور دوسری شکایت یہ ہے کہ وہ صرف دین سے غافل کرنے والا ہی نہیں بلکہ دین سے مخالف بنانے والا بھی ہے۔ غرض ہر چہار طرف سے دین سے غفلت ہے اور دین کو بگاڑنے کے سامان جمع ہیں۔ جب یہ حالت ہے کہ دین کے ممد اسباب تو موجود نہیں اور دین کے مخالف اسباب موجود ہیں تو یہ زمانہ دین کی گرانی کا زمانہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں تھوڑی چیز بھی بہت سمجھی جاتی ہے۔ لہذا اس وقت دین کی قیمت خدائے تعالی کے یہاں بہت ہے یہ مضمون اس حدیث سے نکلتا ہے۔ جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ اب زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی مامور بہ میں دسویں حصہ کی بھی کمی کرے تو ہلاک ہو جائے اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اگر کوئی مامور بہ کا دسواں حصہ بھی بجالائے گا وہ نجات پا جائے گا۔ اس حدیث کا مضمون کافی طور سے بیان ہو چکا اور اس مضمون کی

تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ ثم یاتی زمان القابض علے الدین کالقابض علے الجمر او کما قال۔ دیکھ لیجئے آجکل کوئی شریعت پر عمل چاہتا ہے تو ضرور رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں عقائد سے تو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ کیونکہ عقیدہ فعل قلب ہے وہاں اعمال میں روکا ٹیں ہیں۔

اصلاح معاملات زیادہ مشکل ہے

خصوصاً معاملات میں کہ پچاس میں ایک بھی معاملات میں عامل بالدین نکلنا مشکل ہے اور معاملات میں رکاوٹیں اعمال سے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمل پھر بھی شخص واحد کا فعل ہے آدمی تنہا اپنے اختیار سے کر سکتا ہے اور معاملات وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق دوسرے سے ہوتا ہے جب تک کہ دونوں باہمت اور پکے نہ ہوں معاملہ کی اصلاح کیسے ہو مذاق عام طور سے بگڑے ہوئے ہیں۔ اگر ایک شخص اصلاح معاملہ کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا پکا نہیں ہوتا۔ اور آج دن مجھ سے ہو اس کو بھی بگاڑ لیتا ہے۔ بس اسی طرح سے ایک سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا متاثر ہو کر سب ایک بلائے عام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ سب کے معاملات بگڑ گئے ہیں۔ اور مسائل شرعیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بہت تنگ ہیں۔

احکام شریعت تنگ نہیں تنگی رواج سے پیدا ہوئی ہے

حالانکہ تنگی خود پیدا کر لی ہے۔ جب ایک بات کا رواج سب مل کر چھوڑ دیں تو اس کے کرنے میں تنگی ہو ہی جاتی ہے۔

مثلاً اب رواج پڑیا کا ہو گیا اب لوگ پرانے زمانہ کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ پہلے رنگ کی بہت تکلیف تھی۔ کسم بھگویا جاتا تھا۔ اور کئی کئی روز تک ٹپکایا جاتا تھا۔ اور بڑے اہتمام کرنے پڑتے تھے جب کپڑے رنگے جاتے تھے اب ان کو اس طریقہ سے رنگنا دشوار نظر آتا ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی دشوار ہے۔ بلکہ رواج چھوٹ گیا ہے۔ صرف اس وجہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے ورنہ پہلے زمانہ میں رنگتے ہی تھے پہلے تو کچھ بھی دشواری نہ معلوم ہوتی تھی۔ غرض جس ایک کام کو عام طور سے آدمی کرنے لگیں وہ کیسا ہی مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے اور اگر آسان سے آسان کام کو بھی چھوڑ دیں تو مشکل ہو جاتا ہے۔

رواج سے برائی چھپ جاتی ہے

اور جس کام کی عادت ڈال لیں خواہ وہ کیسا ہی برا ہو اس کی برائی نظر سے چھپ جاتی ہے۔

جیسا ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ وزیر نے پیشن گوئی کی کہ کل کو ایسی بارش ہوگی کہ جو شخص اس کا پانی پیوے گا وہ پاگل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے برتنوں میں پانی بھروا کر رکھ لیا اگلے دن بارش ہوئی تمام لوگوں نے اس کا پانی پیا سب کے سب پاگل ہو گئے بادشاہ اور وزیر نے جو پانی پہلے سے بھروا کر رکھ لیا تھا وہ پیا اس لئے وہ جنوں سے محفوظ رہے۔ اب لوگوں میں جلسے ہونے شروع ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر پاگل ہو گئے ہیں ان کو معزول کر دینا چاہئے بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے وزیر نے کہا کہ تدبیر یہی ہے کہ ہم بھی بارش کا پانی پی لیں۔

غرض بادشاہ اور وزیر نے بھی وہ پانی پی لیا اور جیسے اور پاگل تھے ویسے ہی وہ بھی ہو گئے۔ اب لوگوں میں یہ جلسے ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر اچھے ہو گئے اب ان کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں تو جیسے ان پاگلوں نے بادشاہ اور وزیر کو اپنی طرح نہ ہونے کی وجہ سے پاگل سمجھا تھا اسی طرح اب بددین لوگ دینداروں پر ہنستے ہیں۔ کیونکہ بددینی کا مذاق غالب ہو گیا ہے اس کی برائی ذہن سے جاتی رہی ہے اور دینداری کم رہ گئی ہے۔ اگر کسی میں وہ ہے بھی تو ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ریل کے معاملات میں بعض دفعہ مشاہدہ ہوا کہ حقوق ادا کرنے والے پر لوگ ہنستے ہیں۔ حالانکہ ادائے حقوق جملہ عقلاء کے نزدیک بھی اور شرعاً بھی مستحسن ہے اور اس کی ضد بالاتفاق قبیح ہے مگر طبائع میں خیانت اور حق تلفی کا مادہ غالب ہو رہا ہے۔ اس واسطے ادائے حقوق پر بھی تعجب ہوتا ہے۔

ایک دیندار کا قصہ

ایک ڈپٹی صاحب ہیں جو بہت دیندار ہیں وہ اپنے ایک لڑکے کا ٹکٹ لیتے تھے اور گھر والوں سے اس کی تحقیق کر رہے تھے کہ اس کی عمر کیا ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کی اتنی عمر ہے جس پر ٹکٹ پورا لگنا چاہئے۔ آس پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ سب ہنس رہے تھے کہ دیکھو اس بچہ پر آدھا ٹکٹ بھی کھپ سکتا تھا۔ اگر آدھا ٹکٹ لیتے تب بھی کوئی نہ ٹوکتا یہ خود ہی اپنا پیسہ پھینکتے ہیں۔

ایک اور دیندار کا قصہ

ایک اور شخص بی۔ اے ہیں وہ ریل میں سوار ہوئے وقت کم تھا اسباب تلوا نہ سکے جہاں اترے وہاں انہوں نے کہا اسباب تول لو۔ بابو نے دیکھا اور کہا جاؤ لے جاؤ۔ انہوں نے کہا نہیں اسباب

زیادہ ہے۔ خدا جس سے نیکی دے ایسے ہی ہوتے ہیں۔)ان کی وضع قطع سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں۔ اس لئے اسٹیشن ماسٹر اور وہ بابو انگریزی میں آپس میں گفتگو کرنے لگے ایک نے دوسرے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے اس کے نشہ میں ہے۔ انہوں نے کہا جناب میں شراب پئے ہوئے نہیں ہوں میں مسلمان ہوں۔ مذہب اسلام میں حق تلفی جائز نہیں۔ محصول لے لیجئے بابو نے کہا کہ جاؤ جی ہم کو فرصت نہیں (عجیب بات ہے کہ چھپے ہوئے کو تو پکڑتے ہیں اس واسطے چلتی گاڑی میں بھی گشت کرتے ہیں۔ اور محصول دے رہے ہیں اور نہیں لیتے۔)

اب انہیں فکر ہوئی کہ آخر میں کیا کروں میں محصول دے رہا ہوں اور یہ لوگ نہیں لیتے مگر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا فوراً سمجھ میں آ گیا۔ بس حساب کیا کہ کتنا محصول واجب ہے، اتنی رقم کا ایک ٹکٹ کیسی اسٹیشن کا لے کر پھاڑ دیا۔ اس طرح کرایہ ادا ہو گیا۔ یہ خدا کا خوف تھا۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبائع میں بالکل انقلاب ماہیت ہو گیا ہے اور یہ اگر چہ .... برا ہے لیکن اس کے عام ہو جانے سے اس کی برائی نظروں سے اٹھ جاتی ہے۔ بلکہ بجائے برائی کے رواج عام ہو گیا ہے جس سے اس کی بھلائی ذہنوں میں آ گئی ہے۔ پھر ایسے فعل پر عمل کیسے ہو۔ جس کے مقابل کی بھلائی ذہنوں میں موجود ہے یہ دشواریاں ہیں جس کی وجہ سے دین پر قائم رہنے والے کو چنگاری کے ہاتھ میں لینے کے ساتھ حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے۔

زمانہ عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے

لیکن جسطرح عمل اس وقت میں دشوار ہے اسی طرح (میں بشارت سناتا ہوں آپ کو کہ) اس وقت عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ کہ ایسے وقت میں ایک عمل کرنے والے کو ثواب پچاس آدمیوں کا ملے گا۔ صحابہ نے سوال کیا ان میں کے پچاس کا یا ہم میں کے پچاس کا (ان کے پچاس ہوں گے تو سارے نکمے ہوں گے) جواب میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں کے پچاس کا۔ دیکھئے کتنی بڑی بات ہے اس حدیث کے بموجب اس وقت ایک عمل کا ثواب حضرت ابوبکرؓ کے پچاس عمل کے برابر ملتا ہے۔ کتنی بڑی فضیلت ہے یہ اور بات ہے کہ ان کا ایک ہی حصہ ہمارے پچاس سے کیفاً بڑھا ہوا ہو۔

صحابہ کے اعمال ہم سے ضرور بڑھے ہوئے ہیں ان کا ایک اور ہمارے سو بھی برابر نہیں ہو سکتے

حدیث میں موجود ہے لو انفق احد کم مثل الاحد ذھبا مابلغ مد احد ھم و لا نصیفه او کما قال یعنی اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دیگا تو صحابی کے ایک مد (مد دہلی کے تول کے اعتبار سے تقریباً ایک سیر کا ہوتا ہے) یا اس کے نصف کے برابر بھی نہ ہوگا۔ ہمارے اعمال کیسے بھی ہوں لیکن ان میں وہ چیز نہیں جو صحابہؓ کے اعمال میں تھی ان میں روح بھری ہوئی تھی اور ہمارے اعمال میں صرف صورت ہے اور کسی کے عمل میں روح ہو بھی تب بھی ان جیسی روح نہیں ہے۔

خیر! پچاس تو ہیں گو وہ پچاس ایک کے بھی برابر نہ ہوں ہم صحابہ جیسے تو بن نہیں سکتے تا ہم ان کی نقل تو کر سکتے ہیں ہماری نماز نقل بھی ہوتی تو قدر سے دیکھی جاتی مگر کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے نماز کو غارت ہی کر دیا ہے نہ اس میں روح ہے نہ صورت۔ اگر پڑھتے ہیں تب بھی کسی کام کی نہیں ہوتی۔ چہ جائے کہ پڑھیں بھی نہیں۔ ان ہی حالات کی وجہ سے فرماتے ہیں اقیموا الصلوۃ یعنی نماز کو درست کرو صرف پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ بلکہ درست کر کے ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

نماز کی درستی ادائے حق نماز ہے

درست کرنا کیا معنی۔ درست کرنا یہ ہے کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں۔ سو ان حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس پر پابندی ہو میں نے اس واسطے اس بیان کو چھیڑا کہ یہاں میں نماز کی پابندی نہیں ہے اول تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو گنڈے دار، اور اگر کوئی پابند بھی ہے تو بہت سے بہت یہ کہ وقت کے اندر ادا کر لیتے ہیں۔ جماعت کی پابندی نہیں کرتے حالانکہ یہ سب ضروری باتیں ہیں اور اگر کوئی اس کا بھی پابند ہے تو صرف اس کی ذات تک وہ پابندی محدود ہے گھر میں دوسروں کو تاکید نہیں کرتے۔

صاحبو! خود بھی پابندی کرو اور عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھواؤ ان کا سوال بھی تم سے ہوگا۔ سب سے پابندی کے ساتھ پڑھواؤ کسی کی نماز بھی گنڈے دار نہ ہو۔

حکایت۔ ہمارے یہاں ایک مولانا شیخ محمد صاحب تھے ایک دفعہ چاند ہوا گاؤں کے لوگ ان کے سامنے گواہی دینے کے لئے آئے انہوں نے ایک شخص سے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتے ہو۔ کہا ایک دفعہ مولویوں نے بہت غل مچایا تھا اور سب لوگوں نے ایکا کر لیا تھا کہ جو کوئی نماز نہ پڑھے گا اس کے جنازہ کی

نماز نہ پڑھی جائے گی۔ جب تو ہم نے نماز پڑھی تھی۔ پھر تو ہماری توبہ ہے دیہات میں یہی حالت ہے (توبہ، توبہ) بعض لوگ نماز کو منحوس سمجھتے ہیں خیر ایسوں نے تو اگر کسی کے دباؤ سے نماز پڑھ بھی لی تو نمازیوں میں ان کا شمار نہیں۔ کیونکہ دل میں نماز کے قائل تک نہیں۔ میرا خطاب اس وقت ان لوگوں سے ہے جو نماز کے قائل ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ان کو تو چاہئے کہ نماز کو نماز کی طرح پڑھیں۔ یعنی ایک تو یہ کہ پابندی ہونی چاہئے۔ اور یہ کہ وقت کا خیال رہے۔ بعض لوگ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں کہ جب سب کاموں سے نمٹ جائیں سورج ڈوب رہا ہے۔ اور یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اس کی وجہ کچھ تو سستی اور لاپروائی ہے اور کچھ یہ ہے کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ابھی پھر مغرب کی نماز پڑھنا ہے دو، دو، دفعہ کام کا حرج کون کرے۔ ایک دفعہ ہی نمٹ کر دونوں پڑھ لیں گے

صاحبو! موٹی سی بات ہے کہ دونوں نمازوں میں جتنی دیر لگتی ہے دونوں کو جمع کر کے پڑھو تب اور دونوں کو علیحدہ پڑھو تب، ہر حالت میں اتنی ہی دیر لگے گی۔ مثلاً پانچ پانچ منٹ دونوں میں لگتے ہیں تو اگر دونوں کو جمع کر کے پڑھو تو بھی دس ہی منٹ کا ہرج ہوگا۔ اور اگر دونوں کو الگ الگ اپنے اپنے وقت پر پڑھو گے تو گو پانچ پانچ منٹ کر کے دو دفعہ ہرج ہوگا۔ مگر ہوگا تو وہی دس منٹ کا تو اگر کام کو چھوڑ کر وقت پر نماز پڑھ لو گے۔ تو نماز بھی ٹھیک ہو جائے گی اور ہرج بھی اتنا ہی ہوگا۔ پھر یہ خیال کیسے ٹھیک ہے کہ دو، دو، دفعہ ہرج کون کرے دو، دفعہ کرنے میں ہرج بھی تو آدھا آدھا ہونا ہے۔ اسی طرح ایک حق یہ ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک کرو۔ نیز جو تسبیح واذکار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ سب کسی کو سنالو نیز قرآن شریف بھی صحیح کرو۔ اور اگر شین، قاف نہ نکلے زیر، زبر کی تو غلطی نکال لو۔ نیز خود بھی پڑھو۔ جورو بچوں کو بھی پڑھاؤ ان کے اوپر حق تعالیٰ نے تم کو حاکم کیا ہے جیسے دنیا کے کام ان کو سکھلاتے ہو دین کے بھی سکھلاؤ۔ ورنہ تم سے باز پرس ہوگی۔ پھر جن پر قدرت ہے ان میں سے جو کوئی نماز نہ پڑھے اس پر سختی کرو کوئی سزا مقرر کرو جرمانہ تو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں اور طرح سے اس کے ساتھ سختی کرو۔ مثلاً یہ کہ اس کو اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاؤ ایک ہی دفعہ میں عقل سیدھی ہو جائے گی۔

نماز نہ پڑھنے پر سزا مقرر کرنا

اور میں خود اسی شخص سے کہتا ہوں کہ نماز برادری والوں کا یا محلہ والوں کا تو کام نہیں۔ خدا

تعالیٰ کا کام ہے اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ جس شخص کی نماز فوت ہوتی ہو اس کو چاہئے کہ خود اپنے اوپر یہ سزا مقرر کر لے کہ جس دن نماز قضا ہو جائے کھانا نہ کھائے ایک وقت یا چند وقت ایسا کرے آپ ہوش درست ہو جائیں گے۔ اور نفس قابو میں آ جائے گا۔

اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایک وقت نہ کھانے سے یا چند وقت نہ کھانے سے مریگا نہیں یہ بات طباً ثابت ہے کہ آدمی کئی کئی دن تک فاقہ کرنے سے مر نہیں سکتا۔ غرض ہمت کر کے کام کرو۔

اور بے ہمت تو لقمہ بھی منہ میں نہیں جاتا یہ تو بیان ہوا **اقیموا الصلوۃ** کا اور اس میں خلاف ارادہ طول ہو گیا۔ خیر اس سے بھی کچھ نفع ہی ہو گا ان شاء اللہ۔ آگے فرماتے ہیں **ولا تکونوا من المشرکین**۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے حکم میں اور اس نہی میں جوڑ کیا ہے۔

بے نمازی کی تشبیہ مشرک سے

اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے۔ مگر نماز نہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ روکتے تھے۔ اور نماز پڑھنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے سو وہ حج کے تو خلاف نہ تھے۔ لیکن نماز کے بالکل خلاف تھے۔ اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے حج نہ کرتے تھے۔ اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے اور یہاں آیت میں بے نمازی کو مشرک سے تشبیہ دی گئی اور گو یہ دونوں فرقے ہیں کافر۔ لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ موحد تو ہیں گو ان کی توحید کارآمد اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو نماز کا ترک کرنا دوسرے عبادات کے ترک سے زیادہ برا ہوا پس مطلب یہ ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو اب رہا یہ کہ آیت میں **اقیموا الصلوۃ** پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمان بے نمازی سے نفرت پیدا ہو۔ کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کو شرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ توحید ہر شخص کو محبوب ہے۔ اور توحید کی ضد مبغوض ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو تو اس لفظ سے وحشت ہوگی۔

یہ ایسا ہے جیسے کہ کہا جائے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت اختیار کرنا بغاوت سے بچنا ہے اور ترک عبادت بغاوت ہے۔ ایسے ہی نماز پڑھنا شرک سے بچنا ہے۔

اور نہ پڑھنا مشرک بننا ہے۔ گواس کے یہ معنی نہیں کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کافر ومشرک ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل مشرکوں کا سا ہے۔

من ترک الصلوۃ متعمداً کے معنی

جیسے حدیث میں وارد ہے۔ **من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر ای عملاً**۔ یعنی کام کافروں کا سا کیا جیسے کہتے ہیں کہ فلانا چمار ہو گیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی چمار ہو گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چماروں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک فرمانا بمعنی حقیقی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی ہو۔ لفظ نہایت موحش ہے مشرک سے برا کوئی نہیں۔ اس واسطے اللہ تعالی نے نفرت دلانے کے لئے **اقیموا الصلوۃ** کے ساتھ **ولا تکونوا من المشرکین** ۔ بھی پڑھا دیا۔ کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مشرک بننا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔

کیونکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ تو وجہ شبہ مشبہ بہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ خواہ زیادتی کسی حیثیت سے ہو مثلاً کہتے کہ زید شیر ہے یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زیادہ ہے ایسے ہی جب ترک نماز کو مشرک بننے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

شرک کی برائی

تو یہ بات مسلم ہوئی کہ شرک ترک نماز سے بھی زیادہ برا ہے۔ تو شرک کس قدر بری چیز ہوئی دیہات میں شرک بھی کثرت سے ہے۔

خصوصاً عورتوں میں شرک کا اثر بہت ہے۔ مسلمانوں کے گھروں میں یہ بلا ہے کہ دیوی اور سیتا کو پوجتی ہیں۔ کسی کے چیچک نکلتی ہے تو اس سے ڈرتی ہیں۔ اور اس کو متصرف چیز سمجھتی ہیں۔ اور سیتلا کی پوجا کرتی ہیں یہ کیا خرافات ہے۔ جیسے اور مرض ہیں ایسے ہی چیچک بھی ہے۔ اور مرضوں کو کیوں نہیں پوجتے اور مسلمان کے نزدیک تو کوئی باارادہ اور موثر چیز بھی خواہ وہ کتنی ہی بڑی با تصرف کیوں نہ ہو۔ پوجنے کے قابل نہیں ہوسکتی۔

مسلمان کے نزدیک تو پوجنے کے قابل بس ایک خدا ہے اسی کا اس کو خوف ہوسکتا ہے۔

اور اسی سے امداد چاہ سکتا ہے اس کے سوا اور کوئی چیز مسلمان کی نظر میں قابل خوف اور قابل استعانت نہیں تمام دنیا خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی ہی بندی ہے جیسے ہم ہیں پھر ہم کو اپنے جیسے عاجزوں کا کیا خوف مگر جہالت نے راہ مار رکھی ہے ۔ فرضی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں ہندوؤں کے مندروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ۔ اور ہیں مسلمان ۔

دن وغیرہ کا منحوس سمجھنا اور شگون لینا

اور شرک کے اور بھی شعبے ہیں ۔ مثلاً بعض لوگ کسی دن کو منحوس سمجھتے ہیں یا اور کسی چیز کو منحوس سمجھتے ہیں ۔ بعض لوگ شگون لیتے ہیں ۔ اور بعض سمجھتے ہیں کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں ۔ کوئی بیمار پڑتا ہے تو کہتے ہیں شہید مرد آ گئے اور انکے چڑھاوے چڑھاتے پھر ان شہید مرد صاحب سے غیب کی باتیں پوچھتے ہیں ۔

شہید مردوں کا لپٹنا

اول تو یہی غلط ہے کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں ۔ شہیدوں کو نعم آخرت کے سامنے اس کی کیا ضرورت ہے کہ دنیا میں آئیں اور آئیں بھی کا ہے کے لئے لوگوں کو ستانے کیلئے ۔

جنھوں نے اللہ اور رسول کے حکم پر گردنیں کٹوا دیں ہیں وہ اس گناہ کے مرتکب ہوں گے ۔ کہ خلق خدا کو ستاتے پھریں یہ تو صریح اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہے اور معمولی گناہ نہیں ہے ۔ بلکہ بہت سخت گناہ ہے کیونکہ حق العبد ہے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا ۔

ان کی نسبت یہ خیال جنھوں نے اللہ کے لئے گردنیں کٹوائیں ہیں کس قدر لغو خیال ہے ۔ اور ان کو عالم الغیب سمجھنا یہ دوسری غلطی ہے کیا شہید ہو جانے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے ۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** شریعت نے ان باتوں کو رد کیا ہے شہیدوں کا لپٹنا جس کو کہتے ہیں ۔ صرف یہ شیطانی اثر ہے وہ کبھی شہید بنتا ہے اور کبھی کوئی مشہور نام لے دیتا ہے کہ میں شیخ سدو ہوں یا فلانا ہوں مسلمان کو بڑا پکا ہونا چاہئے شیاطین کا کیا ڈر یہ سب شرک کی باتیں ہیں ۔ مرد اور عورت سب اسمیں مبتلا ہیں ۔

صاحبو! ہمارے حالات کس قدر ابتر ہیں ۔ دین کا کوئی جزو بھی باقی نہیں عقائد کی تو یہ حالت اور اعمال کو دیکھئے کہ جو فعل اول اعمال ہے ۔ یعنی نماز علی العموم وہ بھی متروک ہے ۔ مسلمانوں کی بستی ہے

اور مشکل سے دو چار نمازی نکلتے ہیں ہر کام میں حکم اکثر پر ہوتا ہے مسلمان آدھے سے زیادہ نمازی ہوئے تو کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن ادھے سے کم بھی نمازی نہیں فیصدی دو چار بھی مشکل سے نمازی نکلتے ہیں تو بروئے قاعدہ مذکورہ یعنی للا کثر حکم الکل یہ کہنا صحیح ہوگا۔ کہ مسلمان بے نماز ہیں نماز کی تو یہ حالت ہوئی ایک عمل روزہ ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس کی طرف سے بعض جگہ اس قدر جہالت ہے کہ بعض عورتوں نے سنا بھی نہیں کہ روزہ بھی مسلمانوں کے یہاں کوئی چیز ہے۔ جب ان روزمرہ کے اعمال کی یہ حالت ہے تو ان اعمال اسلام کی نسبت کیا کہا جائے جن کا کوئی معین وقت نہیں جیسے زکوۃ اور حج اعمال کی یہ حالت یہ ہے۔

معاشرت بھی جزو دین ہے

اور ایک جزو دین کا معاشرت ہے اس میں تو نہ صرف جہالت ہے بلکہ شرعی معاشرت کے مقابلہ میں ایک دوسری معاشرت کھلم کھلا موجود ہے چوکا دیتے ہیں۔

ہندوانی برتن اور لباس وغیرہ کا استعمال

پیتل کے وہ برتن جو ہندوؤں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مسلمان رکھتے ہیں جیسے لوٹیا وغیرہ عورتیں لہنگا پہنتی ہیں۔ پیٹ اور دوسرے وہ اعضاء جو ستر میں داخل ہیں کھلے رہتے ہیں شادی بیاہوں میں ہندوؤں کی رسمیں کرتے ہیں۔ جیسے کنگنا باندھنا وغیرہ تمام معاشرت بالکل ہندوؤں جیسی ہے۔

دھوتی باندھنا

دھوتی باندھتے ہیں۔ بعض دھوتی باندھنے والے نماز کے وقت دھوتی کو پیچھے سے کھول لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب تو کچھ حرج نہیں رہا میں کہتا ہوں اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ باندھنے والے خود بھی دھوتی کو برا جانتے ہیں جب ہی تو نماز کے وقت اس کے کھولنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے۔

پھر صاحبو! جب برا جانتے ہیں تو بجائے دھوتی کے لنگی اور پائجامہ پہنو کھیت کیار کے کام سب ہماری طرف بھی ہوتے ہیں اور پھر ہماری طرف اکثر لوگ لنگی اور پائجامہ پہنتے ہیں۔ دھوتی بہت کم لوگ باندھتے ہیں اس کی جتنی ضرورتیں بتلائی جاتی ہیں وہ سب خیالات ہیں۔ بس رواج اور رسم ہے میں کہتا ہوں

بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم نے تو کثرت سے ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں بھلا ہندوؤں نے بھی کوئی رسم ہماری لی ہے۔ قطع نظر گناہ سے غیرت بھی تو کوئی چیز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہندوؤں میں سے کوئی خاص شخص مسلمانوں کی کوئی عادت اختیار کرے۔ مگر ساری قوم میں کوئی رسم ہماری نہیں پھیلی اور ہمارے یہاں ان کی رسمیں ساری قوم میں موجود ہیں۔ حالانکہ مشرکین کی کوئی بات بھی نہیں لینا چاہئے۔

ہمارے اسلام میں اپنی عادات اور تعلیمات بہت کافی اور سب سے اچھی موجود ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کی معاشرت لیتے پھریں۔ اور معاشرت دین سے کوئی الگ چیز نہیں ہے وہ بھی دین کا ایک جزو ہے کیونکہ دین کے پانچ جزو ہیں۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ معاشرت۔ اخلاق پانچوں جزو کسی کے اندر پورے ہوں تب اس کو دیندار کہیں گے۔

دیکھئے حسین وہ شخص ہے جس کا چہرہ بھی ٹھیک ہو آنکھیں بھی ٹھیک ہوں قد بھی ٹھیک ہو اگر ایک بات میں بھی کمی ہو اور ذرا سا بھی عیب ہو تو حسین نہ کہا جائے گا۔ مثلاً سارا جسم ٹھیک ہو۔ لیکن کانا ہو تو اس کو حسین نہیں کہا جائیگا اور آجکل مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ پانچوں چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں اور حسین بننے کو تیار ہیں۔

اور اگر بعض افراد میں اجزائے دین ہیں بھی تو سارے اجزاء نہیں ایک دو کو لے کر باقی کو چھوڑ دیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کامل ہو گئے۔ یاد رکھو کامل وہ ہے جو سب اجزاء کو لے سب چیز مسلمانوں کی سی ہوں کوئی چیز مشابہ کفار نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک کے پوچھا گیا کہ وہ ایک کونسا ہے ارشاد فرمایا وہ، وہ ہے کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہو۔ سو یہ لفظ جو ترجمہ ہے ما کا عام ہے کیا مطلب کہ وہ اجزائے خمسہ میں متبع ہو۔ قولاً بھی فعلاً بھی۔ اور اتباع قولی عام ہے خواہ قول جزئی ہو یا قول کلی ہو جس سے کہ قاعدہ کلیہ ثابت ہو پس اجازت کے موقعہ پر جائز فعل کا کرنا بھی قول کلی کا اتباع ہے۔

اس شبہ کا جواب کہ علماء میں پورے متبع نہیں

میرے اس جملہ سے یہ اعتراض اٹھ گیا جو ممکن ہے کہ کسی کو ہوتا کہ مولوی لوگ بھی پورے متبع نہیں مثلاً اچکن پہنتے ہیں۔ حالانکہ حضورؐ سے یا صحابی سے اچکن پہننا ثابت نہیں اصل یہ ہے کہ عادات میں اصل اباحت ہے۔ جو وضع شریعت میں ممنوع نہ ہو (تشبہ بھی ممانعت کی علت ہے۔) تو اس میں کچھ

حرج نہیں تو یہ بھی اتباع ہی ہوا کہ شریعت نے جس چیز کو منع کیا اس کو اختیار کر لیا جائے۔
مثلاً شریعت نے لنگی اور پاجامہ کی حد مقرر کر دی ہے کہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو تو ٹخنے کھلا پاجامہ خواہ کسی وضع کا ہو تشبہ بالکفار نہ ہو شریعت جائز رکھتی ہے تو جواز کی حد میں رہنا بھی قولاً اتباع ہے۔ اگر بالکل حضورؐ کے موافق ہو کہ سنن عادیہ میں سے بھی کوئی سنت نہ چھوڑے تو سبحان اللہ مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے سرمو اتباع سے قدم باہر نہیں رکھا۔

ایک بزرگ کا اتباع سنت

ایک بزرگ نے صرف اس وجہ سے خربوزہ نہیں کھایا کہ حضور سرور عالم ﷺ کی کیفیت قطع کسی حدیث میں نہیں ملی صحابہ نے بے چھنا جو کا آٹا کھایا صرف پھونک مار کر بھوسی اڑا دیتے تھے اور گیہوں کا آٹا ہوتا تو اس کی روٹی بے سالن کے کھاتے۔ کیونکہ گیہوں خود سالن ہے۔

حضرت خواجہ نقشبندی کا اتباع سنت اور ادب

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ایک مرتبہ خدام سے فرمایا کہ صحابہ جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھانے ہوئے کھایا کرتے تھے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہئے اب سے اسی طرح روٹی پکائی جائے کہ جو کا آٹا ہو اور اس کو چھانا نہ جائے چنانچہ اسی طرح روٹی پکائی گئی اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا آپ نے فرمایا کہ ہم سے بڑی بے ادبی ہوئی کہ ہم نے حضور ﷺ کی برابری کا دعویٰ کیا ہم کو نیچے کے درجہ میں رہنا چاہئے اور رفقاء سے کہا تو بہ کرو آٹا چھان کر کھایا کرو بے چھنا آٹا کھانا حالاً حضور ﷺ کی برابری کا دعویٰ ہے کس قدر باریک بات ہے۔

ذکر اللہ اور صحبت سے فہم حاصل ہوتی ہے

یہ بات ذکر اللہ اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے معاملات کو سمجھنے لگتا ہے شیخ نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے پھر وسعت پر عمل کرنے میں سنت کے ادب کو بھی ملحوظ رکھا ہم سوال ہوتے تو کہتے اچھا عمل بالسنت کیا کہ پیٹ میں درد ہی ہو گیا۔ گویا (نعوذ باللہ) سنت سے وحشت ہو جاتی ہماری حالت یہ ہے کہ جو بات اپنے آپ کو پسند ہوئی اور اتفاق سے شریعت نے بھی اس کا امر کیا تو اس پر تو عمل کر لیا اور شریعت کی تعریف کرنے لگے اور جو بات اپنے آپ کو پسند نہ ہوئی یا اس میں

اپنا کچھ نقصان ہوا تو اس کے پاس کو بھی نہ جاویں۔ یہ وہ حالت ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

ومن الناس من یعبداللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجہہ خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ھو الخسران مبین ۔یعنی بعض آدمی وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عبادت کا دم بھرتے ہیں۔ مگر کنارہ پر رہتے ہیں اگر ان کو کچھ نفع پہنچا تب تو مطمئن ہو گئے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی تو بس منہ پھیر کر چلدیئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے دنیا بھی کھوئی اور دین بھی۔

فرائض پوچھنے میں صرف میراث حاصل کرنی مقصود ہوتی ہے

آجکل یہ حالت ہے کہ لوگ فرائض کے مسئلے پوچھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حکم کی طلب ہے۔ حالانکہ مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم کو میراث ملجائے اگر ان کو دور کے رشتہ سے پانچ ہزار میراث کے مل گئے تو کہتے ہیں شریعت کیسا اچھا قانون ہے۔ کسی کا حق نہیں مارتا ہر ایک کا پورا پورا حق دلواتا ہے حق تلفی تو اس قانون میں ہے ہی نہیں۔

اور اگر انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو کہتے ہیں بس رہنے دیجئے فرائض نکالنے کی ضرورت نہیں ہم سے تو یہ مال گیا۔حتی کہ بعض لوگوں نے فرائض نکلوائے جب دیکھا کہ ان کا حصہ نہیں ہے تو کہا بس رہنے دو آگے کیوں تکلیف کرتے ہو اب ضرورت نہیں رہی۔ایک شخص نے مجھ سے ایک فرائض لکھوائی اس میں ان کا حصہ نہ آیا تو پوچھنے لگے کہ میرا حصہ کیوں نہ آیا۔ مجھے تو بڑی امید تھی میں نے کہا کہ فلاں وارث موجود ہے اس کے ہوتے آپ کو نہیں مل سکتا تو کہنے لگے کہ پھر اس وارث کو نہ لکھو سبحان اللہ واقعات میں تراش خراش ہونی اختیاری ہو گئی ہے۔

یہ حالت ہے ہم لوگوں کی کہ بس دنیا کے نفع نقصان کو دیکھتے ہیں اگر دین بھی ساتھ میں آ گیا تو خیر ورنہ کچھ اس کی پرواہ نہیں تو ہم لوگ دین کو بھی دین ہونے کی نیت سے نہیں لیتے اور اہل اللہ اگر دنیا بھی لیتے ہیں تو دین کی نیت سے۔ دیکھئے حضرت خواجہ نقشبند نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے ہم لوگ اگر وسعت اختیار کرنے میں بھی نیت کرلیں کہ عزیمت پر عمل کرنے میں تکلیف ہے۔اور ہم کو اس کے تحمل کی ہمت نہیں تب بھی غنیمت ہے مگر ایک حد جواز سے باہر نہ جانا چاہئے۔ دوسرے صرف کسی ایک جزو دین کو منتہیٰ نہ قرار دے لیں بلکہ تمام اجزائے دین میں پورا پورا اتباع کریں۔ کیونکہ ما انا علیہ میں

ما کلمہ عموم ہے جو شامل ہے۔اجزائے خمسہ کو عقائد میں عبادات میں معاملات میں معاشرت میں اخلاق میں سب میں دین کے پابند رہیں۔سلام کھانا پینا سونا اٹھنا بیٹھنا سب اسلام کا سا ہو۔

تشبہ بالکفار کی تردید حدیث سے

دیکھو حضور ﷺ نے عشا کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا۔حالانکہ یہ بھی ایک لغت تھا۔مگر چونکہ اہل جاہلیت اس کو بولتے تھے اس واسطے پسند نہیں فرمایا تشبہ کے بارے میں بہت لوگوں کی طبیعت میں الجھن ہوتی ہے۔ کہ اس میں کیا حرج ہے مگر میں اس کا پتہ آپ ہی کے برتاؤ میں بتاتا ہوں۔

تشبہ کی تردید عرفی دلیل ہے

دیکھئے اگر اس وقت زمانہ حرب میں کوئی جرمنی لباس پہنے بلاضرورت زبان جرمنی بولے محض اترانے اور تفاخر کے لئے تو حکام کو کیسا ناگوار ہو جب کہ تشبہ کوئی چیز نہیں ہے۔تو یہ ناگواری کیوں ہوتی ہے پھر شریعت پر کیا اعتراض ہے اگر وہ منکرین اور مخالفین کی مشابہت سے منع کرتی ہے۔غرض حضور ﷺ ان الفاظ کی بھی اجازت نہیں دیتے جن کو کفار استعمال کرتے تھے۔اس سے وہ الفاظ گو بالکل حرام نہیں ہو جاتے۔مگر ان کا استعمال بے ادبی تو ہے۔

حرام اور مکروہ کو تلاش کرنا دلیل عدم محبت ہے

بلکہ یہ سن لینے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔پھر حرام اور مکروہ کا سوال کرنا ہی دلیل ہے عدم محبت کی۔حرام اور مکروہ کی تحقیق کیوں ہے جس کو اللہ و رسول نے منع کیا اس سے رک جانا چاہئے آجکل لوگوں نے متکبرانہ انداز میں انگریزی کے الفاظ ایسے زبان پر چڑھائے ہیں کہ کوئی جملہ ان سے خالی نہیں ہوتا۔

پھر علماء سے پوچھتے ہیں۔کہ کیا انگریزی کا لفظ بولنا حرام ہے علماء ان کو حرام تو کہیں نہیں۔بس ان کو گنجائش مل جاتی ہے کہ جب حرام تو ہے نہیں۔پھر ہم پر کیا اعتراض۔میں کہتا ہوں کبھی کچہری میں جا کر عربی اور فارسی کے پرانے الفاظ نہ بولے ذرا یہ بھی تو کیجئے یہ بھی حرام نہیں۔اور میں ذمہ لیتا ہوں کہ انکے بولنے سے آپ پر کوئی مقدمہ بھی قائم نہ ہوگا۔اور کسی قسم کا خطرہ بھی نہیں بلکہ اپ کی لیاقت کی دلیل ہوگی کہ آپ کو یہ زبانیں بھی آتی ہیں۔مگر آپ کبھی ایسا نہ کریں گے۔وجہ کیا ہے کہ حکام اسکو اگرچہ ناجائز

اور کوئی جرم نہیں کہتے مگر پسند بھی نہیں کرتے۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ناپسند بھی نہیں کرتے صرف اتنی بات ہے کہ خود نہیں بولتے بس آپ صرف اس بات سے کہ وہ خود استعمال نہیں کرتے ان الفاظ کو ناپسند کرنے لگے۔ اتباع کے یہ معنی ہیں۔ جس شخص کو اللہ ورسول سے محبت ہے۔

اسی طرح اس کو بے دین قوم کے الفاظ استعمال نہ کرنے کیلئے یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ ورسول نے ان کو خود استعمال نہیں کیا۔ نہ عارض کی وجہ سے ان کو پسند کیا۔ حرام اور مکروہ کیا چیز ہے جیسے عربی و فارسی کے الفاظ حکام کے سامنے اس واسطے نہیں بولے جاتے کہ حکام ان کو خود نہیں بولتے ہیں۔ مگر آجکل اس کا عکس ہے کہ جان، جان کر کفار کے الفاظ بولتے ہیں۔

مسجد میں انگریزی بولنا

کان پور میں ایک مرتبہ دولڑکے مسجد میں نماز پڑھنے آئے ان میں سے ایک دوسرے سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا دوسرے نے کہا کہ بھائی مسجد میں تو انگریزی مت بولو۔ اس نے کہا کیوں کیا مسجد میں انگریزی بولنا گناہ ہے پھر انہوں نے ایک ملازم کو مجھ سے دریافت کرنے کے لئے بھیجا میں نے کہا گناہ تو نہیں مگر ادب کے خلاف ضرور ہے لوگ اسکو معمولی بات سمجھتے ہیں۔

گو اس پر فتوی کوئی نہ لگایا جا سکے مگر آخر ادب بھی تو کوئی چیز ہے۔ دیکھئے بعض آداب کے ترک پر عدالت میں ناخوشی ہوتی ہے۔ میرے ایک ملنے والے کا مقدمہ عدالت میں تھا وہ پیشی کے وقت عطر مل کر گئے۔ مقدمہ سے وہ رہا کر دیئے گئے۔ مگر پھر بلا کر سمجھایا گیا کہ دیکھو یورپین کے سامنے عطر مل کر کبھی مت جانا۔ سو عطر مل کر آنا کوئی جرم نہ تھا۔ چنانچہ عدالت نے بھی اس کو جرم قرار نہیں دیا۔ اسکی وجہ سے کوئی مقدمہ ان پر قائم نہیں ہوا۔ لیکن فہمائش کی گئی اس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ عطر مل کر آنا کیا جرم ہے۔ بلکہ یہی کہا ہوگا کہ جی اچھا حضور قصور ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کا اور خدا کے گھر کا ادب نہ ہو اور وہاں وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو مخالفین و کفار کے الفاظ ہیں۔

ادب بڑی اور ضروری چیز ہے

ادب ایک بڑی چیز ہے۔ اور ترک ادب کوئی معمولی بات نہیں۔ حرام اور مکروہ کا تلاش کرنا۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب دل میں ادب نہ ہو۔ اور جب دل میں ادب ہوتا ہے تو حکم سنتے ہی آدمی

گردن جھکا دیتا ہے۔صحابہ کی یہی شان تھی صحابہؓ نے کبھی حرام اور مکروہ نہیں پوچھا۔

جب بعد میں اس قسم کے سوالات ہونے لگے تب فقہاء نے احکام کے مراتب کو استنباط کر کے قائم کر دیا۔غرض ا خمسہ دین میں یہی برتاؤ رکھئے کہ جس بات کی نسبت معلوم ہو جائے کہ یہ دین کی با ہے اس کو اختیار کیجئے اور جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ یہ دین کے خلاف ہے اس سے الگ رہئے یہ ہے اسلام کامل اس پر کار بند ہو کر دیکھئے پھر کسی بات کی دوسروں سے حاصل کرنے کی کون سی احتیاج رہتی ہے۔

جس کو کسی چیز سے انس ہوتا ہے دوسری چیز کی طرف میلان نہیں ہوتا جس کو اسلامی مذاق حاصل ہے وہ دوسروں کے افعال کی طرف کیوں مائل ہوگا۔ بلاضرورت کوئی چیز بھی غیر قوم کی نہ لیجئے۔ اسوقت مجھ کو بالقصد یہ بیان کرنا تھا۔ **لا تکونوا من المشرکین** سے یہ مسئلہ بخوبی مستنبط ہو گیا۔جس چیز میں مشرکین کی مشابہت ہو وہ سب اس میں داخل ہیں سب صاحب رسوم شرکیہ چھوڑ دیں۔ چال ڈھال میں کھانے پینے میں لباس میں شادی بیاہ میں کوئی عادت اور رسم کفار کی نہ رکھیں۔اور نماز پابندی سے پڑھیں اور خود بھی پڑھیں اور اپنے گھر والوں سے اور اوروں سے بھی پڑھوا دیں۔اب دعا کریں کہ حق تعالیٰ توفیق دیں۔آمین ثم آمین،،

تمت